ٹینٹ چن

چینی گاؤں

ترجمہ: ظ۔ انصاری

کتب پبلشرز لمیٹڈ بمبئی ۱

چینی گاؤں

VILLAGE IN AUGUST

طبع اوّل

جنوری سنہ ۱۹۵ء

فیروز مستری نے قادری پریس نور منزل محمد علی روڈ بمبئی ۳ سے چھپوا کر
کتب پبلشرز لمیٹڈ ریگل بلڈنگ — اپالو بندر بمبئی ۱ سے شائع کیا

"کتاب کے بارے میں"

ناول تہذیب حاضر کی ایجاد ہے۔ اور یہی چیز ہے جو ناول کو دوسرے فنون لطیفہ سے الگ کرتی ہے، اس میں انسان کے مکمل وجود کو بدلتے ہوئے ماحول کے پس منظر میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور ماحول کی باریک یا واضح حقیقتوں کو پیش کرنے کے لئے کردار تراشے جاتے ہیں۔ ناول صرف واقعات کو واقعات کی طرح ایک اخبار نویس کے انداز میں پیش نہیں کرتا، اور نہ اس کے اندرونی تجزیئے کو ہی کافی سمجھتا ہے، بلکہ خاص حالات میں خاص کرداروں کے سامنے اجتماعی زندگی کے ایک خاص ڈھانچے میں افراد کے لئے جو جذباتی کش مکش اور ٹکراؤ کے لمحے آتے ہیں، انھیں بھی روشنی میں لاتا ہے۔ اس داخلی کش مکش اور خارجی ٹکراؤ کے اسباب اور نتائج بھی ہمارے سامنے رکھتا ہے

لینن گراڈ کا خوفناک محاصرہ اور نازی حملہ آوروں کی شکست، پہلے اخبار کا اور پھر تاریخ کا ایک اہم باب بن گئے ہیں، لیکن ان کی حقیقی، اندرونی، اور مکمل تصویر نہ اخبار نویس کے بس کی بات تھی، نہ مورخ کے قلم کی۔ یہ کام ایلیا اہرن برگ نے "اسٹورم" جیسا ناول لکھ کر پورا کیا۔ اور اس طرح ایک عظیم الشان تاریخی دور میں افراد، اور عوام کی اندرونی کیفیت اور بیرونی مدافعت کا سارا نقشہ ہمارے سامنے بے نقاب کر کے رکھ دیا۔

یہ ناول جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کا بڑا کمال یہی ہے کہ مصنف نے حقیقی زندگی کا، خود ایک کردار بن کر مطالعہ کیا ہے، اس میں بعض کرداروں کو اپنانے کی تمنا کی ہے، اور اپنا لیا ہے، اس نے انقلابی زندگی، اور انقلابی کرداروں کو سامنے لانے کے لئے فرضی سانچے اور محض نظریاتی خول نہیں گھڑے، جن میں بھر بھر کر ڈھلے ڈھلائے کردار پیش کئے جائیں۔ یہ بات ماننی پڑے گی۔ اگر آپ تیاؤ منگ کے کردار پر، انا کے متوازن کردار پر، اور بڑے بھائی کی پر گھری نظر رکھیں۔ تینوں ایک جیسے انقلابی سپاہی ہیں۔ تیاؤ منگ ایک آزمودہ کار تعلیم یافتہ کمانڈر ہے۔ لی ایک معمولی کسان ہے اور انا اپنا گھر بار چھوڑ کر انقلابی لڑائی میں حصہ لینے آئی ہے، مگر ایک کرائسس، ایک توڑ کا وقت سامنے آتا ہے، اور تینوں کرداروں کی ہیئت بدل جاتی ہے، تیاؤ منگ غوطہ کھانے لگتا ہے، انا بکھر جاتی ہے اور لی پورے سیفنے کی باگ ڈور سنبھالنے کیلئے ابھر آتا ہے۔

یہ ناول اس وقت (۱۹۳۵ - ۳۴) لکھا گیا جب یورپ اور امریکہ میں ناول پر دونوں طرف سے آفت آئی ہوئی تھی عشرت پسند ناول نگاروں کے لئے وہ صرف ایک ذہنی عیاشی کا ذریعہ بن گیا تھا، اور انقلابی ادب پسندوں کے لئے نعرہ بازی اور ثواب کمانے کا ذریعہ۔ اس دور میں مصنف صرف اس وجہ سے کامیاب ہے کہ

انقلابی تصور اس کے لئے محض اعتقادی (Dogmatic) نہیں تھا، بلکہ وہ اس کی زندگی میں ایک حقیقت تھا۔ حقیقت اپنے اصلی روپ میں۔

اور یہی وجہ ہے کہ ناول کا انداز بیان اتنا سادہ، اتنا روزمرہ، اور ہمارے آباؤ اجداد کی زبان میں ––– اتنا عامیانہ ہے کہ ترجمے میں اس کی روح سمیٹنا دشوار ہوگیا۔ انگریزی ترجمے سے اس دشواری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انگریزی زبان میں مصنف کا مفہوم پیش کرنے کے لئے ترجمہ کرنیوالے کو، الفاظ اور ترکیبیں تراشنی پڑی ہیں، اور پھر اسکے مقابلے اردو کا سرمایہ ہی کتنا ہے۔

میں نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ اردو ترجمے سے اصلی روپ سنگار بگڑنے نہ پائے، اسکے لئے میں نے علمی زبان، ادبی لہجے، اور ادبی وقار کی بجائے اپنے یہاں کی عام آدمیوں کی زبان، اور ان کے لہجے کی طرف جھکنا زیادہ پسند کیا، جس سے ترجمے میں بعض ایسی باتیں پیدا ہوگئی ہیں جن پر انگلی اٹھائی جاسکتی ہے۔ مثلاً ایسے الفاظ آئے ہیں جو قواعد کی رو سے غلط سمجھے جائیں گے، جیسے رنگت، سمجھدار، یکسانیت، ایسے ہی وہ انگریزی الفاظ ہیں جو اس قسم کے کردار ہمارے یہاں عام طور پر بولتے ہیں۔ جیسے کنٹرول، ڈیوٹی، ڈسپلن وغیرہ چینی زبان میں بعض گالیاں اتنی عام ہیں کہ انگریزی میں انکا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے، مگر اردو میں انھیں یونہی رکھ دینا کافی تھا، جیسے ماں کی گالی۔ جسے میں نے مادر بخطا لکھ کر زیادتی کی ہے۔ یا (Turtle's eggs) کی جگہ حرامزادہ اور بدمعاش لکھا ہے، حالانکہ اس میں اصلی گالی کی چاشنی نہیں آتی۔ بعض درختوں کے نام انگریزی میں ویسے ہی رہنے دئیے ہیں کیونکہ انگریزی ترجموں کی کثرت سے وہ نام عام فہم ہو گئے ہیں۔ لیکن اگر ترجمہ کیا جاتا تو ان ناموں کی جگہ نئے نام فرض کرنے پڑتے، جیسے کاؤ لیانگ اور برچ (KOALIANG, Birch Trees) کے درخت۔ بڑا بھائی تی، چھوٹی بہن، تیسرا بھائی

اور ساتویں بہن، اصلی رشتوں کا صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ یہ رشتے چینی زبان میں خاندان
اور رشتوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ اردو میں انکا لفظی ترجمہ کرنے کے سوا کوئی چارہ
نہ تھا کیونکہ ہمارے یہاں ایسے مفہوم کے لئے کوئی لفظ یا اشارہ موجود نہیں ہے۔
کہیں ناموں کو اصلی نام کے قریب لانے کے لئے اردو میں نام بنانا پڑا ہے جیسے
اژدہا پنجہ پہاڑی، اور شیر پنجہ کھوہ، اسی طرح لہجے کا معاملہ ہے۔ یہاں بھی میں نے
کتابی زبان کی جگہ روزمرہ کی زبان ملحوظ رکھی ہے۔ جیسے 'کر' کی جگہ 'کے'، اور 'پر'
کی جگہ 'پہ'، املا تمام تر نئے اختیار کئے گئے ہیں۔ جیسے علاحدہ۔ ذرا، — اور
کانفرنس۔

ترجمے میں کچھ ایسی کمزوریاں ضرور ہوں گی جو نظر ثانی کی محتاج رہ گئی ہیں
کیونکہ ترجمہ مکمل ہوتے ہوتے میں سرکاری مہمان بن گیا۔ اور یہاں کافی عرصے تک بیمار
پڑا رہا۔ نہ خود اپنے ترجمہ پر تنقیدی نظر ڈال سکا، اور نہ کسی دوست سے مدد لے سکا۔
امید ہے کہ پڑھنے والوں کی تنقیدی نگاہ مجھے ان خامیوں سے آگاہ کر دے گی۔
تاکہ آئندہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

آرتھر روڈ جیل
ممبئی

ظ۔ انصاری

تعارف

تاریخ کے بہت ہی اہم ماحولوں اور ہنگامی موقعوں میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ محض ایک ناول، ایک نظم، یا ایک مضمون، سیدھے سادے واقعات بیان کر کے قلب میں کہیں بہتر طریقے سے یہ دکھا دیتا ہے کہ ایک خاص زمانے کے اندرونی مقصد کی گہرائی میں کیا ہو رہا ہے۔ یا کسی خاص سماج میں زوال، یا حکومت کے کون سے اصلی سرچشمے کام کر رہے تھے جنہوں نے اس سماج کو نئی زندگی بخشی، یا اسے بالکل ڈھا دیا۔ انکل ٹام کی کوٹھری اس کی کھلی مثال ہے۔ (یہ کتاب نیگرو زندگی کی عکاسی کرتے ہوئے مسز بیچر اسٹو نے لکھی تھی۔ مترجم) کیا ہم "لے مزربل" یا کم سے کم "والٹیئر" پڑھے بغیر انقلاب فرانس کو سمجھ سکتے ہیں؟ "یا ڈان کوئکزوٹ" کا مطالعہ کئے بغیر کوئی شخص سلطنت اسپین کے زوال کی حقیقت بیان کر سکتا ہے؟ یا یہ زوال کا زبردست

ناول پڑھے بغیر اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فلپائن میں سیاسی بیداری کس منزل پر تھی؟

یہ کتاب " چینی گاؤں " بھی اسی مرتبے کی تصنیف ہے، اس کتاب کی آمد کے ساتھ ساتھ ایسے سیاسی واقعات نمودار ہوئے، اور خود اس تصنیف نے ان واقعات کی جنم دینے میں ہاتھ بٹایا جنھوں نے آگے چل کر جاپانی غلامی کیخلاف مشترکہ لڑائی لڑنے کے لئے چینی عوام کو متحد کر دیا، اتفاق دیکھیے کہ یہ اپنے عہد کا پہلا چینی ناول ہے جو انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا۔ یہ حقیقت خود اپنی جگہ اس بات کو جتا رہی ہے کہ ماضی میں ہم نے ایشیا کی ان زبردست تبدیلیوں کی طرف سے کس درجہ غفلت برتی ہے کہ جو ایک نہ ایک دن ہمیں بھی اپنی زندگی کے خاطر لڑنے پر مجبور کرنے والی تھیں۔

سارے چین میں شاید ہی کوئی ایسا تعلیم یافتہ نوجوان ہوگا جس نے " چینی گاؤں " کا ذکر نہ سنا ہو، اور اچھے خاصے بیدار قسم کے لوگوں میں سے ہر شخص اسکو پڑھ چکا ہے۔ جنگ کے دوران میں جو چلتے پھرتے تھیٹر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں ہزارہا سپاہی اس ناول کو اسٹیج پر ڈرامائی شکل میں دیکھ چکے ہیں، پہلی بار ۱۹۳۶ء میں جب یہ کتاب شائع ہوئی اسی وقت سے وہ کامیاب ثابت ہوئی، اور اسکی عہد ساز صنعت اس بات سے ظاہر ہے کہ یہ ناول آج تک بڑے ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ پچھلے دس سالہ دور کی ایک زبردست تصنیف تو یہ ہے ہی، مگر اسکے علاوہ چین میں تعلیم عامہ، کا جو نیا دور کہا جاتا ہے، اسکے بعد سے اب تک چین کا یہ تنہا ناول ہے جو لکھا گیا۔

یہ تعلیم عامہ کا نیا دور، والا معاملہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ کیونکہ اس تحریک کے ذریعہ دیسی زبان کو، یا عام بات چیت کی سادہ زبان کو تعلیم کا عام ذریعہ بنایا گیا ہے

اور اسی کے ساتھ ساتھ قدیم اور علوم سے بھی پور زبان کو برقرار رکھا گیا جسے صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہی سمجھ سکتے تھے، اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ بڑے بڑے عالم و فاضل اور علمی رہنما لوگوں تک پہنچ سکیں، اور ان میں جمہوری تعلیم عام کر سکیں مگر اس ناول کا مصنف تیین چین پہلا ناول نگار تھا جو اس مقصد کو پورا کرنے میں درحقیقت کامیاب ہوا۔ عوام کی زندگی اور چینی تعلیم یافتہ دانشور لوگوں کی زندگی کے درمیان جو خلیج تھی۔ اس نے اس خلیج کو پاٹ دیا۔ اور چین کی عام جنتا نے اس کی بات کو حیرت ناک تیزی کے ساتھ پالیا۔

اس کارنامے کو جس چیز نے اور نمایاں کر دیا ہے وہ یہ کہ اس تاریخی کتاب کا مصنف کسی عالموں یا دانشوروں کے طبقے سے نہیں ہے، بلکہ خود شخص ایک سپاہی ہے جنگی سپاہی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کی دیسی اور عام روزمرہ کی استعمال کی زبان (جسے چینی میں پائی ہوا کہتے ہیں) صرف عام فائدے کی ہی چیز نہیں بلکہ عوامی ادب کے عظیم اور شاندار نمونے بھی پیش کر سکتی ہے۔ اس سے پھر ایک بار نظر آتا ہے کہ چین کی عام معمولی جنتا میں ذہانت اور اعلیٰ صلاحیتوں کے کیسے کیسے خزانے دبے ہوئے ہیں، اور اگر تعلیم عام ہو جائے تو ان خزانوں کے منھ کس طرح کھل سکتے ہیں۔

یہ تصنیف "وِلیج اِن اگسٹ" ... "چینی گاؤں" بغیر لمبے چوڑے پلاٹ کے ایک سیدھی سادی کہانی ہے۔ کہانی میں بتایا گیا ہے کہ منچوریا کے عام لوگوں نے صرف اپنی صلاحیت، اپنی سوجھ بوجھ، اور اپنی ذہانت کے بل بوتے پر اپنی تنظیم کر لی، اپنے آپ کو مسلح کر لیا، اور پورے جوش و خروش سے جاپانی حملہ آوروں اور خود اپنے یہاں کے جاپانی حاشیہ برداروں کا مقابلہ کیا، اس زمانے میں جب خود چین کے خودسر سرکاری نیتا اور بااقتدار لوگ اس کے لئے آمادہ

نظر آتے ہیں ۔ کہ جاپانیوں کو مطلقاً رعایتیں دیتے چلے جائیں اور ان کے سامنے جھکتے رہیں اُس وقت یہ کتاب دیوارِ چین کے جنوب میں ہمت بندھانے اور جرأت سے کام لینے کا پیغام بن کر آئی۔ جنوبی چینی کے نوجوان "چینی گاؤں" پڑھتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے کہتے تھے، آخر جب پچھڑیا کے کسان یہ سب کچھ کر سکتے ہیں تو ہم بھی ان کے فرزند ہر جگہ کیوں نہیں کر سکتے، ضرور کر سکتے ہیں۔

چین کے نوجوان طالب علموں نے جو تین چین کی جو بے لاگ کہانی پڑھی تو پہلی بار ان پر یہ روشنی پڑی کہ عوام، تمام ترذہانت اور نئی توانائی کا سونا ہیں۔ اور ہی فرزند بنانے کی کنجی نوجوں پر ہوا۔ اس تصنیف کے گرد جو خلوص اور سچائی کا ہالہ کھنچا ہوا ہے اس نے ہر آدمی کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ جو نہ ہو یہ نوجوان مصنف، کسی ایسی چیز کا ذکر کر رہا ہے جس میں وہ خود رہ چکا ہے۔ پڑھنے والے اس کی بات پر پوری طرح بھروسہ کرتے ہیں۔ اسے دل میں اتار لیتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے خود آمادہ ہو جاتے ہیں۔

جب یہ ناول شائع ہوا ہے، میں ان دنوں پیکنگ میں تھا۔ اور ایک دم ہر ایک طالب علم جسے میں جانتا تھا، اسی ناول کا ذکر کرنے لگا یہ کتاب خفیہ طور پر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ تک پہونچ گئی۔ کیونکہ سرکار نے اس کتاب کو خلاف قانون قرار دیدیا تھا، اس خیال سے کہ کہیں جاپانیوں کے وقار کو صدمہ نہ پہونچے، شمالی چین ہاتھ سے دینے پر غالب حکومت چین نے خود کو سمجھا بجھا لیا تھا، اور وہاں جاپانیوں نے انتہائی شرمناک ذلت انگیز حالات قائم کر دیئے تھے۔ انکا اصرار تھا کہ پڑھائی کی کتابوں میں، اور اخبارات وغیرہ میں کہیں بھی جاپانیوں کی مخالفت لئے ہوئے کوئی چیز آنے نہ پائے۔ اور اس پر انکا پورا زور لگا ہوا تھا کہ نوجوانوں میں جو وطن دوستی کی بنیاد پر سوسائٹیاں یا انجمنیں

نہیں، نہیں، بالکل کچل کر رکھ دیا جائے، یا پنپنے ہی نہ دیا جائے۔

پیکنگ جیسا شہر، جو چین کا پرانا علمی اور ذہنی مرکز ہے، اور ہزارہا طالب علم وہاں رہتے ہیں، نئی بات تک ایسی ایسی نہ جانے کتنی ذلتوں کا شکار بنا رہا، اور ایک دم اس نے ڈرامائی انداز سے بغاوت کر دی۔ ایک دن لکھوکھا طالب علم نوجوان سڑکوں پر ابل پڑے۔ نانکنگ (مرکزی حکومت) کی طرف سے جو جاپانیوں کی تسکین کا سامان کرنے کے لئے قدم اٹھائے جاتے ہیں، اس کے خلاف ان طالب علموں نے احتجاج کیا، اور زبردست مطالبہ کیا کہ اب ہر قیمت پر جاپانیوں کے ہر ایک مطالبے کا سخت مقابلہ کیا جائے۔ بیسیوں لیڈروں کو اس دن پیٹا گیا، اور انھیں جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ ان میں سے اکثر کے نزدیک اس ناول کے کردار مثلاً فولادی سنگ یا ہزل ہٹ چو، اور انا، ایسی مثالیں بن گئے تھے جنھوں نے [illegible] کو صرف ایک معمولی سی بے آرامی بنا دیا۔ طالب علموں کی یہ تحریک اس ذہنی نئے جیون کی تاریخی ابتدا تھی جس نے چین کو ایسے مقابلے کے لئے تیار کیا، جس مقابلے نے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

جلاوطن منچوریائی باشندوں پر اس کتاب کا اثر خاص طور پر ہوا۔ سن ۳۶ء میں جو شمال مغربی چین میں، مارشل چانگ سیو لیانگ جو نانکنگ سرکار کے احکام کے مطابق جاپانیوں کا مقابلہ کئے بغیر منچوریا سے ہاتھ دھو کر ہٹ گیا، اسکا شمال مغربی چین کا ہیڈکوارٹر سیان فو میں تھا، یہاں اس ہیڈکوارٹر کے مقام پر ہزارہا جلاوطن طالب علموں اور سپاہیوں نے اس ناول کو پڑھا، اور چین کے "سرخ سپاہیوں" کے خلاف جنگی مہم میں لگے ہوئے سابق منچوریائی فوجیوں نے جو یہ ناول دیکھا تو وہ خود بھی جوش میں آ گئے کہ ہمارے اپنے عزیز رشتہ دار کس طرح سے حملہ آوروں کے خلاف لڑ رہے ہیں اور خود اپنے ہم وطنوں کے خلاف لڑائی

رہنے میں ان کی جو کچھ رہی سہی دل چسپی تھی وہ بڑی تیزی سے گم ہونے لگی۔ جوش و خروش میں انھوں نے ایک ہی نعرہ بلند کیا، اپنے پرانے وطن کو بچانے کے لئے لڑو، یہی تھا وہ نعرہ جس نے آگے چل کر انھیں بغاوت پر آمادہ کر دیا، جنرلسمو چیانگ کائی شیک کو ان کے ہاتھوں گرفتار کرا دیا تاکہ چیانگ پر اس بات کے لئے زور ڈالا جائے کہ اندرون ملک میں خون ریزی بند کرے اور قوم کو بیرونی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تنظیم دے۔

پھر تیین چن کی کہانی سارے چین میں بار بار دہرائی جانے لگی۔ جہاں درحقیقت ہزارہا دیہات کے عوام نے انکار کر دیا کہ ہم جاپانی جاگیرداروں اور حکمرانوں کے آگے سر نہیں ٹیکیں گے۔ یہاں اس ناول میں ایک طرف بدکاری، بدمعاشی اور مکر و فریب کی کوئی داستان اور دوسری طرف زبردست دیانت، ایمان داری اور تقدس کی کوئی مصنوعی کہانی نہیں سنائی گئی ہے بلکہ یہ حقیقی رپورٹ ہے جسے ایک سپاہی نے لکھا۔ اس پوری کہانی میں گرما گرمی ہے۔ کیوں کہ زندگی کی حرارت پوری کہانی کی رگوں میں دونوں سمت دوڑ رہی ہے۔ اس میں قوت بھی ہے کمزوری بھی ہے انسانیت بھی ہے، درندگی بھی اور مٹی کے عام پتلوں کی شرافت و ہمت اور اس کا دوسرا پہلو، دونوں ساتھ ساتھ دکھائے گئے ہیں۔

اس ناول میں چین کے عوام نظر آتے ہیں، جن کے ہم پر بڑے احسانات ہیں۔ صرف یہی تصویر نہیں کہ ایک ڈاڈو بڑے مشہور جنرل چنگ کے روزمرہ مصائب سے دور فاصلے پر اپنے گھر والوں کے ساتھ مزے اڑا رہے ہیں، بلکہ دوسری تصویر بھی ہے کہ عام لوگوں کے پاس جو صرف ایک جگہ تھی ایک گھر تھا یعنی زمین، وہ زمین سے بھی اجڑ گئے۔ وہ لوگ سامنے آتے ہیں جو ہوشیاری اور جنگی مصلحت سے پیچھے ہٹ جانا نہیں جانتے بلکہ ایک ایک انچ زمین کے لئے ڈٹ کر لڑنا جانتے ہیں۔ حالاں کہ جنرل اور

دولت مند لوگ فرار ہو چکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اُن برسوں میں جب ہم نے ان کی طرف سے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی، چین اور شکستِ کابل کے درمیان اگر کوئی چیز حائل ہوئی تو وہ انہی لوگوں کی قربانیوں، مشقتوں اور جان لڑا دینے کا حوصلہ تھا۔

زبردست دیانت اور سچائی کے ساتھ، اور کہیں کہیں "رابیلائی" بے تکلفی کے ساتھ ایسے عوام کی تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے جن پر کبھی آپ ہنس پڑیں گے۔ اور جنھیں آپ پہچان لیں گے۔ ان میں آپ کو بے علمی، بے خبری، تعصبات، بھی نظر آئیں گے اور بعد از وقت بیداری بھی۔ مگر ان کی پوشیدہ عظمت بھی جھلکے گی۔ یہ کون ہیں لال بھبھوکا، بڑا الّو، بڑے میاں سن۔ ان کے لڑکے، لیانگ زنگ، سات داغی چنگ، ساتویں بھائی۔ لی کی بیوہ اور اس کا چاہنے والا بوائل تانگ۔ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک اتنا حقیقی اور بالکل اصلی کردار ہے جیسے ابھی ابھی کسی چینی گاؤں سے چلا آرہا ہے۔

جہاں کہیں اس کی ضرورت پیش آتی ہے وہاں تیئن چن بن ترشی اور کھردری زبان استعمال کرنے سے نہ کتراتا ہے اور نہ اسے عام استعمال کی سوقیانہ، زبان لکھتے ہوئے ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ پھر خوبی یہ کہ جب مقصد اور ارادے کے بنیادی ٹکراؤ کے لمحے آتے ہیں تو وہ انہیں بڑے حسن اور صناعی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ آتا کا جو اس نے کردار بنا کر تیار کیا ہے، اس میں نسائیت کو ایک ایسی شکل دی ہے جو چینی نوجوان کے لئے بالکل نئے معنی رکھتی ہے۔ یہ کچھ اس قسم کا کردار ہے جو ایک انقلابی ہیروئن کی بالکل پاکیزہ اچھوتی، اور نہایت اولوالعزم شخصیت کو منظرِ عام پر لاتا ہے۔ یہاں آکر محبت بھی عظیم الشان قربانی سے بھرپور صفت رکھتی ہے جو چینی افسانوں میں بالکل نئی چیز ہے۔ اسے یوں پیش کیا گیا ہے کہ آتا جو بہر حال ایک انسان ہے، ذرا دیر کے لئے جذبات کی رَو میں بہہ جاتی ہے۔ لیکن فوراً سنبھلتی ہے۔ اور نفس کشی کے ساتھ پھر خود کو اسی لڑائی کے حوالے

کردیتی ہے ۔ انقلابی سپاہیوں کو نئے آئیڈیل کی کتنی زبردست ضرورت ہے ۔ یہ بات اس وقت صاف طور پر سامنے آجاتی ہے جب ہم سپاہیوں کو اٹنا کے متعلق ایک عجیب وغریب تصوّر میں مبتلا پاتے ہیں ، یعنی کچھ تعظیم ، کچھ تمنّا ۔

جب اٹنا کو یہ خبر نہ تھی کہ کس بلا کا درد اس کے دل کو کھائے جائے جا رہا ہے ۔ سارے جسم پر کس قسم کی بے کلی چھائی ہوئی ہے " اس وقت شیاؤ منگ کی بھی حالت یہ ہے کہ ــــ "آگ برابر لگی ہوئی " اور وہ اپنے اس زبردست اصول کی پابندی کرنے میں تھکا جا رہا ہے ، ہمت ہارے دے رہا ہے "کبھی گمان بھی نہ تھا کہ محبت اس کے عزم پر اس بری طرح اثر انداز ہوگی ۔ اٹنا اس بارے میں تمھاری کیا رائے ہے ؟ پرانی کتابوں میں بھی کہیں اس درد کا ذکر نہیں ۔ اور نہ میں نے آج تک کسی کہانی میں یہ دیکھا کہ محبت آدمی کے طے کیے ہوئے راستے میں یوں پہاڑ بن کر کھڑی ہوگئی ہو ۔ اور فرائض کی کٹھن راہ اس طرح روک لی ہو "

اس زمانے کے مقابلے میں جب یہ ناول پہلی بار نکلا ۔ آج چین کے دیہات میں سیاسی بیداری اور شعور کئی درجے زیادہ بلند اور عام ہے ۔ چار سال سے زیادہ لمبی جنگ اگرچہ بڑی مصائب کے ساتھ گزری مگر وہی ایک کارآمد اسکول اور عوام میں شعور پھیلانے کا ایک حربہ بن گئی ۔ یانگ سی دریا سے لے کر منچوریا کی پہاڑیوں تک چھاپہ ماروں کا جو علاقہ پھیلا ہوا تھا اس میں مسلح فوجیوں اور کسانوں کے درمیان جمہوری بنیاد پر تعاون ہوا ۔ اور حال یہ ہے کہ ایک تن تنہا دلیر اور جوان ہمت جنرل چن چو کی جگہ ، جو عوام کی آخری فتح میں یقین کامل رکھتا تھا ، جو کامیاب لڑائی کی سب سے پہلی شرط ڈسپلن اور ضابطے کی پابندی کو قرار دیتا تھا ، اب اُس جیسے سیکڑوں اَن تھک نڈر نوجوان مرد اور عورتیں میدان میں ہیں ، جو کسانوں کی تنظیم کر رہے ہیں ، انھیں ان کے متحدہ عمل کی زبردست طاقت کا راز سکھا رہے ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو

آزادی کی شمع کو سالہا سال اسی طرح لے کر آگے بڑھنے پر کمربستہ ہیں۔

تیئن چن کی تصنیفات میں اس ناول کے علاوہ اور ناول اور بہت سی مختصر کہانیاں شامل ہیں جن میں سے اکثر کہانیوں میں سپاہیوں کی زندگی دکھائی گئی ہے۔ مجھے اس مصنف سے اس وقت دلچسپی پیدا ہوئی جب موجودہ چین کی غالباً سب سے بڑی ادبی شخصیت مرحوم لوتژون نے بڑی تعریفوں کے ساتھ مجھے اس ادیب کی طرف متوجہ کیا۔ چوں کہ میں ان دنوں چین کی مختصر کہانیوں کی ایک جلد تیار کر رہا تھا جس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے، تو میں نے مرحوم کے کہنے پر دو کہانیاں تیئن چن کی بھی شامل کرلیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پہلا موقعہ تھا جبکہ اس کی کوئی کاوش ادبی دوسری زبان میں ترجمہ ہوئی۔ میں نے ناول کے مصنف سے کہا کہ تم اپنی زندگی کے کچھ حالات مجھے بتاؤ، تو اس نے مجھے لکھا:-

"میں سنہ ۱۹۰۸ء میں منچوریا میں پیدا ہوا تھا۔ متوسط درجے کے ایک گاؤں میں، جو سب سے نزدیک کے شہر سے پہاڑی راستوں کے ذریعے تقریباً ستر لی (۲۳ میل) فاصلے پر ہوگا۔ یہاں کی آبادی میں کسان تھے، دستکار تھے، شکاری تھے، سپاہی اور سوار ہوکر لوٹ مار کرنے والے بھی تھے۔

میرے پردادا خود ایک کسان تھے۔ باپ اور چچا شروع میں تو کاشتکاری کرتے رہے، بعد میں انھوں نے بڑھئی کا پیشہ اختیار کرلیا۔ پھر وہ دوکاندار اور سوداگر ہوگئے۔ فوجی افسر بن گئے، اور سوار ڈاکوؤں میں بھی شامل ہوگئے۔ کوئی زمانہ تھا جب ہمارے پاس کچھ مال املاک بھی ہوگا مگر ایک وقت ایسا آیا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ مکڈن کے حادثے کے بعد (۱۸ ستمبر ۱۹۳۱ء) جب جاپان نے منچوریا پر حملہ کیا میرے باپ اور تین چچا جاپانیوں کے خلاف والنٹیر فوج میں بھرتی ہوگئے۔ سب سے چھوٹے چچا بڑھئی کے کاروبار میں لگے رہے۔ میرے چچا آج کل منچوکو میں قید ہیں۔ ہمارے خاندان

کے پاس جو رہی سہی جائداد تھی، کچھ گھر اور کچھ آراضی، وہ منچو کو سرکار نے ضبط کر لی۔

مجھے باقاعدہ کوئی تعلیم نہیں ملی جس اسکول میں پڑھنے گیا وہیں سے انتظامیہ افسروں نے نکال باہر کیا۔ اس طرح اسکولوں میں کل ملا کر صرف چھ سات سال پڑھا۔

۱۹۲۵ء میں خود میں بھی فوج میں چلا گیا۔ اور چھ سال تک فوجی ملازمت کرتا رہا۔ سواروں میں رہا، پیدل فوج میں رہا، تردداری (مسلح دستے) میں کام کیا، توپ خانے میں کام کیا۔ اور کیڈٹ دستے میں بھی دن گزارے۔ آخر میں نیچے کی افسری مجھے مل گئی۔ ۱۹۳۱ء میں والنٹیروں میں شامل ہو گیا تھا لیکن تھوڑے دن بعد منچوریا کے ایک شہر میں میں نے ادبی کام شروع کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں شنگھائی چلا آیا۔

فوجی خدمات کے علاوہ میں نے اور بھی کام کیے ہیں۔ مثلاً میں آوارہ گرد رہا ہوں، سکریٹری رہا ہوں، ایک پیشہ ور گھونسے باز کی امیدواری میں رہا ہوں جو کھلے عام لوگوں کی آنکھوں دھول جھونکتا تھا، ہوٹل میں کھانا وغیرہ لگانے والے نوکروں میں رہا ہوں۔ اور ترکاری کی دوکان پر مال تولنے کی نوکری بھی کی —— نہ جانے کیا کیا کرتا رہا۔ میری تمنا تھی کہ "ڈاکوؤں کے سوار دستے" میں باقاعدہ فوجی کی حیثیت مجھے مل جائے (جاپانیوں کے خلاف لڑنے والے عوامی چھاپہ ماروں —— گریلاؤں کو جاپانی پروپیگنڈے کی زبان سے "ڈاکو" کا لقب ملا تھا، اور یہ لقب نان کنگ کی فتح اپریل ۱۹۴۹ء سے پہلے تک کومن تانگ کی طرف سے بھی استعمال ہوتا رہا۔ یہ اس لئے تاکہ سامراج اور سرمایہ داروں کی دشمن تحریک کو کوئی جمہوری تحریک ہی تسلیم نہ کیا جائے۔ یہاں تیں جن نے انقلابی فوج کے لئے ڈاکو دستے کا لفظ طنز کے طور پر استعمال کیا ہے ط) اور اگرچہ میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا، اور آجکل ناول لکھ رہا ہوں مگر ابھی تک میرے دل میں وہ خواہش موجود ہے، مجھے امید ہے کہ غالباً ایک نہ ایک دن یہ تمنا پوری ہو کر رہے گی۔

بچپن سے ہی مجھے ادب سے دلچسپی تھی۔ اور دس سال ہوئے جب میں نے لکھنا شروع کیا۔ ان دنوں میں فوج کی ملازمت میں تھا۔ پہلے پہل تو میں نے چین کی قدیم اور اعلےٰ شاعری کا ادھر ادھر سے مطالعہ کر ڈالا۔ اس کے بعد لُوژوں اور کوئو موژو کی تصنیفات یعنی لُوژوں کی کہانیاں اور مُوجو کی نظمیں پڑھیں نئے ادب کی بالکل ابتدائی تصنیفوں میں جو چیزیں میں نے پڑھیں ان میں لُوژوں کی تصنیف "خودرَو گھاس" تھی جو مجھے ہمیشہ بے پسند رہی ہے غیر ملکی مصنّفوں میں مجھے گوئٹے اور چیخوف سب سے زیادہ پسند ہیں۔ جب مطالعہ آگے بڑھا تو سوویٹ روس کے ادیبوں کا پتہ چلا، جن کی تصنیفوں میں مجھے گورکی کی کتاب "ماں"، نے اور سیرافی مُودیچ کی۔ تصنیف لوٹوک نے خاص طور پر متاثر کیا لوٹوک کا تو اب تک مجھ پر کافی اثر ہے لُوژوں اور کوئو موجو کے علاوہ اس عہد کے دوسرے چینی ادیبوں کو میں نے بہت کم پڑھا ہے اس لئے ان کا اثر بھی مجھے محسوس نہیں ہوا۔

جن کرداروں کو میں نے خود جنم دیا ہے، انھوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ کیوں کہ میرے لئے وہ سب کردار حقیقی وجود کی حیثیت رکھتے ہیں جو میرا قلم جو ماحول اور جو سماں باندھتا ہے، میں اس میں بالکل کھو جاتا ہوں۔ اور سچ پوچھو تو میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ خود اپنے فن سے فریب کھانے میں مجھے بڑا مزا آتا ہے

میرے تمام تر ادبی کام کا صرف ایک مقصد ہے کہ دبے ہوئے کچلے ہوئے عوام کو ان کے مصائب سے نجات پانے میں اس سے مدد ملے۔"

میں اس مصنّف تین جن سے کبھی نہیں ملا۔ مگر میں اس کے اکثر دوستوں کو جانتا ہوں ایک دفعہ جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد ہم شانسی میں ایک دوسرے سے ملے بغیر ایک راستے سے گزر گئے۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہی مجھے خبر ملی کہ وہ شن نانگ علاقے کے چھاپہ ماروں میں جا کر شامل ہو گیا۔ آخری خبر جو اس

کے متعلق ملی ہے وہ یہ کہ تیئن چن - دردراز چینی ترکستان چلا گیا ہے - حال میں ہی اس نے جو جنگی کہانیاں لکھی ہیں وہ اگرچہ تعداد میں بہت زیادہ نہیں مگر مقبول بہت ہیں۔

میں چاہتا تھا کہ اس امریکی مصنف کے بارے میں بھی کچھ بتانا ممکن ہوتا جس نے یہ غیر معمولی اور اعلیٰ درجے کا ترجمہ کیا ہے - بدقسمتی سے یہ بات ابھی نہیں بلکہ آئندہ کبھی کہی جا سکے گی - کیوں کہ ترجمہ کرنے والا اس وقت جاپانیوں کے ایک مقبوضہ شہر میں نظر بند ہے - چوں کہ میں تیئن چن کی تصنیفات کے انداز سے واقف ہوں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ جب مترجم نے چینی مصنف کی دیسی ساخت اور محاوراتی ڈھب کے زبان وبیان کو معقول اور ادبی انگریزی میں ترجمہ کرنے کی ایماندارانہ کوشش کی ہوگی تو کن کن دشواریوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا - ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ اصل کی کوئی بات ضائع نہیں ہونے پائی - ترجمہ کرنے والے کو اس قلمکاری میں کتنی محنت کرنی پڑی ہے، پڑھنے والے اس کی داد تبھی دے سکتے ہیں جب انھیں یہ بتا دیا جائے کہ اس ترجمے کو پورا کرنے میں امریکی فاضل نے ایک سال کا زیادہ تر حصّہ صرف کیا ہے -

ایڈگر سنو

امریکی ادیب، اخبار نویس اور سیاسی مشاہد

پہلا باب

آبِ رواں

مچھروں نے بڑی بے باکی سے اپنا ترانہ چھیڑا۔ مگر شمالی چین میں اس وادی سے بہت دور نیچے کی طرف رائفل چلنے کی آواز بجھی بجھی سی آ رہی تھی۔ شام کے جھٹپٹے میں جب آدمی کے تیز قدم سستانے لگتے ہیں، اور دل میں نہ کوئی خواہش مچلتی ہے، نہ دماغ میں کوئی خیال ابھرتا ہے، ایسے پرسکون لمحوں میں دو چھوٹی چھوٹی کنکریاں اٹھا کر پانی کے بہاؤ پر پھینکتا ہے۔

ہری ہری گھاس بہتے ہوئے پانی کے کنارے اپنی شادابی کے مزے لے رہی

تھی، مینڈک ٹرّا رہے تھے، کیڑے جھنجھنا رہے تھے، اور دیہات کی خاموش فضا میں ایک طرح کی کانا پھوسی ہو رہی تھی، گویا یہ ساری آوازیں آپس کے ایک بے معنی رشتے کا اظہار کر رہی تھیں، شام بڑے دھیمے اور نرم قدموں سے ان آوازوں کو اپنے دامن میں لپیٹی ہوئی آئی۔ اور رات کی تاریکی نے آسمان سے اتر کر ہلکے ہلکے ان سب کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

پہاڑی کوّے کبھی جھنڈ کے جھنڈ کبھی اکیلے دکیلے اونچے اونچے "برچ" کے درختوں کی بلندی چھوتے ہوئے کھلے میدانوں کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ ان میدانوں کے اس پار پہاڑی سلسلوں کا دھندلکا نظر آتا ہے، جن کا آدھا حصہ نیلی فضا میں کھو گیا ہے۔ سورج اسی فضا میں پہونچ کر چھپ گیا — کوّوں اور فاختوں کی آوازیں چہک نہیں ہے، اگر ہے تو ایک کھبی کھبی سی کیفیت، ایک درد، میٹھا میٹھا سا درد۔

.. برچ کے درخت بہت گھنے ہیں، دوپہر کی روشنی میں بھی اگر چاہو تو ادھر سے ادھر تک نہیں دیکھ سکتے۔ زمین پر سرسن جیسی نوکیلے پتیوں کی گھانس ہے، گھانس کے شانے سے شانہ ملائے، چولائی کے ننھے ننھے پودے مہک رہے ہیں چولائی میں مہک تو ہے مگر وہ حسن و تازگی نہیں جو ہری ہری گھانس میں ہے۔ ہری گھانس خود بخود تھکے قدموں کے راستے میں آگئی ہے اور اس کے ساتھ خاردار بیلیں بھی ہیں جو ننگے ٹخنوں پر کاٹ کاٹ کر خون نکال دیتی ہیں۔

کسی کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا۔ کیونکہ وادی کی خاموش فضا پر پہلے ہی مینڈکوں اور کیڑوں کی آواز، اور بہتے ہوئے پانی کا شور چھایا ہوا تھا۔ اِدھر اُدھر گھوم کر راستہ بنانے کے بجائے پانی سڑک کے بائیں طرف بہہ نکلا تھا۔ اور ہر قدم پر اس کے دھیمے سُر صاف سنائی دیتے تھے، مینڈک، گزرتے ہوئے قدموں کی آہٹ پا کر چپکے سے پانی میں ڈبکی لگا دیتے تھے۔ یا کنارے کی گھنی گھانس

میں بھاری قدموں سے سرکنے لگتے تھے: تاکہ جب تک انسان جیسی قد آور مخلوق گزرتی ہے، اس وقت تک باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔

گزرنے والے اپنی رائفلیں لٹکائے چلے جا رہے تھے۔ اس خیال سے کہ ضرورت کے وقت ہر آدمی بے دھڑک اپنی رائفل سنبھال سکے۔ رائفل کو کسی خاص شکل میں تانے رکھنے کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اور عام اجازت تھی کہ جیسے جی چاہے اپنی رائفل اپنے ساتھ رکھو۔ بس اتنا خیال رہے کہ وقت پڑنے پر فوراً اٹھائی جا سکے۔ کارتوسوں کی پیٹیاں خالی ہو چکی تھیں، اور جیسے کوئی ادھ مرا سانپ گلے میں لٹکائے سپاہیوں نے پیٹیاں اپنے پہلو میں لٹکا رکھی تھیں۔ اور ہر قدم پر تھپ تھپ کر کے لگتی تھیں۔

— چلتے چلتے جیسے ایک بہت بڑا خیال آیا ہو، مختصر سے جسم کے "لال بھبوکا" نے اپنا پائپ لینے کے لئے پیچھے کا رخ کیا۔ پائپ نکالا۔ اور جلدی سے پھر وہیں رکھ لیا۔

"نہیں ابھی نہیں" — وہ بڑبڑایا — "ابھی پائپ کا وقت نہیں ہے"۔

ایسا بہت کم اتفاق ہوا ہے کہ پائپ اسکے ہونٹوں میں نہ دبا رہتا ہو۔ لیکن آج تو حد ہو گئی۔ پائپ سلگائے بغیر اسے سارا دن گذر گیا۔ دانتوں میں پائپ دباتے وقت اسے راحت اور مسرت کا احساس ہوا۔ اس کے چہرے پر سرخی جھلکنے لگی تھی، جیسے ابھی ابھی شراب کا جام حلق سے اترا ہو۔ آنکھوں میں سنہرے رنگ کی چمک تھی،۔ اور ڈاڑھی چھدری۔ جیسے نوعمر لڑکوں کی ہوتی ہے۔

سپاہی کے ہاتھ پائپ کو پیار سے سہلانے لگے، اور اسنے سوچا

"افوہ، اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم ایک پائپ ختم کرنے تک کہیں آرام کر لیں ذرا دیر کے لئے۔ میں تو بس دو چار کش لینا چاہتا ہوں۔ اب تو گولی بھی نہیں چل رہی ہے

کیوں ؟ کیا ابھی گولی چلنا بند نہیں ہوئی — "

پھر بھی اس کی تمنا ہونٹ تک نہ آ سکی۔ اس نے اپنا سر ترچھا کیا۔ اور جھک کر اپنے سامنے کے لوگوں کی آڑ سے نظر گھما کر کمپنی کے کمانڈر کو دیکھنا چاہا کمپنی کمانڈر ہمیشہ آگے آگے چلتا تھا۔ وہ اب بھی بڑے بڑے قدم مارتا ہوا چلا جا رہا تھا اور اس کی نگاہ اس طرح پڑ رہی تھی جیسے اب بھی دم لینے اور سستانے کا کوئی خیال تک نہیں ہے "— لال بھبھوکا" کی رہی سہی آس بھی ختم ہو گئی۔ وہ دن بھی کیا تھے جب میں خود کسان تھا۔ دن اپنے تھے۔ راتیں اپنی تھیں۔ جب جی چاہا پائپ اٹھایا اور سلگایا۔ ہاتھ اگر ہل پر بھی رکھے ہیں تو کوئی فکر نہیں ہے منہ میں پائپ لے کر کش پھر بھی لگا لیتے تھے۔ وہ دن اب کہاں۔ وہ آزادی کے دن، اب شاید کبھی نہ آئیں ویسی مطمئن بہاریں اور پرسکون خزاں کی رت، اب مجھے کبھی میسر نہ آ سکے گی۔ شام کے گہرے دھند لکے میں اس کی نگاہ گڑ گئی۔ وہ ان کھیتوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ جو اس وادی میں تھے، اور جن پر اب رات کی سیاہی اپنا دامن پھیلاتی جا رہی تھی۔ سپاہی نے ایک آہ سرد بھری۔ اس لمبی سانس میں اس کے دل کی تمنائیں درد گھل مل گیا تھا، کوئی نہیں بتا سکتا۔ اس نے زور سے پائپ کا سرا دبایا، اور اس کی انگلیاں بھنچ گئیں یہ پچھلی زندگی کی آخری یادگار تھی جو اس کے پاس باقی رہی تھی۔

بھئی ! ذرا دیر تو کم از کم دم لینا چاہیئے — " سوچنے سے پہلے اسکی زبان سے یہ جملہ نکل گیا۔ مگر بہت ہلکے لہجے میں۔ آواز بلند نہیں تھی۔ پھر بھی کسی کے کان میں بھنک پڑ گئی۔

" ساتھی ٹھیک کہتے ہو، ہم سب کی یہی رائے ہے" اسی صف میں سے کسی نے وہی بات کہہ دی۔ کس مصیبت سے یہ الفاظ دبے دبے زبان سے نکلے تھے اس پر قافلے کا ہر شخص قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ خود ان الفاظ پر سب کو ہنسی آئی۔ بھلا ایسی بات

کبھی سپاہیوں کی زبان سے نکلتی ہے۔

سب کے سب تھک کر چور ہو گئے تھے، اسلئے ہر شخص نے "لال بھبوکا" کی تجویز پر صاد کر دیا مگر کوئی اس بات پر تیار نہ تھا کہ خود چلتے چلتے رک جائے — سپہ سالار و کمپنی کمانڈر نے بھی رکنے کا حکم نہیں دیا۔ اور بے چارے لال بھبوکا، کا پائپ اس کی مٹھی میں دبا ہی رہ گیا۔

انھوں نے ایک اور راستہ طے کر لیا۔ اور اس مقام پر پہونچے جہاں ایک لمبا چوڑا سا پتھر سڑک کو روکے ہوئے لیٹا تھا صفوں کے آگے ایک دم کوئی ہاتھ زور سے بلند ہوا اور پھر گر گیا — "ہالٹ (رک جاؤ)" — آواز آئی۔

"بھائیو! ہم اس چٹان پر ذرا دیر کے لئے دم لیں گے۔ دیر تک ٹھہرنا نہیں ہے۔ کیونکہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہ جگہ بہت زیادہ محفوظ نہیں، میں وہاں اس طرف پہاڑی پر جا کر پہرہ دیتا ہوں، آپ ٹھہر جائیے۔ اور ادھر ادھر بکھر جائیے مگر آپ دریا کی طرف پانی پینے جائیں تو ذرا ہوشیار رہئے۔ نہانے دھونے میں بھی تھوڑی دیر لگ جائے گی۔ کھانا پینا بھی ہوگا۔ اس میں بھی وقت لگے گا۔ کچھ بھی ہو۔ بہر حال ہمیں "وونگ چیاپو زو" کے مقام پر کل صبح تک پہونچنا ہے۔ اپنی اپنی بندوقوں سے ہوشیار رہنا۔ اور بندوق یونہی زمین پر اوندھی مت ڈال دینا"

کمانڈر کہتا رہا۔ مگر کسی نے اس کی بات پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ ہر شخص کے ذہن پر اس وقت تازہ تازہ پانی سوار تھا۔ اور وہ سخت سوکھی ہوئی روٹیاں جوان کے ناشتے دان سے نکل رہی تھیں۔ کمانڈر تسیاؤ منگ اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گیا لیکن کسی نے پرواہ نہیں کی۔ کمانڈر نے اپنی رائفل اٹھائی وہ وادی کی اس سرے پر پہونچ گیا اور ذرا آگے کو جھک کر سامنے کی چٹان پر چھلانگ لگا دی۔

اس پہاڑی کی چوٹی سے کمانڈر تسیاؤ منگ آمنے سامنے کی تمام فضا

دیکھ سکتا تھا۔ لسے برج کے گھنے جنگل سے پہاڑی تک تمام علاقہ صاف نظر آ رہا تھا۔
حدِ نظر تک کوئی گاؤں یا بستی نہ تھی۔ زمین صاف نہ تھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جھاڑ
جھنکاڑ دکھائی دیتے تھے۔ سورج پہاڑیوں کے اس پار ڈوب چکا تھا اور اب رات کی
تاریکی وادی پر چھائی جا رہی تھی۔

نگہبان تیاد منگ نے دل ہی دل میں ان پہاڑیوں کو گننا شروع
کیا، جہاں آج سارے دن میں اس کی کمپنی نے دشمن سے جنگ کی تھی۔ اس وقت
بھی دھندلکے میں وہ نیچی پہاڑیاں نظر آ سکتی تھیں جو اپنے سہارے سر اٹھائے کھڑی
ہیں۔ پہاڑی کی دہری چوٹیاں ایسی نظر آتی ہیں جیسے جوان عورت کے پستان ––
کیا سہانا خیال آیا ہے۔ واہ! مگر اس ظالم پہاڑی پر آج ہمارے دو بہترین ساتھی
مارے گئے ہیں۔ خود ہماری آنکھوں کے سامنے ان کے سر قلم کئے گئے ہیں۔

"انھوں نے جان قربان کر دی" کمانڈر کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اسکی
آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ ایک ناقابل بیان تھکاوٹ اس پر طاری ہو گئی۔ چھوٹی سے کمپنی
پر اس نے پھر ایک بار مڑکر دیکھا تیو کلاں یہاں سے صاف نظر آتا ہے۔ وہ ٹانگیں
پھیلائے بے خبر سو رہا ہے۔ باقی لوگ اِدھر اُدھر آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہیں، کوئی کھا رہا
ہے، کوئی پی رہا ہے۔ کوئی سپاہی ٹھنڈے پانی سے اپنا سر بھگو رہا ہے
اب مینڈک اور زور زور سے ٹرانے لگے تھے۔ اور بادلوں نے آدھا
آسمان گھیر لیا تھا یہ تو دونوں بارش کی علامتیں ہیں۔ اچھا اگر بارش ہوئی تب؟
مگر ہمارا کیا۔ ہم تو جیسے بھوک کے عادی ہو چکے ہیں۔ ایسے ہی بارش کی عادت بھی
ہو گئی ہے۔ چٹان سے پکارنے کی آوازیں آئیں

"ساتھیو! آج کی رات ہم یہیں گزاریں گے۔ اسی چٹان پر۔ اِس طرف والی
چٹان جو اس کی ماں ہے۔ وقت کافی ہے ہم اب بھی کل صبح تک یونز د کے مقام پر

پہونچ جائیں گے "

تیو کلاں سپاہی اپنے پیٹ پر انگلیاں مڑوڑتے ہوئے بولا اور اس کی آنکھیں یہ کہتے کہتے پھر بند ہوگئیں۔

"بھئی! مجھ میں تو اب ایک قدم چلنے کی سکت نہیں رہی، اگر ہم کل پوز دہ پہ پہونچ ہی گئے تو کیا حاصل؟ کیا یقین ہے کہ ہم وہاں ان لوگوں سے مل سکیں گے؟"

کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور وہ آپ ہی آپ بڑبڑاتا رہا۔

"لال بھبھوکا" سپاہی کا پائپ روشن ہوا۔ وہ تیو کے پہلو میں سستانے کے انداز سے بیٹھا تھا، اپنے گھٹنوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنائے ہوئے۔ سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ اس کے رخسار اس وقت ہمیشہ سے زیادہ سرخ ہو رہے تھے۔ ایک آنکھ کے پٹ بند ہوتے جا رہے تھے۔ دھیرے دھیرے اسے امن کے زمانے کا خیال آیا۔ کیا وہ دن پھر آئے گا جب ہم پھر سے آزاد ہوں گے ہمیں اپنی سیاہ دھرتی میں بیج ڈالنے کی آزادی ہوگی۔ میرا پائپ میرے دانتوں میں دبا ہوگا، اور میں اپنی فصل کاٹ رہا ہوں گا۔ ہائے، کیا وہ دن پھر آنے والے ہیں ——— اگلے ہفتے تک، نہیں، اگلے مہینے، کتنے برس تک؟ اور جب آزادی کے نئے دن پھر آئیں گے، تو کیا سچ مچ میں ہر اس آدمی کو جان سے مار سکوں گا جس نے مجھ پر ظلم توڑا ہے، اور ان تمام جاپانیوں کو۔ جنھوں نے میری زمین چھین لی ہے۔ میری بوڑھی ماں پھر تو بھوکی نہ رہے گی؟ ۔ کیا وہ دن آئے گا جب میرے بچے بھی مالدار گھرانوں کے بچوں کی طرح پڑھنے جائیں گے ۔ انھیں ریل پٹری پر آئندہ تو کوئلے کے گرے ہوئے ریزے چننے کے لئے نہیں جانا پڑیگا ——— ایسے ایسے کتنے ہی سوالات اس کے خالی دماغ پر ٹوٹ پڑے، کئی بار ایسا ہوا کہ وہ اپنے کمانڈر تیاؤ ہنگ سے یہ سوالات پوچھتے پوچھتے رہ گیا لیکن جیسے کمانڈر کی نظر سے نظر ملی، اسے جواب مل گیا۔ کیونکہ کمانڈر

کی نظر میں وہ کیفیت موجود تھی جو اس کے سوالوں کا جواب یقین کی شکل میں دیدیتی تھی۔

"کل جب ہم لوگ پوڑر پر پہونچیں گے تو کیا واقعی ہم اپنی پوری فوج سے مل جائیں گے؟" اُسے کچھ حیرت سی ہوئی۔ نیاؤ منگ کو یہی امید تھی۔ اس نے اس کا خاکہ بنایا تھا، اور وعدہ کر رکھا تھا۔ اسے اس بات کا کافی علم بھی تھا کیونکہ کمانڈر ہمیشہ اسی کے متعلق گفتگو کیا کرتا تھا۔ اپنی پوری فوج میں شامل ہوکر ہم لوگ آگے بڑھیں گے۔ اور پوری قوت سے جاپانیوں کا مقابلہ کریں گے۔ ہماری طاقت کم سے کم اپنا فرض ادا کرنے کے قابل ہوگی۔ کیا اس کے بعد ہم ان لوگوں کو اپنے وطن کی سرزمین سے نکال باہر کرسکیں گے؟ مگر اس دن کے متعلق ابھی کوئی پیش گوئی نہیں کرسکتا۔ نہ جانے وہ دن کب آئے گا ——— وقت کا فاصلہ سوچتے سوچتے وہ پھر غمگین ہوگیا۔

تیبو تلاں نے اپنی ٹانگیں اور پھیلا دیں۔ وہ بڑبڑانا بند کرچکا تھا۔ اور بے حس و حرکت پڑا تھا۔ آسمان پر طاری ہوتے ہوئے بادلوں کا خیال کئے بغیر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ مینڈکوں اور کیڑوں کی اس نے ذرا پرواہ نہیں کی۔ بارش کا سفر کا اور کیڑوں مکوڑوں کا شور اس کے آرام میں ذرا خلل نہ ڈال سکا، اور اس نے اپنے خیال کی پرواز جاری رکھی۔ اسے خیال آیا کہ وہ وقت کب آئے گا کہ مجھے خوب پیٹ بھر کر کھانا ملے۔ اتنا کھانا سامنے ہو کہ میں اس میں سے جس قدر کھا سکوں خوب نیت بھر کر کھالوں۔ اس کے بعد دشمن مقابلے پر آتا ہے تو آئے کوئی پرواہ نہیں، اگر وہ لوگ مجھے پکڑ کر کھینچیں اور مار بھی ڈالیں تو کوئی بات نہیں صرف اسوقت پیٹ میں روٹی ڈالنے کے لئے اور سونے کے لئے مجھے اس پہاڑی چٹان پر جانا ہے؟ ـــ نہیں اب میں اپنی خوشی سے وہاں نہیں

جاؤں گا۔ چاہے کھانا ملے، نہ ملے۔ اور خواہ کوئی میرے بارے میں کچھ بھی کہے — میں نہیں جاؤں گا۔

" بھائیو! اٹھو! اٹھو! ہمیں یہاں سے چلنا ہے۔ بارش ہونے والی ہے ہم سب یہاں ڈوب جائیں گے۔ اٹھو! چلو "

کمانڈر تنیا ڈمنگ سامنے کی پہاڑیوں سے واپس آ گیا تھا۔ اس نے تیو کلاں کی پھیلی ہوئی ٹانگوں پر ایک دو ہنٹر رسید کیا۔ اور ایک ہاتھ لیانگ زنگ سپاہی کے بھی پڑا۔

تیو نے ایک زور کا خراٹا لیا۔

" اٹھو! اٹھو! میں کہتا ہوں۔ اٹھ جاؤ۔ ہمیں ابھی یہاں سے چل دینا ہے۔

"کیوں؟ — کیا اور تھوڑی دیر ہم آرام نہیں کر سکتے؟ " تیو نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ اور سر کو دائیں بائیں جنبش دی۔ اس کی آواز میں روکھا پن تھا اور لہجہ ایسا تھا گویا وہ مذاق کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تنیا ڈمنگ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑی دیر کیلئے ایک طرف چٹان پر بیٹھ گیا، اور اپنے جوتوں کے بند کسنے لگا۔ جھٹپٹے میں اس کی شکل صاف نظر نہیں آ رہی تھی اور . . . . . .

اور لوگ بھی اپنا مختصر سا تام جھام ٹھیک کرتے وقت خاموش رہے اور بالآخر سب تیار ہو گئے۔ صرف تیو ابھی تک اسی چٹان پر پاؤں پھیلائے پڑا تھا اور اونچی آواز سے خراٹے لئے جا رہا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ لیو جان بوجھ کر دم سادھے پڑا ہے۔

" اے مریل کتے! اگر تم اب بھی نہیں اٹھے تو ہم تمہیں یہیں چھوڑ جائیں گے اور دشمن کے لئے جو کچھ پڑا رہ گیا ہے اسی میں تم بھی رہ جاؤ گے "

یہ تیسرے بھائی لی کی آواز تھی۔ وہ ہمیشہ تیو پر پھبتے ہوئے جملوں کا وار

کیا کرتا تھا۔ چھوٹے سے قد و قامت کے سپاہی لیانگ ننگ آگے بڑھا، تاکہ لمبے چوڑے تیو کا کان پکڑ کر کھینچے ۔۔۔ "بس اب سن لو، اب انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اب نہیں ٹالا جائے گا" نیانگ منگ کی تھکی ہوئی اور پرسوز آواز بلند ہوئی۔

ہم میں سے کوئی کسی کا آقا نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہم انھیں گولی مارنے سے رہے۔ اپنے بھائی ننو کا خیال کرو ۔۔۔ ساتھی کاؤ کو مت بھولو، آج ہی ان دلیروں کے سر ظلم ہوئے ہیں، وہ قتل ہو گئے اور ہم بچ گئے ۔۔۔ کیا ہم ان سے اعلیٰ ہیں۔ صرف اسلئے کہ ہماری جان بچ گئی؟ نہیں یہ بات نہیں۔ ہمیں تو ابھی بہت کام کرنا ہے۔ بہت جان کھپانی ہیں۔ ہمیں تو ابھی اپنے شہید بھائیوں، اور آنیوالے ساتھیوں کی خاطر بڑی بڑی مشقتیں اٹھانی ہیں۔ ہر طرح کی مصیبت جھیلنی ہے۔

کمانڈر کے الفاظ نے سب کے سامنے، صبح کی دست بدست خونناک لڑائی کا نقشہ کھینچ دیا۔ انھیں وہی خوں ریز جنگ یاد آ گئی۔ اور سب پھرتی کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔

"اپنے اپنے کارتوس گن لو ۔۔۔" یہ حکم دیتے ہی نیانگ منگ بڑے ڈیل ڈول کے تیو کی طرف چلا۔ وہ ابھی تک بے خبر پڑا تھا۔ منگ نے سوئے ہوئے ساتھی کی ران پر ایک مکا رسید کیا۔ "ہم نو آدمیوں کے دستے میں سے دو مضبوط اور جوانمرد تو پہلے ہی مارے جا چکے ہیں۔ اب تم ہم سب میں زیادہ مضبوط رہ گئے ہو لیانگ ننگ ہے، وہ تم سے دس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ چھوٹا ہے۔ ابھی اسکی عمر ہی کیا ہے۔ بالکل لڑکا ہے۔ بڑا بھائی بیس سال بڑا ہے۔ سوچو تو ذرا ۔۔۔ بس اٹھ جاؤ۔ اور جلدی سے اپنے کارتوس گن لو"

تیو جلدی سے پاؤں کے بل اٹھ بیٹھا۔۔ وہ اپنی بھوک فراموش کر چکا تھا تھکن اس نے ایک طرف اتار کر پھینک دی۔

"کتنی ہیں تمہارے پاس؟ یہاں میرے پاس پتھر پر گنتے جاؤ۔۔ منگ نے حکم دیا۔ ۴۵ ...... ۱۵ .... ۱۷ .... نو .... ۲۵ .... ۳۰ ؟"

لیانگ زنگ شرماتا ہوا آیا۔ اس کے پاس صرف تین ہی گولیاں نکلیں۔ وہ ہمیشہ اندھا دھند گولی چلاتا تھا، اور بار بار اس پر ڈانٹ پڑتی تھی۔ تین گولیاں نکال کر سامنے رکھنے کے بعد وہ انتظار کرتا رہا کہ اب تیاؤ منگ کچھ نہ کچھ کہے گا۔

"کیوں بھیا؟ صرف تین ہی کھلونے بچے؟" تیاؤ منگ نے اپنے سامنے بکھرے ہوئے کارتوس گنے۔ اور حساب لگانا شروع کیا کہ ان کی بہتر طریقے پر کیسے تقسیم کی جائے۔ اور سب سے کم عمر سپاہی کو اس نے بہت آہستہ سے خطاب کیا۔

"دیکھو! میرے کمسن ساتھی! ایسے بے پروائی سے گولی ضائع نہیں کرنی چاہئے۔ اس میں سے ہر گولی کا کوئی نتیجہ نکلنا چاہئے — ۴۵ — ہاں اس میں ۱۵ جمع کرو — ۱۵، ۱۵، ۱۷، نو — ہمیں ہر ایک گولی اپنے نو دشمنوں کے مقابلے میں استعمال کرنی چاہئے۔ تین — ۲۵ — اچھا تو اب بانٹ لو۔ کل کتنے ہوئے؟ ۱۲۷ — سات سے انھیں تقسیم کر لو۔ یعنی ہر آدمی کے حصے میں ۱۰ کارتوس آئے بچا ایک — جس کا جی چاہے وہ اٹھالے، اور تم نہیں لیتے تو میں یہ کارتوس اٹھا لوں؟ — یہ تھوڑے سے کارتوس ہیں، اور ہمیں آگے بھی لڑنا ہے۔ بڑی مشکل پیش آئے گی — خیر — ہمیں ذرا جلدی کرنی چاہئے کل صبح تڑکے ہمیں پونز و پہنچنا ہے چلو! تیار! ایک دو تین۔ چل دو —"

برچ کے گھنے جنگل کے کنارے کنارے انکا قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔ انھیں رات بھر کا سفر درپیش تھا۔ قدموں کی چاپ کے ساتھ ساتھ مینڈکوں کے ٹرانے کی آواز اور کیڑوں کی بھنبھناہٹ بھی ہم آواز ہو گئی تھی۔ لیکن پانی مسڑک سے

دور ہوتا جا رہا تھا۔ اس لئے اس کی آواز بھی فاصلے پر چھوٹی جا رہی تھی۔

قافلے کو بھوک اور تھکن کا احساس ہوتا جا رہا تھا، اور موت ہر جگہ انتظار کر رہی تھی۔ کبھی کبھی انھیں خیال ہوتا کہ وہ انھیں پیچھے چھوڑ کر خود آگے جانے میں بہت جلدی کر رہا ہے اور بجلی کی طرح کہیں ایک دم سے گر پڑیگا۔

گرمی کے بادل چوروں کی طرح دبے پاؤں آسمان سے گذر رہے تھے اور ستاروں کی روشنی چرائے جا رہے تھے۔ ادھیڑ عمر کا سپاہی چنگ تنگ زور سے چیخا۔

"میری آنکھیں کم بخت کسی کام کی نہیں رہیں بوڑھے آدمی کے پاس کیا خاک دھرا ہے" اور لوگ قبر کے پتھروں کی طرح خاموش رہے۔ کوئی نہیں بولا۔ سرخ چہرے کا نوجوان سپاہی اس کے پہلو میں قدم مارتا ہوا چل رہا تھا بیانگ زنگ پیچھے تھا۔ سڑک کے پتھر بار بار بوڑھے سپاہی سے کھیل رہے تھے، اور بیانگ زنگ کو برابر اس کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔

"دادا: ذرا اینٹ پتھر کا خیال رکھ کر پاؤں رکھو باتیں مت بگھارو"

"واہ وا! — صاحب زادے تم مجھ سے مذاق کرنے چلے ہو؟ واہ وا؟" تم کیا اپنی ناک مجھ پر جھکائے ہوئے نہیں چل رہے ہو؟ کیا ہم سب آپس میں کامریڈ (ساتھی) نہیں ہیں؟ تم سب نوجوان ہو۔ تمہارے بدن میں طاقت ہے، تمھیں اپنی آنکھوں سے وہ دن دیکھنا ہے، جب ایک ایک جاپانی سپاہی نکال دیا جائے گا۔ تم تو نئی زندگی کے مزے لوٹنے کیلئے زندہ رہو گے؛ مگر میں؟ — مجھے معلوم ہے کہ میں اسوقت تک زندہ نہیں بچوں گا۔ میری ساری زندگی ایسے ہی کٹی ہے۔ دنیا کے سارے مصائب مجھ پر گزر چکے ہیں۔ میں نے زندگی ہر قسم کا دکھ درد جھیلا ہے — میرے ساتھیو!"

"شہے بھائی، سنو! یہ باتیں مت کرو۔ دیکھو اگر دیکھ بھال کر نہیں چلے تو پھسل جاؤ گے" سرخ چہرے کے کمسن سپاہی کی آواز میں ایک اثر تھا۔

"نہیں، نہیں، یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ تم لوگ نوجوان ہو، طاقتور ہو، مجھے ذرا دیکھو، اگر میں اس نئے زمانے کو صرف دیکھ سکتا جس کے متعلق کامریڈ تیاؤ منگ یقین دلاتا ہے، اگر میں صرف اتنا جان سکتا کہ واقعی نیا زمانہ کامریڈ تیاؤ کے کہنے کے مطابق اتنا اعلیٰ ہوگا، اور اگر میں اسے دیکھنے کے لئے زندہ رہتا تو میرے دل کو قرار آجاتا۔ مگر تم جو چاہو کہو۔ ایک بوڑھا آدمی بالکل بے کار ہے۔ جہاں کہیں میں مروں گا، تم بہر حال مجھے چھوڑ دوگے۔ کامریڈ تیاؤ! وہ اعلیٰ درجے کی دنیا جس کا تم ذکر کرتے رہے ہو کب وجود میں آئے گی؟ کیا جاپانیوں کو مار بھگاتے ہی نئی دنیا جنم لے گی؟"

"بڑے میاں! ذرا دیکھ بھال کے چلو۔ قدم کہاں پڑ رہے ہیں،" گھٹاٹوپ اندھیرے میں تیاؤ منگ کی آواز گونجی —— "رات بہت اندھیری ہے۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ نئی دنیا اسی وقت جنم لے گی جب ہم ان جاپانیوں کے پنجے سے نجات پالیں گے —— یقیناً اسی وقت۔"

تیاؤ منگ اپنے سات آدمیوں کے دستے کے آگے آگے قدم بڑھاتا ہوا جا رہا تھا، اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں، اسے اپنا راستہ نہیں بھولنا چاہئے۔ مگر ماضی کے واقعات، کتنے دردناک واقعات تھے۔ ان کا درد اور کرب، اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ آگیا۔ اور سارے جسم میں جھرجھری سی محسوس ہوئی۔ کہیں میں بڑے میاں کو بیوقوف تو نہیں بنا رہا ہوں۔ کیا سچ مچ مجھے خود بھی ان تمام وعدوں پر پختہ یقین ہے؟ کیا معلوم! میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟ اور کوئی اور شخص بھی آخر یہ کیسے بتائے کہ نیا زمانہ کس روز جنم لے گا۔ ابھی کوئی نہیں بتا سکتا ہاں ایک بات میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، اور جانتا ہوں کہ نیا زمانہ، نئی دنیا ایک نہ ایک دن جنم ضرور لے گی۔

"کیوں! کامریڈ تیاؤ تمھیں پورا یقین ہے؟"

" ہاں ...... پورا یقین "

" کامریڈ شیاؤ! " لیانگ ژِنگ دستے کے آخری کونے سے پکارا۔
" ہم بارش میں ڈوبنے والے ہیں۔ بوندیں گرنی شروع ہو گئی ہیں مجھے محسوس ہوا؛ خیر، برسنے دو، اس کی ماں کو ...... "

" بدقسمتی ــــ مگر بھیگنا ہمارے لئے کوئی بڑی بات نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم ایسی جگہ کیوں نہ چلیں جہاں کچھ کھا پی سکیں۔ کامریڈ شیاؤ، تم ہمارے کمانڈر اور ہمارے سالار ہو، تمھیں تو اس سرزمین کے چپے چپے کی خبر ہو گی،" تیو نے کہا

" او نامعقول بے ایمان! جاؤ، بھاگو! اور جاکے ان (دشمنوں) سے گلے مل لو۔ کچھ تعجب نہیں۔ جو وہ تمھیں معاف کر دیں اور کوئی عہدہ بھی بخش دیں "۔ بڑا بھائی لی بہت دیر سے خاموش تھا۔ اور ایک بار اس نے اپنی گرجدار آواز میں تیو پر مذاق کا چھینٹا اڑا۔ دن ہوتا تو اس کے چھوٹے سے ماتھے پر بکھرے ہوئے بالوں کا گچھا دکھائی دیتا۔ اور ماتھے پر ابھری ہوئی سیاہ گھنی بھنویں جو چہرے پر ایسے پھیلی ہوئی تھیں جیسے دو بڑی تتلیاں۔ اس خدوخال سے وہ بڑا ہنگامہ پسند اور ضدی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنی گفتگو میں تیو کو تنگ کرنے سے بہت کم باز آتا تھا۔ اور ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے کسی اندرونی معاملے میں بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔ لی چونکہ اب سے پہلے ایک موچی تھا اس لئے جب کبھی بیٹھتا تو عادتاً وہ دونوں گھٹنے ملا کر۔ جیسے اب بھی دونوں گھٹنوں کے زور سے جوتا دبائے ہوئے ہے۔

" بکواس بند کرو " تیو نے اپنا رخ بدلے بغیر جواب دیا۔ " افوہ! تم سمجھتے ہو کہ جیسے سب سے زیادہ برداشت کی قوت تمہارے پاس ہے۔ کیوں؟ غلط کہتا ہوں؟ ــ اچھی بات ہے۔ اب یہ ٹولی (۲۰۰ میل) چلیں گے۔ بغیر کھائے پیئے۔ اور پھر

دیکھیں گے ـــ کون چلتا ہے۔" میں اب کے چپ رہا۔ ان دونوں میں کسی اور ساتھی نے بھی دخل نہ دیا۔ نودشیباؤ منگ نے بھی انہیں چپ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید جانتا تھا کہ ایسی چھیڑ چھاڑ چلتی رہے تو تھکے ہوئے ساتھی تھوڑی دیر کو اپنی تھکن بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی طرف سے صرف ایک لفظ اور بڑھا دیا۔ "ٹھیک ہے بڑے بھائی کی قوت برداشت بھی کامریڈ آں کی برداشت سے کچھ کم نہیں ہے۔"

تیسرا بھائی آں اس بات کو کیسے مان لیتا۔ اس نے کہا کہ "اتوہ! اس بے ایمان کی سہار تو دیکھو ـــ ابھی کتنے دن ہوئے ہیں اس کو آئے ہوئے۔ اس میں کبھی کبھی چٹان پر ٹانگیں پسارے پڑا ہے کبھی چاولوں کے پیچھے چکر کاٹ رہا ہے بیہودہ ـــ اسے واپس جانے دو ـــ اچھا یہی ہے کہ یہ وہیں اپنے مالک کے کتے کھلایا کرے۔"

"اے آوسٹرلی موچی ـــ اگر تم ہمارے ساتھیوں میں نہ ہوتے تو میں تمہیں گولی سے اڑا دیتا۔" غصے کے مارے لیو کے قدم تیزی سے دھپ دھپ کرنے لگے۔

"ٹھیک بالکل ٹھیک، میں تو ہمیشہ کا سٹرلی موچی ہوں۔ مجھ سے پہلے میرا باپ بھی موچی تھا۔ جانتے ہو، جب تمہارے جوتے ٹوٹ کر بیکار ہونے لگتے ہیں تو کون ان پر نیا چمڑا چڑھاتا ہے۔؟ اور پھر بھی تم مجھے گولی سے اڑانے کی فکر میں ہو ـــ آدمی، یار تم بڑے عمدہ ہو۔ کیوں؟ ـــ تم نے کہیں ان حرام خوروں کا فن تو نہیں سیکھ لیا ہے۔ جو انسان کو ایسے قتل کرتے ہیں جیسے قصائی گائے ذبح کرتا ہے۔"

ہر شخص، یہاں تک کہ بڑے میاں چنگ تنگ بھی آں کے وار پر ہنس پڑے

صرف دو آدمیوں کو ہنسی نہیں آئی۔ لال بھبھوکا اور تہہ نشین۔

نوعمر لال بھبھوکا سپاہی نے کہا۔ "بڑے میاں اپنی رائفل ہمیں دیدو ہم سنبھال لیں گے۔" کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ بوڑھا سپاہی شو، بڑی مشکل سے قدم اٹھا رہا ہے۔ اور خطرہ تھا کہ اگر کہیں وہ پھسل گیا، تو اس کی کمر سے بندھی ہوئی رائفل سے کسی نہ کسی کے چوٹ ضرور آ جائے گی۔" لال بھبھوکا نے اپنی لائن سے قدم آگے بڑھایا اور بڑے میاں سے رائفل دینے کا مطالبہ کر دیا۔

"اُف! میں تو ٹھیک ہوں۔ بات یہ ہے کہ بوڑھا آدمی زیادہ کار آمد نہیں ہوتا۔ اب مجھی کو دیکھو۔ تم سب کا بھائی ہوں۔ بھئی معاف کرنا تمہیں میرے لئے تکلیف اٹھانی پڑی۔" بوڑھے شو کی زبان سے یہ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔ اس کی آواز شدید جذبات سے بھرا گئی تھی۔ اس نے سرخ چہرہ، نوجوان کو اپنی رائفل سپرد کر دی۔

قافلہ چلا جا رہا تھا۔ اب دریا کا شور بھی سنائی نہیں دیتا تھا۔ اور نہ ان کی سے گھنا چپا پیا نہ رہتا۔ کے ساتھ رات کے باجے بج رہے تھے۔ (برج کا) پل بھی چھوٹتا جا رہا تھا، وہ اب، ان پہاڑیوں کے چڑھاؤ پر دھیرے دھیرے جھکے ہوئے چڑھ رہے تھے، جو اس وادی سے بہت دور تک چڑھتی چلی گئی تھیں جہاں سے وہ گزر آئے تھے۔ ان کے سامنے سدا بہار درختوں کا ایک جنگل پھیلا ہوا تھا، جس میں سے ہوا کے جھونکے کراہ جیسی آواز کے ساتھ سرسرا رہے تھے، جیسے سمندر میں لہر اٹھنے کی آواز ہوتی ہے۔

"ہالٹ (رک جاؤ)" نیپاؤ نے جنگل کے کنارے پہنچتے ہی آواز دی اپنی اپنی رائفلیں ٹھیک کر لو، اور سنگینیں لگا لو۔ یہ جنگل خطرناک ہو سکتا ہے۔ بھیڑیے یہاں گھومتے پھرتے ہیں، اور چیتے وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں، اور دیکھو بے پروائی

سے گولی مت چلا دینا، گھوڑا دبانے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لینا کہ گولی کہاں مار رہے ہو۔ کامریڈ تیہ شین، ہم سب میں تمہارا نشانہ بہت بے خطا ہے۔ تم ذرا زیادہ خیال رکھنا۔ آگے بڑھو ۔۔ چل دو!"

مقابلے کا خیال آتے ہی سب کے سب ساتھیوں میں ایک جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی۔ لیانگ زنگ تو ایسا جوش میں آیا کہ وہ خوشی سے تھرتھرانے لگا۔ بھیڑیے،..... چیتے..... یہ بھی نہیں تو جنگلی خرگوش ۔۔ کیا بات ہے؟ اگر ذرا بھی کوئی بات ہوئی تو فوراً گولی داغ دوں گا۔ بوڑھے سپاہی شو نے بھی اپنی بندوق واپس لے لی۔ مگر چلانے کے لئے تیار نہیں کی۔ دوسروں کے ساتھ وہ بھی ذرا اٹھلا ۔ اب چلنا کچھ مشکل تھا۔ کیونکہ قدم جنگل کے گہرے خطے میں پڑ رہے تھے۔ انھیں صرف درختوں کے دائیں بائیں سے ہو کر ہی گزرنا نہیں تھا بلکہ اکثر جگہ گرے ہوئے درختوں کا چکر کاٹ کر، یا ان کے اوپر سے رینگ کر، جھک کر چلنا پڑتا تھا۔ انھیں بہت زیادہ ہوشیاری سے کام لینا پڑ رہا تھا تاکہ وہ شکار کو بھی نہ جانے دیں اور کہیں اس کے چکر میں راستہ بھی نہ بھول جائیں۔ چاروں طرف اندھیرا گھپ تھا۔ اور درختوں کے سرے سے ٹکراتی ہوئی ہوا خوف اور دہشت کی کیفیت کو کچھ اور بڑھا رہی تھی۔

تیاؤ منگ اب بھی راستہ بناتا ہوا چل رہا تھا۔ کیونکہ وہی ایک ایسا شخص تھا جسے اوروں کی بہ نسبت یہ راستہ زیادہ معلوم تھا۔ تیاؤ منگ برابر آواز لگاتا رہا۔ اور آگے بڑھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو خبردار کرتا رہا۔ بغیر کسی حادثے کے یہ چھوٹا سا قافلہ سدا بہار جنگلی درختوں کے جھنڈ سے نکل آیا، اور پھر اطمینان کا سانس لینے لگا۔

دھت تیرے کی ۔۔ ایک جنگلی خرگوش تک سامنے نہیں آیا۔ خرگوش

کھانے میں اسوقت بڑا مزا آتا۔ اگر ہم ذرا اسے پکانے کے لئے رک جاتے "۔ دراز قامت ٹیبو نے بڑی مایوسی سے اپنا سر ڈھلکا لیا۔ اور وہ کامریڈ شیا ڈ ننگ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔

" اچھا تو آپ ایک بیچارے غریب خرگوش کا شکار بھی نہیں کر پائے؟" تیسرے بھائی نے ایک دم زبان پکڑلی۔

" اے! تم اپنی گندی زبان بند رکھو۔ ہر بات میں تم اپنی ٹانگ اڑا دیتے ہو۔ یہ کیا بیہودگی ہے؟"

" ہالٹ " اپنی اپنی سنگینیں الگ کر لو "

بادلوں کی سیاہ کملیاں اب برابر پھیلتی جا رہی تھیں اور انھوں نے سارے آسمان کو ڈھک لیا تھا۔ کسی طرف سے ـــــ کتوں کے بھونکنے کی آواز آئی۔ آواز دور سے نہیں آئی تھی۔ وہ وادی کے بالکل آخری سرے پر کھڑے تھے لیکن تاریکی اتنی گہری اور ایسی چھائی ہوئی تھی کہ یہ اندازہ کرنا کہ ان کی نظر کے سامنے کیا ہے، بالکل ناممکن سا ہو گیا۔

سنگینیں لگانے اور چڑھانے ".ب چینگ تہہ کی بندوق کا وہ پرزہ گم ہو گیا جس سے ٹھونکا جاتا ہے۔ اور وہ اپنے کھوئے ہوئے اوزار کو ادھر ادھر ٹٹولتا پھر رہا تھا۔

" یہ لوگ نہ جانے کیوں ان چیزوں کو پیچ نہیں لگاتے کہ کہیں گریں نہیں یا ایسا کیا کریں کہ رسی سے انھیں باندھ دیں " وہ بڑبڑایا۔

" لو! بارش آ گئی "، ٹیبو چیخا۔ وادی کی طرف سے ہوا کا ایک جھونکا آیا اور ان کے چہروں پر بوندیں ٹپکاتا ہوا گذر گیا۔

" اب تو بارش شروع ہی ہو گئی ـــ مگر یہ کوئی بات نہیں ـــ اصل میں بارش

کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی ہے۔ بجلی چمک رہی ہے۔ کڑک گرج دیکھتے ہو؟"

"اس طرف جو بجلی کڑکی اس میں کچھ نظر آیا تمھیں؟"

"ہاں! ہاں، میرے خیال میں تو گھر ہیں اُسطرف۔ وہ سامنے کیا گاؤں جیسا کچھ نظر نہیں آرہا ہے؟ یہی کوئی تین چار فرلانگ ہو گا"

"کیا کہا! گھر؟ —"

نیچے وادی میں، ہرے بھرے سبزہ زار اور گیہوں کے کھیتوں پر خوب موسلا دھار بارش ہوئی۔ لیکن وادی کے اس کنارے پر جہاں یہ لوگ کھڑے تھے، بارش بہت تیز ہلکی اور سبک رفتار معلوم ہوتی تھی۔ ہوا کے تیز و تند جھونکوں نے ان کے ٹوپیوں کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے۔ مگر سر پر جو آئی تھی اس سے بچکر نکلنا کہاں ممکن تھا۔ ان بے بس اور مجبور عوام کی طرح جنھیں ہر حال میں زندگی کاٹنی پڑتی ہے۔ یہ لوگ بھی خاموشی اور صبر کے ساتھ کھڑے رہے۔

بارش اور ہوا کے شور کو چیرتی ہوئی شیاڈ منگ کی آواز بلند ہوئی —

"مجھے وہاں گھر نظر آئے ہیں — مگر وہاں جانے سے کیا فائدہ، ہم اُدھر گئے تو گولی سے اڑا دیئے جائیں گے۔ اس کنارے کی آخری بلندی پر ہمیں جتنی جلد ہو سکے پہونچ جانا چاہئے۔ کیونکہ چند لمحوں میں اُدھر سے ڈھلے ڈھلائے پتھر نیچے لڑھکنے شروع ہوں گے — اس سے پہلے ہی نکل چلو۔" اے لال بھبھوکا، تم ذرا بڑے میاں کا خیال رکھنا — لاؤ بندوقیں مجھے دیدو۔ ہاں — اب دوڑ چلو۔"

گرج کے ساتھ ساتھ بجلی اس بری طرح کڑک رہی تھی جیسے وہ اپنے ہی کسی بڑے مذاق پر قہقہہ لگا رہی ہے، اور اپنا خوفناک آتشیں کوڑا آسمان پر برسا رہی تھی۔ بجلی کی کڑک چمک سے جو روشنی ہوتی تھی، اسمیں تمام ساتھی ایسے چلے جا رہے تھے جیسے میدانی چوہے بہت ہی مشکل مرحلوں سے گذرتے ہوئے چڑھ

رہے ہیں۔ بارش کو ان پر ذرا بھی رحم نہ آیا، ان بھورے چوہوں کی کمر پر بارش کے سخت اور تیز تازیانے اس طرح پڑتے رہے گویا کنکر پتھر برس رہے ہیں

دُوسرا باب ۲

یہ کون لوگ ہیں؟

گرمی کی بارش بھی کیا — ذرا دیر برسا اور پھر آسمان صاف۔ طوفان ختم ہوا تو اسکے بعد پہاڑی کے نیچے کی سمت پانی دیر تک اوچھے پن سے شور مچاتا رہا، ابھی ایک گھنٹہ پہلے اس دھارے کی کیا بساط تھی — ایک چھوٹی سی پہاڑی ندی مگر اب تو بارش کا پانی مل جانے سے، اس نے ایک طومار باندھ دیا۔ پہاڑوں کے شگاف کے راستے پانی نیچے اتر رہا تھا، اور چڑب چڑب قسم کی آواز ہو رہی تھی جیسے سوکھے کھلیان میں جھینگر بولتے ہیں۔ دریا کے لئے نہایت موزوں، زمین پر ایک بہت ہی خوشگوار سکون اور بے رفتاری تھا۔ اور دنیا ایک بچے کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ جو سونے کے لئے خود ہی روتا ہے۔ ابر آلود آسمان کو جا بجا چمکانے کے لئے ستارے نکل آئے تھے۔ مگر ان کی چمک سے بارش میں شرابور

ہونے والے ان سپاہیوں کے درد سر کا کیا علاج ہوتا جو ستاروں کے نیچے پہاڑی پر اپنی منزل طے کرنے میں لگے تھے۔

تیا ڈنگ نے قطب کے ستارے پر نظر جمائی، اور اس ستارے نے بتا دیا کہ اب جلدی کرنی چاہئے۔ " سپاہی اپنی شل ٹانگوں کو دبا کر بیٹھ گیا اسکا بھیگا ہوا پائپ اس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔

" ساتھیو! کسی کے پاس خشک دیا سلائی ہے ؟ "

خشک دیا سلائی کس کے پاس دھری تھی۔

" ہمیں اس پہاڑی سلسلے سے اُتر کر نیچے ذرا تلاش کرنی چاہئے، اگر سب لوگ بھاگ نہیں گئے ہیں تو ہم اپنے کپڑے سکھا لیں گے اور عجب نہیں جو کچھ کھانے کو بھی مل جائے۔ کچھ نہیں تو، کامریڈ و ونگ اپنا پائپ ضرور سلگا سکے گا "

رات کی ٹھٹھراہٹ ان کپڑوں کے اندر پہونچنے لگی تھی جن سے انھوں نے اپنے جسم ڈھانک رکھے تھے، اور بارش میں بھیگے ہوئے نیلون قدم اٹھانے میں رکاوٹ ڈال رہے تھے، ان کے ٹھس اور چھپ چھپ کرتے ہوئے جوتے، پانی اور کیچڑ میں بھر ہوئے تھے، اور کئی بار ایسا ہوا کہ ان ساتھیوں میں ایک نہ ایک لڑھکا۔ ہر قدم پر ان کے ٹوپوں سے پانی گردن پر ٹپکتا تھا۔ یا چہرے پر قطرے گرتے تھے، چہرے سے آگے بڑھے تو ان کی ڈاڑھیوں کو تر کرتے ہوئے حلق تک پہونچ گئے۔ ٹوپ کے غلیظ پانی کا مزا بھی کچھ خوشگوار نہیں تھا۔

" اس کی ماں کی .... میں سمجھتا ہوں اب ہمارا اصلی غسل شروع ہوا ہے۔" کیو نے بڑبڑانا شروع کیا۔ " ارے یار! وہ بدمعاش کمانڈر تمھیں یاد ہے جس نے ہمارے کھانے کی رقم میں سے پچاس پچاس سینٹ (چھین سکتے) کاٹ کے ہم سے کہا تھا کہ تم جاؤ اس حمام میں نہا ڈالو۔ جس حمام میں اس سینے کمانڈر کا بھی حصہ

تھا۔ حمام بھی کیا غلیظ اور بدبودار۔ ہم سب کے نہانے کو صرف ایک ناند پانی ملا۔ آدمی کو مارنا ہو تو وہاں بھیج دو۔ کوئی سور بھی وہاں نہانے کو تیار نہ ہوتا۔ اس بدمعاش کما نڈر کو بس ایک ہی فن آتا تھا کہ روپیہ کیسے سمیٹے ـــــ لیو اندھا دھند گالیاں بکتا رہا ـــ آگے آگے شیاؤ منگ تھا اور اس کے پیچھے لیو۔ اس کے پیچھے تہہ شین قطار میں وہ دوسرے نمبر پر چلا جا رہا تھا ــــ وہ بولا ـــــ "تم اس رقم کو بھولے ہی جا رہے ہو جو اسے ایک داشتہ (عورت) پر صرف کرنی پڑتی ہے"، تہہ شین بھی لیو کے عہدے اور اسی کے طبقہ کا سپاہی وہ چکا تھا۔

"اس کی داشتہ کا ذکر مت کرو ـــــ وہ عورت ٹھیک ہے ـــ بیہودہ بات! میں نے اسے صرف دو بار دیکھا ہے۔ اس دفعہ میں بڑے بھائی لی کے ساتھ اس کے گھر گیا تھا۔ اپنے کام کے بارے میں کاغذات وغیرہ لینے۔ تو میں نے اسے دیکھا۔ مجھے خبر ہے"

"واقعی! تو کیا یہ بات صحیح ہے؟"

"ہاں! بالکل صحیح" تیسرے بھائی لی نے قطار کے آخری سرے سے جواب دیا "ـــ وہ تمھیں دیکھکر ہنسی بھی تو تھی؟ ـــ کیوں ہی تھی کیا؟ اور تم ایسے بے خود ہو گئے تھے کہ تمھیں اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہا ـــ دو ایک دن میں تو تم اسے جیسے بھگا لے جاتے ـــ ہے نا؟ توبہ کیسے نامعقول آدمی سے ہمارا پالا پڑ گیا"

"دیکھو! میں تمھاری بکواس بالکل سننا نہیں چاہتا۔ لیو نے زور سے جھڑکا، مگر لی برابر زبان چلاتا رہا۔

"پاگل مت بنو۔ کیوں، تم تو خود جانتے ہو کہ تم اس بڑے نیچی سے کہیں زیادہ خوبصورت آدمی ہو۔ تم جیسا تو ی آدمی تو ایک ٹھوکر میں اس کے ٹکڑے اڑا دے۔ بھلا اس میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ وہ تمھیں بہرحال ترجیح دیتی ـــ بس ذرا کسر رہ گئی ـــ

اگر تمہاری گردن کچھ اور بڑی ہوتی، اور ٹانگیں بھی ذرا لمبی ہوتیں۔ البتہ سر کسی قدر چھوٹا ہوتا اور چہرہ ذرا سا سیاہ ہوتا تب تو تمھارا بچنا بہت مشکل تھا۔ وہ تمھیں بستر پر سے جانے بغیر نہ چھوڑتی۔"

سارے ساتھی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ مگر تیو غصے میں دانت پیس کر رہ گیا۔ اسکے شانے سختی سے تن گئے۔ جبڑے اور گردن کا گوشت حرکت میں آیا اور زبان سے کچھ تلخ نوکیلے جملے نکل گئے۔

"ساتھیو! بھائیو! یہ اپنی چخ چخ بند کر دو ہمیں اپنے آپس کے برادرانہ تعلقات کو خراب نہیں کرنا ہے۔ یا کرنا ہے تو ویسے کہہ دو۔ کامریڈ نیا ونگ ہم سب سے بار بار کہتے رہے ہیں کہ انقلاب کے ساتھیوں کو آپس میں ہر ایک سے زیادہ قریب ہونا چاہئے۔"

بن رسید وشو نے کہا ــــ وہ جب کبھی ایسے موقع پر بولتا تھا تو صلح صفائی اور اعتدال پسندی کی بات کرتا۔

کم بن "لال بھبوکا" کے دل میں ایک سوال پیدا ہوا ــــ کیوں صاحب؟ کیا "ہر ایک سے زیادہ قریب" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے، اپنے بال بچوں سے اپنے کھیت اور مویشی سے بھی اتنا قریب نہ ہو جتنا انقلابی رفیقوں سے؟ ــ یہ سوال اس کے دماغ میں گھومتا رہا، مگر اس نے زبان سے کچھ نہ کہا، صرف لمبے لمبے سانس لینے پر ہی قناعت کی۔

تیو کے دماغ میں ایک اور بات گونجی۔ "واقعی مجھے تو یقین ہے نہیں کہ کہ انقلاب اگر آنا بھی ہے تو جلدی آئے گا۔ اگر آئے بھی تو کیا ہے۔ میں تو وہی تیو کا تیو ہی رہوں گا۔ چاہے کتنی ہی تکلیفیں اٹھاؤں میری حالت تو بہتر یا بدتر ہونے والی نہیں ہے اچھا ہوتا اگر میں ڈاکوؤں میں چلا گیا ہوتا۔ اور کم سے کم دو سال ڈاکہ زنی کی زندگی گذار کے کئی ہزار روپے سمیٹ لیتا، اس کے بعد کسی ایسی جگہ جاتا جہاں کوئی شخص میرے

نشان سے واقف نہ ہوتا۔ ایک بیوی لاتا، پھر کم بخت اس کی ماں کو .... مجھے ذرا بھی فکر نہ ہوتی کہ جاپانی رہتے ہیں یا جاتے ہیں۔ انقلاب آتا ہے یا نہیں آتا۔"

پہاڑی کے بازو سے تقریباً اوپر آدھی بلندی پر ایک کتا بھونکا۔ وہ اسی جھونپڑی کی طرف قدم بڑھا رہے تھے، جدھر سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی تھی۔ یادونگ آگے چل رہا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ صاف راستہ معلوم کر سکے۔ داہنی طرف پہاڑی چوٹیوں کا لامتناہی سلسلہ نظر آ رہا تھا جس کی نہ کوئی حد تھی اور نہ شمار، ان میں سے کچھ تو ایسی نظر آتی تھیں جیسے پہاڑی کے اوپر کسی زبردست دیو کا ہاتھ سیدھا رکھا ہوا ہے اور یہ چوٹیاں نہیں بلکہ اس ہاتھ کے کٹے ہیں۔ ہر طرف درخت ہی درخت کھڑے تھے، اور ان درختوں سے گیلی زمین پر تیزی کے ساتھ ساتھ پانی گزر رہا تھا۔

چھوٹی سی پھونس کی جھونپڑی اب بالکل قریب تھی لیکن اس کے درد دیوار اب بھی صاف نظر نہیں آتے تھے۔ بہرحال جھونپڑی سامنے تھی، پہاڑی کے دامن میں بنی ہوئی، اور دیواریں چٹان کا سہارا لئے ہوئے۔ آدھی جھونپڑی کھوہ میں دھنسی ہوئی تھی۔ اور اس طرح اندر کو جھکی ہوئی تھی جیسے کوئی مریل کتا اپنے بھٹ کے دروازے پر مرا ہوا سوتا ہے، آدھا جسم بھٹ کے اندر، آدھا باہر۔ جھونپڑی کا جو آدھا حصہ کھوہ سے باہر بنا ہوا تھا اس میں رنگ برنگے پتھروں کی گویا دیوار تعمیر کی گئی ہوگی۔ مگر اب وہ اتنی خراب و خستہ حالت میں تھی کہ مشکل اس پر دیوار کا گمان ہو سکتا تھا۔ اب تو فالتو پتھروں کا ایک ڈھیر پڑا معلوم ہوتا تھا۔

احاطے کے اندر گنجائش بہت مختصر تھی اور درو دیوار پر سبزہ اُگ رہا تھا۔ دن کے وقت کوئی شخص پہاڑی سے اترتے ہوئے آسانی سے اس جھونپڑی کے اندر کا سارا منظر دیکھ سکتا تھا — وہ اُدھر ایک ٹوٹا سا پتھر پڑا ہے جس میں کبھی سور منہ ڈالتے ہوں گے

اور اس کونے میں دانہ ڈالنے کا صندوقچہ ہے مرغی کے بچوں کو کھلانے کے لئے سب کو علم ہو گیا کہ نہ اب یہاں سور دھرے ہیں نہ مرغیوں کا پتہ ہے

اس جھونپڑی میں ایک تنگ دروازہ بھی تھا، جو درختوں کی ٹہنیاں توڑ مروڑ بنایا گیا ہوگا۔ دھوپ کی تمازت، چاندکی سردی، ہوا اور بارش کے جھونکوں نے اس غریب دروازے کا حلیہ بھی اتنا بگاڑ دیا تھا کہ پورے گھر کی خستہ حالی، بلکہ اپنے مالکوں کی قسمت میں یہ دروازہ بھی شریک ہو گیا تھا۔

ایک بہت بوڑھا آدمی میلے اور سخت بستر پر پڑا سو رہا تھا، مگر کتے کی چیخ پکار نے اسے آہستہ سے کسی قدر چونکا دیا۔ بڑے میاں نے اپنی بوڑھی آنکھوں کو جنبش دی، اور ناخوشگوار طور پر آنکھیں کھولتے ہوئے اپنے کتے کو پکارا ۔ "ارے یہ اب کون آرہا ہے، اس کتے کا بھونکنا عجیب معلوم ہوتا تھا ۔ " اگر یہ احمق کتا اب بھی چپ نہ ہوا تو کمبخت بھونکتے بھونکتے جان دیدے گا ۔ " آؤ! ۔ ادھر آؤ ۔ بھنیا ادھر آؤ ۔ ادھر بیٹھ جاؤ چپ ہو کے "

بڑے میاں غالباً یہ یاد نہیں کرنا چاہتے تھے کہ اس کے کتنے کتے غلط قسم کے آنے والوں پر بھونکتے بھونکتے مار ڈالے گئے ہیں ۔ اور یہ پلّا تو بڑا پیارا ہے۔ ابھی چند ہفتوں کی بات ہے کہ وہ اس پلے کو تیس لی (دس میل) فاصلے کے ایک بازار سے خرید کر اپنے کمر پر لادے ہوئے لایا ہے ۔ اگر یہ بچارا بھونکتے بھونکتے مر گیا تو کیا اس محنت کا انعام یہی ہے "

چھت کے اوپر سے بستر پر پانی ٹپک رہا تھا۔ کمرے میں مسلسل ٹپا ٹپ گرنے کی آواز سے بڑے میاں کو ذرا طیش آ گیا۔ مگر اسکا علاج کیا؟ کھڑکی کے شکستہ چوکھٹے پر جو آدھا پھٹا کاغذ چپکا یا گیا تھا، وہ بھی ہوا کے جھونکوں سے پھڑ پھڑا رہا تھا اور اس کی آواز بھی بڑے میاں کی ناراضگی میں اضافہ کر رہی تھی۔

بڑے میاں کے پہلو میں ایک بچہ سویا ہوا تھا، اور اس کا ننھا سا سر بوڑھے کی بغل کی ہڈیوں میں دھنس گیا تھا۔ گویا ہڈیوں کا ڈھانچہ ایک چھوٹا سا پلا اپنی دیکھ بھال کرنے والے بوڑھے کتے پر بازو پھیلائے لیٹا تھا۔ یہ ننھا سا جسم صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا جسے بہت باریک کھال میں چپیٹ دیا گیا ہو۔ مگر یہی بچہ اس بوڑھے کے وجود کا سبب بنا ہوا تھا۔ تنہا وجود جس کا بڑے میاں کو خیال تھا، انسان کا ایک بچہ جس کی فکر تھی۔ اور مٹی کا ایک برتن جس کے آدھے حصے میں ابھی چاول بھرے ہوئے تھے۔

پلا اور زور زور سے بھونکنے لگا، بوڑھا اپنے ایک بازو کا سہارا لیکر تکلیف کیسا ذرا اٹھا، تاکہ کھڑکی کی طرف ذرا کان لگائے۔ وہ ایک دم سکتے میں رہ گیا، یہ تو دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ صاف آواز آ رہی ہے۔ دروازہ کھولا نہیں بلکہ توڑا جا رہا ہے، کیا اب اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے کا وقت بھی آ گیا ہے۔ ؟ تعجب سا ہوا۔ اس نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔۔ ایک نہیں کئی آدمی ہیں ۔۔ کچھ ہتھیار بند ۔۔۔ اور کچھ بغیر ہتھیار کے، بھیڑیوں کی طرح بھوکے نظر آتے ہیں۔ بازوں کی طرح فاقوں کے مارے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ۔۔۔ بالکل ایسے جیسے میں خود فاقوں سے مر رہا ہوں۔ میرا کتا، اور میرا ننھا سا بچہ ۔۔ جیسے سب بھوکے ہیں۔

بڑے میاں نے اپنی آنکھیں زور سے بند کر لیں، اور اپنے ہاتھوں سے بچے کا جسم چھپا لیا۔ " خدا محفوظ رکھے ۔۔ تم نے دو ان شیطانوں کو، جو ان کا جی چاہے لیجائیں " اس نے غصے کی شدت میں صرف اتنی التجا کی، کتے نے بھونکنا بند کر دیا، اور نہایت دوستانہ لہجے میں نرم آواز بلند ہوئی ۔۔ " کیا بڑے میاں صاحب آرام فرما رہے ہیں؟ دروازہ کھولئے ؟ ہاں دروازہ کھول دیجئے ہمیں اندر آنے کی اجازت دیجئے ۔۔۔ ہم یہاں ذرا دیر ٹھہریں گے ۔ اپنی ٹانگوں اور پیروں کو آرام پہونچانے کے لئے ۔۔ اور پھر اپنا راستہ پکڑیں گے "

"ہائیں! یہ آواز کیسی؟ — کہیں میں اس آواز کو پہچانتا تو نہیں ہوں؟ یا میری تمنّا اور میرا حافظہ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں؟ مگر یہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ کوئی بھی ہو، بہر حال مجھے جواب تو دینا چاہئے۔"

"کیا آپ اندر آنا چاہتے ہیں؟" بڑے میاں نے جواب دیا۔ "آخر آپ کیوں اندر آنا چاہتے ہیں۔ یہاں اب کسی کے چاہنے کے لئے کچھ نہیں دھرا ہے — کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے۔"

"ہم ذرا دیر آرام کرنا چاہتے ہیں — بس ایک تھوڑی دیر۔ اور پھر چل دیں گے۔"

"اچھا، اچھا، میں آتا ہوں۔ ابھی دروازہ کھولتا ہوں۔ اُف! — مگر اس وقت؟ اس وقت کیسے؟"

وہ تکلیف کے احساس کے ساتھ اٹھا۔ روشنی کی — اور روشنی میں بوڑھے سر کا پھیلا ہوا سایہ کھڑکی پر پڑا — اس نے دروازہ کھول دیا، اور فوراً ہی کمرے کی تاریکی میں گم ہو گیا۔ مگر اس کے پیچھے پیچھے اور لوگ بھی کمرے میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد بڑے میاں نے پھر دروازہ کی چٹخنی بند کر دی۔

"جناب والا! آپ لوگوں نے ایک اچھے کام میں اپنے آپ کو تھکا مارا ہے"

بڑے میاں نے اپنی ڈاڑھی کے ذریعے اپنے لبوں پر ایک جبریہ مسکراہٹ طاری کی لیکن ابھی اس کی زبان سے القاب و آداب کا یہ جملہ مشکل ادا ہوا ہوگا کہ وہ خوف سے تھرانے لگا۔ کہیں زبان سے غلط بات تو نہیں نکل گئی۔ نہیں معلوم یہ کون لوگ ہیں۔ سرکاری فوج کے آدمی ہیں یا خدانخواستہ ......؟ مجھے یوں کہنا چاہئے تھا — "خدا آپ کی دولت میں برکت دے آپ نے اپنے آپ کو بالکل تھکا مارا ہے۔" — مگر یہ بات بھی تو آنے والوں کے لئے نامناسب ہو سکتی ہے۔ اُف! کیسی مشکل ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ آج کل مہمانوں کا خیر مقدم کیسے کیا جائے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں

کے گڑھوں میں آنے والوں کی نظر سے پوشیدہ ایک جبر یہ خوش آمدید کی کیفیت تھی
اور اس بے بسی کی کیفیت — کہ یہ لوگ جو بھی کہیں گے وہ اسے کرنا پڑے گا — مگر
آنے والے سمجھ چکے تھے کہ وہ انھیں جانچ رہا ہے اور ابھی جو انداز وہ اختیار کرے گا
اس سے پتہ چل جائے گا کہ وہ انھیں کیا سمجھا۔

خدایا! کیسی گھٹی ہوئی جھونپڑی تھی — اور چھت کس قدر نیچی۔ یہاں تو آدمی
کا دم گھٹ جائے۔ اس جھونپڑی میں جگہ اتنی بھی نہیں تھی کہ آدمی ادھر سے ادھر گھوم سکے۔
انھوں نے ذرا ہی حرکت کی تھی کہ چھت سے ٹپکتا ہوا پانی بالکل حلق میں اترنے کے
قریب آ گیا۔ خیر، اب تو جیسی کچھ ہے یہ جھونپڑی ہے، رائفلیں ایک طرف رکھنے کے بعد
صرف اتنی جگہ تھی کہ کچھ لوگ تو آتشدان پر لیٹ جائیں، اور باقی ایک کونے میں کھڑے
رہیں۔

آنے والوں کی آہٹ سے بچے کی نیند اچاٹ ہو گئی، اور وہ کھڑکی کے پاس
بستر کے ایک کونے میں دُبک کر بیٹھ گیا، نئے لوگوں کی حرکات دیکھ کر اس کی آنکھیں
خوف زدہ ہو گئیں — وہ اسوقت ان تمام بچوں کی طرح نظر آتا تھا جنھیں ڈاکٹر یاد وا فروش
مصالحہ ڈال کر ایک برتن میں نمونتہً ڈال دیا کرتے ہیں۔ چھوٹا سا سکڑا سمٹا چہرہ — سر
اور ابھری ہوئی پسلیاں۔

"حضرات محترم! یقیناً آپ کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی ہو گی۔ تشریف رکھئے۔
تشریف رکھئے — آرام فرمائیے —" بوڑھے نے یہ الفاظ اسطرح ادا کئے جیسے کوئی
چیز اس کی حلق میں اٹکی ہوئی ہے، ابھی تک وہ اپنے مہمانوں کو جاننے پہچاننے کی کوشش
کر رہا تھا — آخر یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ — سرکاری فوج کے آدمی ہیں — ؟ اگر
ایسا ہی ہے تب تو آج تک میں نے ایسے معقول اور سلیقہ شعار سرکاری سپاہی دیکھے
نہیں — سرکاری فوجیوں میں تو شور و شغب، اور ہلڑ کی خاص عادت ہوتی ہے۔ یہ کہیں

لٹیرے اور ڈکیت تو نہیں ہیں ؟۔ مگر اپنی زندگی میں میں نے ڈکیت بھی بہت دیکھے ہیں۔ اکثر ان سے پالا بھی پڑا ہے، وہ تو بڑے مضبوط قد آور نوجوان ہوا کرتے ہیں۔ کچھ آوارہ قسم کے لڑکے بھی انہیں ہوتے ہیں، ڈکیتوں کے گروہ میں تم نے کبھی کوئی بوڑھا آدمی نہیں دیکھا ہوگا۔ تو کیا یہ بات ٹھیک ہے ؟ یہ نوجوان لڑکا جس کے کوٹ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، کچھ مانوس سا معلوم ہوتا ہے۔ بڑے میاں کو شبہ سا ہوا کہ یہ وہی نہ ہو جس نے بوڑھے کو کھڑکی میں سے آواز دی تھی۔

چند لمحے اور گذرے۔ اور اتنے میں بوڑھے کے اس لڑکے نے تمام چیزوں کو پہچان لیا، وہ بستر کے کونے سے سرکا، اور بڑے میاں سے لپٹ گیا۔

"دادا ! دادا" اس نے دبی آواز سے کہا " یہ تو نیا ڈچیا ہیں ؟"

بچے کی آواز نیا ڈمنگ نے سنی۔ نیا ڈمنگ نے اپنے شرابور بازو آگے بڑھائے اور بچے کے قریب جا کر کہا — "اوہو، میں تمہیں اب تک یاد ہوں چنگ بیٹے !"

"ہاں میں تمہیں بھولا نہیں ہوں۔ تم نیا ڈچیا ہو"

بڑے میاں اس بچے کی ہوشیاری پر زور سے ہنسے۔ نیا ڈمنگ کو بھی ہنسی آ گئی۔

"اچھا بڑے میاں! تمہارے پاس کھانے پینے کو بھی ہے کچھ ؟ - ہو تو جلدی سے اٹھ کے لے آؤ" لیو نے اپنے خاص بے تکلفانہ لہجے میں بڑے میاں سے کہا اس طرح سے حکم چلانا اس کی خاص عادت ہو گئی تھی۔ وہ ایک عام سپاہی کی طرح ان مصیبت زدہ انسانوں کو حکم دیا کرتا تھا جن سے اسکا واسطہ پڑتا تھا۔

"بھلا یہاں کھانا کیسے رکھا ہوگا بے وقوف! اُدھر ڈاکوؤں کی طرح مت کھڑے رہو۔ جیسے وہ لوگ اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے جاتے ہیں اور حکم چلاتے ہیں

کیا تمھیں اب بھی اس کام کی اہمیت محسوس نہیں ہوئی جو ہمیں کرنا ہے " سب سے چھوٹا بھائی آئی کمر جھٹکا کر کھڑا ہو گیا، اور اپنے کپڑوں سے بارش کا پانی اور کیچڑ کی تہیں جھاڑنے لگا۔ تیبو کو ڈانتے وقت اس کی نگاہ سختی سے تیبو پر پڑی۔

"حضرات محترم! یہاں تو کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ نہیں "

تیبو کو اب کچھ نہیں کہنا تھا، مگر ایک جماہی کے ساتھ، جو ہمیشہ اس کی کاہلی کا اظہار کرتی رہتی تھی، وہ بستر پر سونے کے لئے دراز ہو گیا۔ "مخمل بھبھوکا" کو دیا سلائی مل گئی تھی۔ چنانچہ اس کا پائپ دھواں دینے لگا تھا۔

"بڑے میاں! اگر آپ کے پاس تھوڑے سے چاول ہوں تو لے آئیے۔ ہم اس کا تھوڑا دلیا پکا کر کھا لیں گے " شیاؤمنگ نے بوڑھے سے سوال کیا بوڑھا سوچ رہا تھا کہ کیا جواب دوں۔ بہت زیادہ بناوٹی طریقے سے اس نے اپنی کشادہ دلی کا اظہار کیا، اور کہا ـــــ "حضرات محترم! آپ اپنی سہولت خود دیکھ لیجئے یہاں اگر کچھ ہے تو وہ اس طرف ایک جگہ میں تھوڑے سے چاول پڑے ہیں۔ اور آپ، جو چیزیں حاضر ہیں۔ انھیں جو جی چاہے کیجئے! ایندھن گیلا ہے۔ ذرا جلانے میں دقت پیش آئے گی۔ اتنے دن سے برابر بارش ہوئے چلی جا رہی ہے۔ بارش بارش، بارش "

"تیبو ایک دم اچھل کر کھڑا ہوا ۔ اور چاول پکانے کے لئے سب سے پہلے تیار ہو گیا۔ لیانگ زنگ نے اس کا ہاتھ بٹانے کی پیش کش کر دی۔ اور بڑے میاں نے کباڑ کے ڈھیر پر سے ایک چھوٹا سا جگ نکالا۔ جس کا منہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"ارے بس یہی؟ اتنا ہی سا چاول ہے تمہارے پاس؟ " تیبو نے جگ کے اندر ہاتھ ڈالا ـــ اور اپنے بے دلی کے انداز کو تحقیر میں بدل دیا ـــ "ارے صرف اتنے ہی سے چاول ہیں؟ " اس مٹھی بھر رسد کے حقیر وجود پر ہر شخص چپ کا

چپ رہ گیا۔

"ہم میں سے ہر ایک ذرا کم کم کھانا پڑے گا، بس اتنی سی بات ہے۔ اسے ابال لو، اس کے بعد بانٹ لیں گے"

چاولوں کا دیگا تیار ہوا تو انھیں باری باری کھانا پڑا، کیونکہ چاول کھانے کے برتن بھی کافی نہ تھے۔ بڑے میاں اپنے آخری چاول ختم ہوتے ہوئے بڑی حسرت سے دیکھ رہے تھے ـــ افسوس، یہ لوگ شریفوں کے طور طریقے اور تکلفات سے کتنے بے بہرہ ہیں!

تیاؤ سنگ نے بچے کے متعلق گفتگو چھیڑی۔ "بڑا ہوشیار بچہ ہے بس پورے ایک سال پہلے یہاں سے گذرا تھا۔ مگر یہ لڑکا اب تک مجھے پہچانتا ہے۔ میں نے اس کے باپ کے ساتھ کام کیا ہے، کیسا اچھا، باوفا اور مخلص آدمی تھا اس کا باپ۔ سفید پہاڑی کی لڑائی میں مارا گیا۔ جاپانیوں نے اس غریب کے باپ کو اپنی سنگینوں سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا، جیسے کہ وہ اکثر مارتے ہیں۔

اب بھی اگر تم اس بچے سے سوال کرو، تو وہ تمھیں پوری تفصیل سے سنا دیگا۔ کہ اس کے ماں، باپ کیسے مارے گئے ـــ "کیوں بیٹے! تمھارے باپ کا انتقال کیسے ہوا؟"

"جاپانی سپاہیوں نے انھیں چاقوؤں سے مار ڈالا" بچے نے صاف آواز میں جواب دیا۔

"اور تمہاری ماں کیسے مرگئیں؟"

"جاپانی سپاہیوں نے ان کی بھی جان لے لی"

"کیوں؟ تمھیں کیا جاپانی سپاہیوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"ڈر؟ ـــ میں تو بالکل نہیں ڈرتا"

اب بڑے میاں نے اطمینان کا سانس لیا کہ چلو یہ تو پتہ چلا کہ آنے والے کم سے کم سرکاری آدمی نہیں ہیں۔ اور بچے کی سوجھ بوجھ سے وہ اتنا مسرور ہوا کہ گویا اب وہ خوشی کے مارے چیخ اٹھے گا۔ اپنی نفرت اور غصے کو بھول کر ــــ بلکہ اس لمحے تو وہ اپنے آدھا جگ چاولوں کا غم بھی بھول گیا ــــ بوڑھے نے بے باکی سے سوال کیا۔

"آپ حضرات یقیناً سرکاری آدمی نہیں ہیں۔ آپ والنٹیر یا رضاکار ہیں نا! جاپانیوں سے لڑنے والے والنٹیر۔ میرا بیٹا بھی آپ ہی میں شامل ہوگیا تھا۔ وہ تو اپنی جان سے گیا۔ اب یہ بچہ ہے ذرا بڑا ہو جائے، تو یہ بھی اسی لڑائی میں شریک ہوگا۔ اپنے ماں، باپ کا انتقام لینے کے لئے۔ تاکہ جو کوئی جاپانی سپاہی ہاتھ پڑے اسکا صفایا کر ڈالے۔ میں اب بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، اور اگر بڑھاپا نہ ہوتا تو ...... خیر اب جانے دیجئے۔ ہم غریبوں کے لئے اس دنیا میں کیا سوائے موت کے۔ جاپانی جب آتے ہیں۔ اگر آپ میں ذرا بھی جوانی اور قوت ہے تو آپ کو پکڑ کر لے جائیں گے اور مار ڈالیں گے ــــ اس راستے سے وہ اکثر و بیشتر گزرتے ہیں۔ ہمیشہ وہ مجھے ڈراتے دھمکاتے ہوئے جاتے ہیں، اور میرے سر پہ اپنی سنگینوں کا ٹھوکا دیتے ہیں"۔

اپنے مہمانوں کی موجودگی کے احساس اور خود اپنے جوش و خروش سے بڑے میاں پھر سے جوان نظر آنے لگے تھے۔ وہ تیاؤ منگ کی طرف مڑے۔

"پارسال کیا بالکل ایسا ہی زمانہ نہیں تھا جب تم میرے یہاں آیا کرتے تھے۔ اُن دنوں میرا لڑکا اور اس کی بیوی دونوں زندہ تھے۔ اب مجھے تعجب نہیں ہو رہا ہے کہ جب میں نے تمہاری آواز سنی تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میں اس آواز سے آشنا ہوں"۔

بوڑھے کا جذباتی خروش دیکھکر تیاؤ منگ پر غم و ملال کی ایک لہری دوڑ گئی۔ "میرے محترم! ہم لوگ والنٹیر تو نہیں ہیں۔ ہاں مگر جاپانیوں سے جنگ ضرور کرتے ہیں"

"کیا کہا؟ آپ لوگ والنیٹر نہیں ہیں؟" بوڑھے کے چہرے کی روشنی بجھ گئی، اور پھر وہ ایک غم زدہ شکستہ آدمی نظر آنے لگا۔

صبح تڑکے کا وقت ہوگا کہ ان ساتھیوں نے بوڑھے میزبان اور اس کی مختصر جھونپڑی سے آخری رخصت طلب کی۔ شیاؤ منگ نے رخصت ہوتے وقت بچے کو اپنی طرف سے ایک چاقو تحفے میں نذر کیا۔ بڑے میاں، بچے کا ہاتھ تھامے ہوئے جھونپڑی کے دروازے پر اپنے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لئے کھڑے رہے۔ وہ بخت حیرت کے عالم میں غور کرتے رہے کہ آخر یہ کس قسم کے لوگ ہیں اور کس فوج سے ان کا تعلق ہے۔ یہ کہاں سے آئے تھے اور ایسے ہی جلدی سے رخصت ہو گئے۔ وہ سوچتا رہا اور یہ لوگ پہاڑی کے ایک طرف درختوں میں اس کی نظر سے اوجھل ہو گئے۔

ابھی آفتاب عالم تاب نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا۔ دھوپ ۴۵ کے زاویے سے پڑ رہی تھی کہ پہاڑی کے ڈھلان کا بالکل سیدھا نشیب کسی قدر کم ہونا شروع ہوا۔ پہاڑی کے دامن میں پہنچنے کے بعد اس چھوٹے سے دستے نے دو چوٹیوں کے درمیان کی ہموار زمین کے ایک قطعے پر سے گزرنا شروع کیا، جو گھوڑے کی زین کی طرح درمیان سے ہموار تھا۔ یہ لوگ اپنے داہنی طرف نیچے کی سمت ایک ایسا نشیب چھوڑ رہے تھے جس کے آخری سرے پر ایک لمبا سا درہ تھا، بے شمار ننھے ننھے قطرے پتیوں پر سمٹے ہوئے تھے۔ یا گھاس کی نرم و نازک باریک پتیوں پر دھوپ سے چمک رہے تھے۔ گرمی کی بارش کے بعد جو تپش ہوتی ہے۔ وہی تپش تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انھیں تپانے کے لئے زمین سے حرارت ابل پڑی ہے۔ ہوا بالکل بند اور فضا میں گھٹن کی سی کیفیت تھی۔ وادی اور نشیب کا تمام کہرا پہاڑی چوٹیوں پر جم گیا تھا، اور ہوا سے کھیل رہا تھا۔ جواہرات کی طرح نہایت نظر فریبی سے لہلہا رہا تھا۔ کبھی ایک جگہ سمٹ گیا، کبھی پھر چھٹ گیا۔

دونوں پہاڑیوں کے درمیان کی ہموار زمین سے ہوتے ہوئے وہ لوگ اس تنگ درے کی نلی تک رینگ سے گئے۔ درّہ اتنا تنگ تھا کہ ان میں ایک ایک کی لائن بناکر گزرنا پڑا۔

" ساتھیو!" تیا ڈمنگ نے انھیں پھر سے یقین دلانے کیلئے کہا " ہم بس اب وہاں پہونچنے ہی والے ہیں۔ ہم اس درے سے نکل کر ایک ندی پار کریں گے۔ ٹھیک اسی جگہ ہمیں ایک فصیل بند گاؤں اپنے مقابل نظر آئے گا۔ یہ گاؤں پہاڑی کے اندر واقع ہے یہ گاؤں تو دنگ خاندان کا ہے۔ درے کے دہانے پر ہمیں ایک قلعہ ملے گا۔ بہت بے ڈھنگا سا قلعہ ہے۔ جیسے ایک ڈھیر لگا دیا گیا ہے ؛ لیکن اس سے کوئی کترا نہیں سکتا قلعہ ٹھیک اسی پہاڑی کی بلندی پر بنا ہے جو اس درے کی حفاظت کرتی ہے۔ اس قلعے پر لال جھنڈا لہرا رہا ہوگا۔ اگر وہ لوگ اسوقت وہاں موجود ہوئے تو یقیناً کسی نہ کسی کو ہم سے لینے کے لئے بھیجیں گے۔" نہیں معلوم یہ الفاظ تیا ڈمنگ خود اپنے آپ کو یقین دلانے کے لئے کہہ رہا تھا، یا اپنے ساتھیوں کو۔ مگر اس کے لہجے میں ایک متفکرانہ امید کی جھلک موجود تھی۔ دن ہونے سے پہلے وہ لوگ اپنا یہ سفر شروع کر چکے تھے۔ نہ جانے اب تک کتنے میل فاصلہ طے کر چکے ہیں۔ نہ کسی کو قطعی طور پر یہ معلوم تھا کہ اب وہ کس منزل اور کس مقام پر ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ آگے کیا آنے والا ہے کس بات کی توقع کی جائے۔ اس بارے میں تیا ڈمنگ کے سوا کوئی کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔

" ہاں! اب ذرا قدم اور تیز کردو۔ تھوڑا زور اور لگاؤ۔ ہم بہت جلد اس درے سے نکلنے والے ہیں۔ عنقریب ہمیں لال جھنڈا اڑتا ہوا نظر آئے گا۔ اور پھر ہر ایک چیز ٹھیک ہو جائے گی۔ سب کام چوکس رہے گا۔ — بالکل چوکس۔" تیا ڈمنگ دوسروں کی ہمت افزائی کر رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں اور تنگ ہوگئی تھیں۔ اور تھکنے لگی تھیں۔ ان سب کو ڈھارس بندھ گئی۔ بڑے میاں کے گھر جو تھوڑے سے چاول

کھانے کو ملے تھے، وہ خود اتنے مختصر تھے کہ اب انکی یاد بھی باقی نہ رہی ہوگی۔ مگر ایک امید تھی کہ اس درّے سے باہر نکلتے ہی ہمیں جھنڈا نظر آجائے گا، اور سنتری کے کھڑے ہونے کی جگہ ملے گی۔ یہی امید پتلے دلئے کی طرح ان کے پیٹ بھر رہی تھی۔ آسرا لگائے لگائے بھی اب کافی دیر گذر چکی تھی۔ اور آسرا پورا ہونے میں نہیں آتا تھا۔ وہ یہ سوچنے لگے تھے کہ دیکھئے کب یہ سلسلۂ دراز ختم ہوتا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ نیا ڈمنگ جن ساتھیوں کی آمد کا بار بار ذکر کرتا ہے، یہ کہاں کے لوگ ہوں گے۔ کیسے ہوں گے ان کے ساتھ ہماری زندگی کیونکر کٹے گی۔ ہم ساتوں آدمی ان میں ایسے گھل مل سکیں گے یا نہیں کہ وہ ہم کو بھی اپنوں میں شمار کریں۔ کیا خبر وہ ہمیں اپنا نہ سمجھیں، بلکہ اجنبی سمجھتے رہیں ـــــ یہ سارے شبہات ان کے دل میں اٹھتے رہے۔ اور ان شبہات کا اظہار اسطرح ہوا کہ ان کا جوش وخروش ٹھنڈا پڑتا گیا۔ سب سے چھوٹا بھائی آئی تھوڑی دیر سے اس بات کو محسوس کرنے لگا تھا اور آئی نے اس فوج کا مارچنگ ترانہ گانا شروع کیا جسمیں وہ شریک ہونے والے تھے۔ اور جس فوج میں شریک ہونے کے لئے وہ جاپانیوں کی کٹھ پتلی فوج کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ آئی کی آواز میں قوت تھی۔ اور اسکی آواز میں خلوص تھا ـــ اس قوت، زور اور خلوص کے ساتھ گیت کا نغمہ بلند ہوا۔ گیت میں جاپانیوں سے اپنی سرزمین پاک کر لینے کے بعد نئی دنیا اور زبردست آنے والے حالات کا وعدہ تھا۔ اور اس گیت کی گونج نے تھکے ہوئے بازوؤں میں پھر سے لہر دوڑا دی۔ اور ان میں پھر ایک حوصلہ بیدار ہو گیا۔ فوج کے قدموں کے ساتھ بلند ہونیوالا گیت سب پر چھا گیا تھا، اور سب کے سب گانے لگے تھے۔

بوڑھے چنگ تنگ پر رقت طاری ہوگئی، اس کی آنکھوں سے آنسو کی بوندیں ٹپک گئیں اور جذبات کی شدت سے اسکا چہرہ اور سنجیدہ ہوگیا، گانے کی ادا ئگی۔ کوئی بہت اچھی نہ تھی مگر اس سے سہارا مل رہا تھا۔ اور ذرا سی مشق سے بہتر گانے گا

کافی امکان تھا۔

"کامریڈ شیاؤ! ذرا فرصت ملے تو میں درخواست کرتا ہوں کہ تم مجھے یہ گانا سکھا دینا۔ میں اسے گا سکتا ہوں، ہے نا؟ ایسا اور کوئی گیت نہیں"

"ہاں ہاں! یقیناً تم یہ گیت گا سکتے ہو۔ بلکہ ہم سب کو گانے کا انداز سیکھ لینا چاہئے۔ یہ ہمارا اجتماعی نعرہ ہے۔ دیکھو اب ذرا ٹھیک طرح سے گا کے دیکھو۔ بہت آسان ہے۔ یہ دیکھو"

بڑے سکون اور سلیقے سے شیاؤ منگ نے گیت کے الفاظ دہرائے اور وہ دہراتا رہا۔ یہاں تک کہ بڑے میاں انہیں ذہن نشین کرتے رہے، اس گیت کی لَے بھی وہ بار بار گنگنا تا جا رہا تھا، اور بڑے میاں پورے عزم کے ساتھ اس لے کو اپنی تھرتھراتی ہوئی بلند آواز میں شیاؤ منگ کے ساتھ دہراتے رہے۔ اور لوگ پہلے تو انھیں سنتے رہے، پھر خود بھی اس سبق میں شریک ہو گئے ذرا دیر میں سب کے سب یک آواز گانے لگے۔ جیسے ایک باقاعدہ فوج پریڈ کر رہی ہو۔ ہوتا یہ تھا کہ شیاؤ منگ نے گیت کا ایک مصرع بہ آواز بلند پڑھ دیا، اور باقی دوسرے لوگوں نے دوسرا مصرع اٹھا لیا۔ بڑے مزے میں یہ وقت کٹ گیا وادی کی دیواروں کے اس پار سے ان کی آواز گونج تھی اور اپنی صدائے بازگشت سن کر ان کے قدم اور تیزی اور قوت کے ساتھ اٹھ رہے تھے۔ واہ وا، کیا آواز ہے۔ جیسے بجلی کڑک رہی ہو۔ ایسی آواز جس سے سارا درّہ کوہ گونج رہا ہے۔ اور درّے کو پار کر کے وہ پہاڑی کی اس چوٹی سے ٹکرا رہی ہے جہاں انقلاب کا پرچم ہوا میں لہریں لے رہا ہوگا۔

تیسرا باب ۳

تیسری رائفل

وسیع کھیتوں میں کاؤلیانگ کے درخت بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ لال رنگ کے ڈوبتے سورج کی طرف منہ اٹھائے تھے فصل کاٹنے کے دن روز بروز قریب آرہے تھے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی کو اس بات کی فکر ہی نہیں ہے گاؤں کے نوجوانوں نے بھی اس شغل کی طرف کوئی توجہ نہ کی تھی۔ درانتیاں چھپروں میں لٹکی پڑی تھیں، اور پنسیا کا کہیں پتہ نہ تھا کیونکہ کسانوں نے تو رائفل اپنے کاندھوں پر اٹھا لئے تھے۔ اور اپنے علاقوں میں سنتری کا فرض انجام دے رہے تھے۔ جس کو جہاں پہرہ دینے کیلئے مقرر کر دیا تھا وہیں ڈٹا کھڑا رہتا۔ اور جب وہ گشت لگاتے ہوئے ایک دوسرے سے ملتے تو کھیتوں کا نہیں بلکہ ان چیزوں کا ذکر کرتے جو انھوں نے قومی فوج کے ہیڈ کوارٹر میں سنی ہوتی تھیں ان کی گفتگو بڑی عجیب ہوتی تھی۔ اس میں ایسے الفاظ اور محاورے استعمال کئے جاتے تھے جو ان کے باپ دادا نے کبھی سنے بھی نہ ہوں گے۔ کوئی شخص اپنے آپ کو بزدل یا احمق ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسلئے

ایک سے ایک بڑھکر جراءت وہمت کا اظہار کرتا تھا۔ جاپانی کو مارڈالو، اور ہاں مارتے وقت ذرا بھی ترس مت کھانا۔ اور اگر کہیں جاپانی افسر کو ختم کرنے کا موقع مل جائے تو کیا کہنے۔ بڑا کام کیا۔ جاپانی بس ــــ وہ انھیں بہت گھٹیا سمجھتے تھے، کیڑوں مکوڑوں سے بھی ذلیل مخلوق۔ یہ تو واقعہ ہے کہ روسی، جاپانی جنگ میں جاپانیوں نے روسی فوج کو شکست دی ہے، مگر نوجوان دیہاتیوں کو معلوم تھا کہ شکست کیسے ہوئی ــــ ان کے بزرگوں نے بتایا تھا کہ روسیوں نے خود اپنے آپ شکست کھائی۔ نہ ان میں کوئی ڈسپلن تھا نہ نظم وضبط بلکہ ہمیشہ پئے ہوئے مست رہتے ہیں۔

"آجکل کے زمانے میں بس ایک ہی کام رہ گیا ہے کہ کاندھے پر بندوق اٹھائے رہو۔ تم ہو۔ یا کوئی اور۔ جاپانی سپاہی روز بروز نڈر ہوتے جارہے ہیں، انھیں موقع نہیں ملنا چاہیئے۔ کیا ہم ٹانگیں پسار کر لیٹ جائیں اور ان ذلیل بدمعاشوں کو اس بات کا موقع دیدیں کہ وہ گھس آئیں اور اپنی سنگینوں سے ہماری عورتوں، ہمارے بچوں، اور ہمارے ماں باپ کو چھید ڈالیں؟ نہیں ہم سے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ جو ہیڈ کوارٹر میں ایک فولادی ڈنڈا ہے۔ وہ ہمارا لیڈر ہے۔"

"فولادی ڈنڈے سے کیا مطلب تمھارا؟ ــ ہمارا جنرل؟ تمھیں خبر ہے۔ یہ عہدہ اسے کیسے ملا؟ جاپانیوں نے اس کی بیوی بچوں کو جان سے مار دیا۔ ان کی ماں کا...... ! اچھا، ان ساتوں کے پاس بندوقیں بھی ہیں" یہ الفاظ بوائل تانگ نے کہے جو ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا، اور اس کی بندوق اس کے پہلو میں رکھی تھی۔ "میں نے سنا ہے کہ سب ملا کر نو آدمی تھے۔ دو آدمی راستے میں مرگئے۔ شیاؤ منگ کو ان میں شمار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ وہ تو بہر حال ہمارا ہی آدمی ہے"

"شیاؤ منگ بھی کیا آدمی ہے۔ اس میں ہر صفت موجود ہے طالب علمی سے

اس کی زندگی شروع ہوتی ہے، مگر اس نے فضولیات میں وقت نہیں گزارا۔ ہم میں سے ہر شخص کے ساتھ گھٹیا سے گھٹیا کام کر سکتا ہے۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ اور سورج کی بھرپور شعاعیں زمین کو تپائے دے رہی تھیں ہر شخص کو اس بڑے درخت کے سائے کی تلاش تھی۔ مضبوط اور جاندار (درختوں کا تنا) بھی تپش کی وجہ سے جھکا جا رہا تھا۔ اور لمبی لمبی گھاس نے پہلے ہی اس کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ البتہ جھینگر کی کرکراہٹ اب بھی بہت صاف سنائی دے رہی تھی۔ سور گرمی سے پناہ لینے کے لئے کیچڑ کی گہرائیوں میں اتر چکے تھے، اور کتنے دیواروں کے سائے میں پڑے ہوئے ہانپ رہے تھے۔ زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور گرمی کی وجہ سے اتنی بھی سکت نہیں تھی کہ ان مکھیوں پر جھپٹ پڑیں، جو انھیں کاٹ رہی تھیں۔ دوپہر کا خواب آور سناٹا، اس قدر خاموش تھا کہ مرغی کے بچوں کی چوں چوں بھی اس میں کافی بلند سنائی دیتی تھی۔ چھوٹا سا گاؤں اب بھی ویسا ہی تھا جیسا کئی سو سال امن کے زمانے میں رہا ہوگا۔ جنگ کی وجہ سے اس کے ماحول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

بوائل تانگ کو نیند نہیں آسکی وہ اٹھ بیٹھا، اس نے گھاس کی پتی لے کر طرح طرح کے پرندوں کی آوازیں نکالنی شروع کر دیں۔ ساتھیوں نے اسے ڈانٹا۔ آخر اس نے اپنی رائفل اٹھائی اور وہاں سے کسی اور طرف چل دیا۔ گھاس کی پتی منہ کو لگائے اب بھی وہ سیٹیاں بجا رہا تھا، اس نے سوچا کہ چلو اپنی رشتے کی ساتویں بہن سے مل کر آئیں جو بیوہ ہو گئی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کہاں رہتی ہے، سڑک کے کنارے وہ جو چھوٹا سا مکان ہے۔ زیادہ فاصلہ نہیں۔

ٹیڑھی میڑھی بینیوں اور ٹہنیوں کے درمیان سے بوائل کو دکھائی دیا کہ اس کا سینہ کھلا ہوا ہے، اور بچہ اس کی آغوش میں ہے۔ وہ بچہ پر جھکی ہوئی ہے، اس کے بال شانوں پر گھنی سیاہ لہروں کے ساتھ بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ لوری گا رہی تھی۔

نرم حسین، اور چھوٹا سا گیست، اس کی آواز کی نغماتی کیفیت اور کھلے ہوئے سینے کے منظر نے اپنے بدن سے کو ابھارا جس کے سامنے بوائل تانگ کو کسی اور بات کا خیال آنا مشکل ہو گیا۔ وہ ذرا رکا، اور اس نے راستے پر سے ایک کنکر اٹھایا۔ اور ایک جھٹکے کے ساتھ جھونپڑی کی کھڑکی کے سوراخ سے اندر پھینکا۔

"کون ہے؟" ایک دبی ہوئی آواز نے پوچھا۔ تانگ جانتا تھا کہ وہ اپنے بچے کی نیند توڑنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ اس نے چٹائی کا بنا ہوا دروازہ ہلکے سے کھولا۔ پہلے اپنا سر اندر ڈالا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی رشتے کی بہن حیرت سے مسکرا دی، ایسی آنکھوں سے اس نے دیکھا جن میں پیار ہی پیار تھا۔ اس نے کہا۔ "تم ہو ذلیل بے ایمان!۔ یہ تم شیطانوں اور بھوتوں کی طرح گھر کے کونوں میں سے ڈال ڈال کر کیا دیکھ رہے ہو۔ یہاں تمھیں کھانے کے لیے کوئی بھیڑ یا بیٹھا ہے کیا؟ یا تمھیں ڈر ہے کہ جاپانی سپاہی تمھیں کھا جائیں گے"۔

بوائل نے سانس لیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ بہت آہستگی سے کھڑکی کے دروازے کی طرف بڑھا۔ جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اس کہنی پر اپنا بازو رکھ دیا جو کھڑکی کی چوکھٹ پر تنی ہوئی تھی۔ اب وہ بالکل اس کے قریب تھی۔ اتنی قریب کہ وہ اسے جب چاہے جہاں چاہے ہاتھ لگا سکتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ میری رائفل تو محفوظ ہے۔ دوپہر کی کڑی دھوپ میں ساری فضا، اور فضا کی ہر شے کتنی خاموش، اور خواب آلود تھی۔

" آپ چوکیداری مت فرمائیے! فوراً یہاں آ جائیے اندر، بتائیے آپ کیسے گیا۔ کیا جائے؟" عورت کی آنکھوں میں شرارت تھی، ان میں گرمی اور چمک آ گئی جب ان آنکھوں نے نوجوان قوی ہیکل کسان کی حرکات کو سمجھ لیا۔ قوی ہیکل کسان کے سیاہ گھنے بال، چوڑے گندمی شانے۔ کیسے چمکنے اور کھلے ہوئے تھے، ان تمام

مانوس نقوش کو دیکھتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں اور تیز ہوگئیں۔

"بچہ سوگیا کیا؟"

"تم سے کیا مطلب، فالتو کہیں کے؟ تم کون؟ اسوقت تمہارے بھیجے میں کون سے چوہے دوڑ رہے ہیں؟" ۔۔۔ اتنے وہ الفاظ پورے کرے، تانگ کے ہاتھوں نے اس کے پہلو کو بڑے پیار سے سہلانا شروع کر دیا۔ اور رینگتے رینگتے وہ اس کے من کی بات تک پہونچ گئے۔ یقیناً ان ہاتھوں نے کچھ کہہ بھی دیا۔ بغیر کسی ارادے کے اس کے سکڑے ہوئے گھٹنے بھیں گئے۔ چہرے اور گردن پر سرخی دوڑگئی ۔۔۔ اور سینہ دل کی دھڑکن اور سانسوں کے اضطراب سے زیر و زبر ہونے لگا۔

"ٹھہرو! اک ذرا ٹھہر جاؤ! میں بچے کو یہاں پہنچ کر تمہارے منھ پر ایک دو تھپڑ رسید کرتی ہوں۔ تم فالتو آدمی۔ خبر نہیں کہ میں کیسے کس کے ہاتھ رسید کرتی ہوں!۔۔"

اس کی آواز نیچی اور بھاری ہوگئی تھی۔ تانگ نے اسے جانے دیا۔ اور خود جھونپڑی میں داخل ہوگیا۔ وہ بچے کو سخت بستر پر ڈال چکی تھی۔ اور اب اس پر نظر جمائے کھڑی تھی اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اور سانس کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کے پستان کبھی سمٹتے کبھی پھیل جاتے۔ کچھ بھی ہو بہر حال وہ نوجوان کسان کو چانٹا نہ جما سکی۔ جلتے ہوئے رخساروں کے ساتھ اس نے اپنی آنکھیں اپنی بھوک کے سامنے جھکا دیں۔ اور اپنے الجھے ہوئے بال ٹھیک کرنے لگی۔۔ ایک منٹ بھی نہیں گذرا ہوگا کہ نوجوان کسان کے ہونٹوں کا تقاضا، اور ہاتھوں کا منشا پورا ہوگیا۔ انھوں نے ایک عورت کے جسم کو سمیٹ لیا جو ان سے کسی طرح کم خواہش مند نہیں تھا۔ اور وہ نرم و نازک سینہ ان چکنے گندمی شانوں کے درمیان پس گیا جو اور بہت ہی ذہنی معلوم ہو رہے تھے۔ وہ مقابلہ کرنے کے لئے بالکل آمادہ نہ تھی۔ دونوں ایک ساتھ حرکت کرتے رہے، ایک ساتھ بہتے رہے، انسان کی ایک عجیب قسم کی ہنگامی راحت

کے ساتھ۔

دُور، درخت کے نیچے باقی لوگ ہاتھوں میں رائفلیں اٹھائے تیار تھے۔ کوئی حادثہ ضرور درپیش ہوگا، تانگ جب اپنی رشتے کی بہن کے گھر سے باہر نکلا، اور اس نے دروازہ بند کیا تو اسکا جسم قابو میں نہیں تھا، اس کے کاندھے پر رکھی ہوئی بندوق، کچھ نہیں تو، پانچ پونڈ اور بھاری ہو گئی تھی۔ اب اسے گھاس کی پتی منھ پر لگا کر پرندوں کی نقلی آوازیں نکالنے کا بالکل خیال نہیں رہا۔

"گدھے کہیں کے! اب تک تم کہاں آوارہ گردی کرتے رہے۔ ہم سب تمہارا اتنی دیر سے انتظار کر رہے ہیں ہمیں ہیڈ کوارٹر میں لکچر کے لئے ــــ رپورٹ کرنا ہے" اسوقت ڈیوٹی کے افسر کو غصہ آرہا تھا۔ وہ دراز قامت آدمی تھا، اور اسوقت بالکل سیدھا کھڑا تھا۔ شکرے کی طرح نظر جمائے ہوئے ۔ وہ خود بھی ننگ صوبے کے کچی تین گاؤں کا ایک کسان تھا۔ کھیت چھوڑ کر وہ سرکاری فوج میں بھی رہا، اور ڈاکو بھی۔ مگر اب وہ عوامی انقلابی فوج میں شامل ہوگیا تھا تاکہ جاپانیوں کا، یا ہر اس طاقت کا مقابلہ کیا جائے جو ان سے نجات پانے میں رکاوٹ ڈالے۔ قتل کرنے میں اسے کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کی کمان کے سپاہی کسی طرح بھی اس کو کم با اختیار نہیں سمجھتے تھے۔ دشمن پر دیوانہ وار ٹوٹ پڑنے کی وجہ سے، اور اسلئے کہ اس کی سوجھ بوجھ بہت تیز تھی لوگ اسے "فولادی شکرا" کہہ کر پکارتے تھے۔

"جاؤ اس ساتھی کو جنرل ہیڈ کوارٹر لے جاؤ۔ اور دیکھو جب یہ واپس ہونے لگے تو تم اس کے ساتھ آنا"

ظاہر ہے کہ اس قسم کے افسر سے کوئی بحث نہیں کی جاسکتی۔ تانگ کو یہ خوب معلوم تھا کہ صرف احکام قبول کر لینا ہے اور کچھ نہیں۔

نیا ساتھی ــــ جسے اُس کے سپرد کیا گیا۔ ایک کسان کا لباس پہنے

ہوئے تھا، مگر اسکے باوجود وہ کسی طرف سے بھی کسان معلوم نہیں ہوتا تھا۔ وہ اصل میں مزدور تھا، اسکے نتھنوں سے اور آنکھوں سے صاف یہ بات ٹپکتی تھی کہ وہ برسوں کسی لوہے کے کارخانے میں جہاں پرزے ڈھلتے ہوں گے کام کرچکا ہے۔

"کیوں کامریڈ؟ آپ زاؤستیپہ سے آرہے ہیں؟" دل نشیں انداز میں تانگ نے نئے ساتھی کے متعلق گفتگو شروع کی۔

"ہاں زاؤستیپہ سے"۔ اجنبی ساتھی کی آواز سے اور اس کی رفتار سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بالکل تھک کر چور ہوچکا ہے۔ وہ برابر یہی پوچھتا رہا کہ جنرل کے ہیڈ کوارٹر کا فاصلہ کتنا ہے۔ کیا بہت دور ہے ہیڈ کوارٹر؟۔ کیا ساتھ لے جانیوالے ساتھی کو پکا یقین ہے۔ دوسری طرف تانگ پر حیرت اور استعجاب کی کیفیت طاری تھی کہ یہ ساتھی آخر کس قسم کی رپورٹ لئے جارہا ہے، یا اور کون سی مہم ہوسکتی ہے جس کیلئے وہ یہاں آیا ہے۔ مگر وہ جانتا تھا کہ یہ سوال چھیڑنا نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کے سوالات کرنا اس کے دائرے سے باہر ہیں۔

"آپ ریلوے کے ورکشاپ میں کام کرتے ہیں؟"

"جی ہاں۔" اور فوراً نئے ساتھی نے تانگ کے بازو پر بندھے ہوئے بلّے پر نظر کی، لال پٹے پر پیلے رنگ کا ستارہ ٹنکا ہوا تھا۔ مگر بارش اور دھوپ سے وہ اتنا بے رنگ ہوچکا تھا کہ پٹے اور ستارے کا رنگ پہچاننا مشکل تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ "آپ سب لوگ ہر وقت وردی میں رہتے ہیں۔ میں جہاں سے آرہا ہوں، وہاں تو ہمیشہ ہڑتال سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمارے پاس تو ہڑتال ہی ایک ہتھیار ہے، آجکل سارے کارخانے بجلی کا جنگلہ لگا کر گھیر دیے گئے ہیں، تاروں میں بجلی دوڑتی رہتی ہے، اور چاروں طرف خندقیں ہیں جنہیں مشین گنیں چلانے والے رات دن بیٹھے رہتے ہیں جاپانی سپاہیوں کی شکل آگئی ہے۔ وہ ہم میں سے کسی آدمی کو توڑ لینے یا اسے اپنے

کام نکالنے کی جرات بھی نہیں کر سکتے "

اتنے میں ہیڈ کوارٹر سامنے آگیا، جس پہ لال پرچم لہرا رہا تھا۔ سنّے ساتھی نے جھنڈے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے ہیٹ اتارا تو اس کی آنکھیں فخر و ناز سے دیکھنے لگیں۔

" یہ ہے ہمارا ہیڈ کوارٹر ——— ہے نا؟ "

" یقیناً ——— " بوائل تانگ کو اپنے ساتھی کے عمل سے ذرا تعجب ہوا کہ اپنا جھنڈا نظر آتے ہی اس نے کیسی مسرت کا اظہار کیا ہے۔ جیسے وہ جھنڈے کی مسرت کے سامنے دنیا بھر کی تمام باتیں یک لخت بھول گیا۔ مگر اس تعجب کے ساتھ ہی اُسے ایک طرح کا خوشگوار احساس بھی ہوا۔ اس نے محسوس کیا کہ جو کام وہ انجام دے رہا ہے وہ کتنا اہم کام ہے۔ اتنا اہم کام کہ اس لمحے تانگ کے دماغ سے رشتے کی بہن کا بھرا ہوا سینہ فراموش ہو گیا

" ساتھی! آپ کا اسم گرامی؟ "

جلدی سے بوائل نے اپنا نام بتا دیا، اور فوراً بڑی گرم جوشی سے اس نے داستان سنانی شروع کی۔ کہ ہم اور ہمارے ساتھی کن کن موقعوں پر دشمن سے لڑے اور دلیری سے لڑتے رہے۔ کاڈیانگ کے لمبے لمبے درختوں میں ہوا سرسرا رہی تھی۔ اور سرسوں کی پتیوں میں ہلکی ہلکی، دبی دبی آواز ہوتی تھی پہاڑوں پر باہر کے موسم میں جو پہاڑی پھول کھلے تھے ان کی مہک ہوا میں گھل مل گئی تھی اور فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے ہونٹ خشک ہوئے جاتے تھے، اور پیاس لگنے لگی تھی۔

" جاپانی سپاہی پنتاب کے تخم ہیں! کم بخت۔ ریچھ کی طرح بوجھل، اور احمق --- نھیں یہ خیال کہاں سے آیا کہ وہ ہماری پہاڑی پر چڑھ جائیں گے

ان کا کوئی جال یہاں کارآمد نہیں ہو سکتا۔ یہ بڑی بڑی بندوقیں مشین گنیں کیا خاک کام آئیں گی۔ اور بم ٹپکانے والے ہوائی جہاز کس کام کے ہ۔ ہمیں اپنا ڈھنگ آتا ہے۔ ہمیں اپنی پہاڑی کا ایک ایک چپہ، ایک ایک غار، اور چھوٹے سے چھوٹا راستہ معلوم ہے۔ روز بروز ہمارے ساتھیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ تم ہیڈ کوارٹر جارہے ہو۔ وہاں دیکھنا ایک نوجوان لڑکی بھی نظر آئے گی۔ تم سے اس کی باتیں بھی ضرور ہوں گی ہمیشہ وہ ہمیں لکچر دیتی رہتی ہے۔ مگر لکچر کے ساتھ اُسے گولی چلانی بھی آتی ہے، بالکل ایک سپاہی کی طرح نشانہ مارتی ہے، آجکل وہ ہمیں لکھنا سکھا رہی ہے، اور یہ بھی سمجھاتی رہتی ہے، کہ جاپانیوں کو بالکل نکال باہر کرنے تک ہمیں کیوں لڑتے رہنا ہے، اور کیوں یہ جنگ ضروری ہے۔» تانگ برابر بولتا رہا۔ یہانتک کہ اس کی زبان خشک ہوگئی ــــ

پھر اس نے بات چھیڑی ــــ «تمھیں یہ خبر بھی نہیں ہوگی کہ وہ لڑکی غیر ملکی ہے ــ مگر ہے وہ غیر ملکی، یعنی کوریا کی رہنے والی۔ کوریا کی انقلابی پارٹی کا لیڈر اس کا باپ تھا۔ لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ اسکا باپ شنگھائی میں مارا گیا ہے۔ معلوم نہیں کسی غدار نے مارا، یا جاپانی نے قتل کر دیا۔ چین میں اس نے تعلیم حاصل کی ہے»

جنرل کے ہیڈ کوارٹر کے دروازے پر سنتری کھڑا تھا۔ اس نے ان دونوں سے کئی سوال کئے۔ اور تنہا اجنبی ساتھی کو اندر روانہ کر دیا بوائل تانگ، سپاہیوں کی ایک اور ٹولی کی طرف چلا گیا، اور ان کے ساتھ ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔

سورج ڈھلتے ڈھلتے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔

لوہے کی لمبی لمبی پٹریاں لکڑی کے تختوں پر برابر برابر پھیلی ہوئی تھیں ــ خودرو گھاس کھیتوں کی فصل کی طرح بے حس وحرکت کھڑی تھی۔ تیس آدمی تھے اور کُل بیس بندوقیں ــ یعنی تین آدمیوں میں دو رائفل۔ ظاہر ہے کہ کافی نہیں

ہو سکتیں۔

سورج، چپکے سے اُفق کے اس پار سرک گیا۔ اور اس کو کسی نے چھیڑا ہی نہیں۔ "فولادی شکرا" آگے پیچھے ٹہل رہا تھا۔ اس کا پستول کلائی کے پاس بندھا ہوا تھا، اور تیز تیز نگاہیں اپنے ساتھیوں میں گھوم رہی تھیں۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ ہر آدمی کی تیاری اور اس کی پوزیشن ویسے ہے یا نہیں جیسے کہ اِس مہم کے لئے ہونا چاہئے۔ اور خاص طور سے اس پر نظر رکھنے کے لئے کہ بندوق کی نال اس طرح نہ رکھی ہو کہ دشمن بھانپ جائے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو ساتھیوں کی انگلیاں جل جائیں گی۔ اور اس سے بڑھ کر نقصان یہ کہ گولی ضائع ہو جائے گی۔

"ساتھیو! آرڈر کے لئے تیار ہو جاؤ" فولادی شکرا ہمیشہ اسی طرح بولتا تھا، مختصر، تیز اور کارگر جملے۔ اور جب وہ کمان کرتا تھا تو خود اپنے احکام کی جان بن جاتا تھا۔ بوائل تانگ کو اس سے کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔ مگر وہ فولادی شکرے کے ہر آرڈر کو توڑ کے بغیر مانتا تھا۔ انتظار کے عالم میں وہ کھڑا رہا، کھڑے کھڑے اس نے گھاس کی ایک پتی توڑی، اُسے دانتوں سے دبایا، اور تھوک دیا ریشے کی بہن ۔ ۔ ۔ ۔ کیسی پیاری ہے جیسے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

راستے کے دونوں طرف گھنے گھاس پھوس نے ان لوگوں کو پوری طرح چھپا رکھا تھا۔ انھوں نے اپنے ٹوپ اتار کر پھینک دیئے تھے، اور اپنے سروں کو گھاس سے چھپا رکھا تھا، تاکہ ہر طرف سے مکمل طور پر چھپے رہیں۔ ان لوگوں کے پاس بندوق نہیں تھی وہ اپنے آپ کو فالتو محسوس کر رہے تھے۔ لیکن انھوں نے بھی ڈلے اور پتھر اکٹھے کر رکھے تھے۔ جو ہاتھ میں لئے جا سکیں۔

"ابھی تک ان کا کوئی پتہ نہیں؟" دوسری طرف سے کسی نے پکارا۔
"ریل کی پٹریوں میں ابھی حرکت کے آثار نظر نہیں آتے۔"

- زہریلے ناگ! ذرا دیکھو تو مرنے سے پہلے بھی انھیں مذاق سوجھا ہے۔"
یہاں سے زاد شیبہ تک کوئی تلاشی کا فائدہ نہ ہوگا۔ حرامی بچے نشے میں مدہوش ہوکر یہاں آئیں گے جیسے کوئی سرکاری افسر ہوں۔ تم چاہے شرط لگالو، ان کے پاس کئی تسپیپنے کا بڑا سامان ہوگا ۔۔۔ ابلا ہوا گوشت ..... تین میں خشک گوشت ... مچھلی .... اور بہت سی شراب"،

ایک دم دور سے جانپ کی سیٹی کی غمگین صدا آئی۔ آواز صاف نہیں تھی۔ اور بہت دور سے بلند ہوئی تھی، مگر سیٹی کے ساتھ ہی فوراً ریل کی پٹریوں میں ہلکی سی جھنکار، اور سرسراہٹ پیدا ہوگئی۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ پٹریوں پہ گاڑی کے پہیے حرکت کر رہے ہیں۔ تھوڑے فاصلے پہ درخت کے بیچ سے سگنل کی جھنڈی ہلتی ہوئی نظر آئی۔

راستے کے دونوں طرف ڈھلوان پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ اور یہ درّہ قبر میں پہونچانے والی سُرنگ بنا ہوا تھا۔ بچنے کی کوئی راہ نہ تھی ۔۔۔ فولادی شکرا، پٹری کے بازو میں آگے بڑھا اور اپنے آدمیوں کے سامنے آیا جو تختے کیطرح گھانس میں پھیلے ہوئے تھے۔ سیٹی اس نے ہونٹوں میں دبا رکھی تھی۔ اب اس کا بھرا ہوا پستول کلائی میں نہیں لٹک رہا تھا بلکہ وہ اسے مضبوطی کے ساتھ نال کیطرف سے اوپر اٹھائے ہوئے تھا۔ جیسے جیسے ریل کی پٹریوں کی جھنکار بڑھتی گئی، ویسے ہی گھات میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کے جبڑے اور بھینچ گئے، آنکھیں زیادہ گڑ گئیں اور ابلنے لگیں۔ انھوں نے بڑی بڑی تلواریں اس زور سے پکڑیں کہ ہاتھ تھرتھرانے لگے ۔۔۔ سانس رکنے لگے ۔۔۔ مگر عجیب بات ... ... یہ ان کے لئے کوئی پہلا معرکہ تو ہے نہیں۔

شام کی سہانی خنکی میں ایک شور بلند ہوا۔ خوفناک شور، دہاڑ، گونج، اور ایک لمحے میں جیسے ہی گونجتی ہوئی سیٹی بلند ہوئی فوراً ٹرین دوسری طرف لڑھک گئی، اور اس طرح پلٹی جیسے کوئی بڑا سانپ چوٹ کھا کے پلٹتا ہے۔ گاڑی کے پہیے اب بھی بے بسی کے عالم میں پڑے ہوئے گھوم رہے تھے۔ اور ان پر جو ناگہانی آفت نازل ہوئی تھی اس کے مقابلے میں چکر لگا رہے تھے۔

گھبراہٹ جلد ہی ختم ہو گئی۔ ٹوٹے ہوئے کباڑ میں ابھی بہت سے سپاہی پڑے تھے، جن کی جان سلامت تھی۔ یہ کٹھ پتلی حکومت کی فوج تھی جو نزاؤ شیہہ سے ینگ چوان ہب پڑے ہوئے جاپانی سپاہیوں کے لئے گاڑی میں رسد بھر کر لئے جا رہے تھے۔ رسد میں کھانے پینے کا سامان، گولہ بارود، اور شراب وغیرہ بھی تھی۔

"شکریہ، جناب کا بہت بہت شکریہ! آپ کو ہم تک یہ بندوقیں پہونچانے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی" فولادی شکرے نے بڑے طنز سے یہ جملہ کہا۔ اور اسکی آنکھیں اِدھر اُدھر گھومنے لگیں، اسکا پستول پھر یک بار کلائی میں لٹک گیا۔ تمام زخمیوں نے بھورے رنگ کی وردی پہن رکھی تھی۔ انھوں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے "فولادی شکرے" کو آواز دی۔

"کمانڈر! میں تمھیں پہچانتا ہوں۔ آج دوسری بار تم نے مجھ سے میری رائفل رکھوائی ہے۔ بہتر ہے کہ اب تم ہمیں جانے ہی دو۔ اب کی بار ہم تیسری رائفل تمہارے لئے لے کر آئیں گے۔ یقیناً تیسری بندوق۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ لوگ! ہم آپ میں سے کسی کو مار ڈالنا یا زخمی کرنا نہیں چاہتے، ہمیں جو کچھ کرنا تھا اس کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا۔

اور ہمیں لازمی طور پر یہ سب کچھ کرنا پڑا۔ آپ سب لوگوں کو ابھی ابھی جانے کی اجازت دیدی جائے گی۔"

جب سارا کام نمٹ چکا تو صرف ان کے کمپنی کمانڈر کو پھانسی دیدی گئی اور جب "فولادی تشکرے" کے ساتھی اپنی قیام گاہ کو واپس ہونے لگے تو ایک کی کمر میں ڈو، ڈو، ڈو رائفلیں بندھی ہوئی تھیں۔

وہاں کیا پڑا رہ گیا؟ ——— شراب کی ٹوٹی پھوٹی بوتلیں۔ استعمال شدہ نکمے کارتوس، اور ایک بڑی سی ریل گاڑی — جو ایک پہلو پر لیٹی ہوئی تھی۔ ریلوے انجن کے بوائلر سے ابھی تک آگ اچھی طرح نہیں بجھی تھی۔ مگر اب اس میں سے پہلے جیسے دھوئیں کے بقے بھی نہیں نکل رہے تھے۔ فضا میں اگر کچھ آوازیں سنائی دیتی تھیں تو وہ ان زخمی سپاہیوں کی چیخ و پکار تھی جو اس بری طرح زخمی ہوئے کہ وہاں سے اٹھ بھی نہ سکے۔

"ان حرامزادے بدمعاشوں کو ہمیں یہاں ڈال کر کیا ملا؟"

"یہ ہمیں جاپانیوں کی بات ماننے کا صلہ ملا ہے۔"

"ارے یہ کس کی آواز ہے؟ اوہ! تم ہو۔ تم ہو نا؟ ہائے ہائے۔ میری تو ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔"

"دیکھو اب یہ جان بچانے والا دستہ کب آتا ہے۔ یہ ہڑبڑانے والے فوجی ڈاکٹروں کی ٹولی کو کیا ہو گیا۔ ان میں سے ایک کے سینے میں بھی دل نہیں ہے۔ بدمعاش کہیں کے۔"

"ہائے! ہائے ہائے! کب تک یہاں ایسے ہی پڑے رہیں گے۔ مجھ سے تو کروٹ نہیں لی جاتی— ہلا بھی نہیں جاتا مجھ سے — کولھا غارت ہو گیا میرا۔ یہ کمبخت چھاپہ مار بڑی گندی حرکت کرتے ہیں۔ ان سب کو تو گھیر کر مار ڈالنا

چاہیئے۔ ہائے ہائے "

"اس کی ماں کا . . . . . ! یہ بیرز میں سے شراب کی بھبک آ رہی ہے کمبخت ہمارا کمانڈر بھی کیا آدمی تھا، رات عورت کے ساتھ بسر کرتا تھا، اور دن بھر پڑا سوتا تھا۔ جدھر سے گزر جاہو دیکھ لو، اب وہ بالکل چیت پڑا ہے۔ تم نے اُسے اسوقت دیکھا جب وہ والینٹیروں کا کمانڈر اسے گولی مارنے والا تھا۔؟ اس نے گولی لگنے سے پہلے اپنا سر زمین پر پٹخ دیا، اور چوہے کی طرح زمین پر لوٹنے لگا۔ جب وہ ہمیں ڈانٹ پلاتا تھا، اور اکڑ فوں بتاتا تھا، اسوقت کا ذرا خیال کرو، کتنا بدل گیا تھا کمبخت۔ سچ کہتا ہوں . . . . . "

"سپاہیوں میں ایک معمولی غریب سپاہی کی حیثیت ہی کیا ہے۔ جہاں جاتا ہو وہی غریب گھٹیا آدمی رہتا ہے "

تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے مگر انکی آواز رفتہ رفتہ گھٹتی جا رہی تھی۔ باسی شراب کے بھبکے ہر چیز پر چھائے ہوئے تھے۔ سپاہیوں میں جو لوگ زخمی ہونے سے بچ گئے تھے، اور جنھیں چھاپہ ماروں نے زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ دیا تھا، وہ اب شراب کی بوتلیں، مچھلی اور گوشت کے ڈبے لئے ہوئے کاؤنٹ کے دالان میں جا گھسے تھے۔ وہاں پڑے ہوئے کھا رہے تھے۔ وہ آپس میں باتیں بگھار رہے تھے۔ ذرا ذرا دیر بعد کسی نہ کسی کو ان بدبختوں کا خیال آتا جو ریل کی پٹری کے پاس پڑے ہوئے تھے۔ وہ سوچتا کہ ان میں سے جو لوگ کھا سکتے ہیں، اور جنکا معدہ سلامت ہے، انھیں بھی کچھ نہ کچھ شراب اور تھوڑا بہت کھانا دیدینا چاہیئے۔

"اگر انھیں تکلیف ہو، درد ہو رہا ہو تو بہتر یہی ہے کہ کم سے کم کھاؤ۔ بڑا اچھا موقع ملا۔ آگے کام چلانے کے لئے یہ عمدہ کھانا بہت مفید رہے گا۔ تم تو جانتے ہو کہ یہ سارا

کھانا وغیرہ دوسرے نمبر کے جاپانی افسر ہز ایکسیلنسی کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اور اب ایک معمولی سپاہی کے کام آرہا ہے۔ کیا خوب!"

"ارے چھاپہ ماروں کا کیا ہوا؟ میں تو موقعۂ واردات پر موجود نہیں تھا تاکہ خود ساری بپتا دیکھ سکتا۔ ہاں مگر شرط لگاتا ہوں، ان لوگوں کو لوٹ میں بڑا سامان ہاتھ آیا ہوگا؟"

"نہیں نہیں! انھوں نے کچھ نہیں لیا۔ یہاں تک کہ ایک سگرٹ کے ڈبے کی بساط تھی، وہ بھی انھوں نے نہیں اٹھایا۔ اس بات میں تو ان لوگوں کا احترام کرنا پڑیگا، انھوں نے اگر لوٹا ہے تو وہ گولی، بارود، اور بندوقیں، ان جوانوں میں سے کچھ کو تو میں پہچانتا ہوں ہم اور وہ ساتھ کے سپاہی رہے ہیں۔ سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ دوستی کے قابل ہیں۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ قلاش اور مفلس ہیں یہانتک کہ ہمیں سے کچھ لوگوں کے پیر میں جوتا بھی نہیں تھا۔ تاہم ہیں یہ انسان"

سپاہی باتیں کرتا جاتا تھا اور جی کھول کر سگرٹ پی رہا تھا۔ اس نے ہر ایک زخمی کے سامنے کھانا رکھ دیا جن لوگوں نے سگرٹ مانگی انھیں سگرٹ اور دیاسلائی بھی دیدی۔ مگر شراب کسی کو نہیں دی۔

ان میں سے ہر شخص کو اس بات کی خوشی تھی کہ مزے اڑانے کا ایک موقعہ تو ہاتھ آیا۔ اور کسی کو یہ فکر نہیں تھی کہ کہیں چھاپہ مار پھر نہ آدھمکیں۔ کیونکہ ہر شخص جانتا تھا چھاپہ مار کبھی عام سپاہیوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ دو چار کپڑے لتے وہ شکستہ سامان کے ڈھیر سے اٹھا لائے، اور کاؤنٹر کے نیچے صفائی وغیرہ کرکے اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اسکے بعد انھوں نے اپنے دیہاتی جنتا گیتوں کی لے چھیڑی۔ ان کی روح رقص کرنے لگی، سوکھے گوشت کے خالی ڈبے، اور شراب کی خالی بوتلیں انھوں نے پہاڑی پر پھینکنی شروع کردیں۔ چنانچہ دریے کے برابر سر اٹھائے کھڑی تھیں خالی

خالی ڈبے اور بوتلیں اس لئے چٹانوں پر پھینکی گئیں کہ ان کی صدائے بازگشت پیدا ہو اور جب وہ وادی میں دوسری طرف لڑھکیں تو ان کی آواز سے پھر ایک گونج پیدا ہو۔

"ہماری عورتوں کے بارے میں گیت گاؤ لارک! آج کل جب ہماری راتیں ان سے اتنے فاصلے پر گذر رہی ہیں تو وہ کس سے اپنے پہلو گرم کرتی ہوں گی؟"

سپاہیوں میں سے ہر ایک نے گھر کی یاد کے ساتھ ایک آہ سرد بھری، اور ایک سپاہی نے جسے وہ لارک کہہ کر پکارتے تھے، گانا شروع کیا۔

"رات کا پہلا پہر ہے، چاندنی پھیل چکی ہے۔
چاند نکل آیا ——— مگر میرے چاند! میرے پی!
تم کیوں نہیں آ جاتے؟
جب کوئی سپاہی جانے لگتا ہے تو
ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے گئے ہوئے تین برس بیت گئے۔
مجھ دکھیاری سے جدائی کے یہ تین سال کیسے سہے جائیں گے۔
ہائے! ہائے! ہائے!

رت کا دوسرا پہر ہے، چاندنی پھیل چکی ہے
ہائے افسوس، میں نے ایک سپاہی سے کیوں بیاہ کیا
جوان سپاہی بھی ایک دریا ہوتا ہے
کہ سمندر کا رخ کئے ہوئے
ہمیشہ بڑھتا چلا جاتا ہے ـــ دور، اور دور،

اور پھر میری آغوش میں واپس آنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

"ہاں — ! اب تیسرا بند ہو جائے۔ تیسرا بند سناؤ!" گانے والے نے جیسے ہی دم لیا لوگ شور مچانے لگے۔ "اب تیسرا بند سناؤ" ان میں سے ہر شخص کو دل ہی دل میں اپنی اس بدقسمتی پر غصہ آ رہا تھا کہ مقدر اُسے اپنے گھر سے اتنی دور کھینچ لایا۔"

"اور وہ رات کا تیسرا پہر آیا۔

چاندنی پورے جوبن پر ہے۔

تانے بانے بنتی ہوئی لڑکی۔

ندی کنارے کھڑی دُودھ جیسے سفید اور کھلے ہوئے راستے کو تک رہی ہے۔

نوجوان — ندی کے اس پار تن تنہا کھڑا ہے۔

جیسے دونوں دو دیوتا ہیں۔

جن کے ملنے کی باری سال میں صرف ایک بار آتی ہے۔

مگر سپاہی — اور اس کی بیاہتا کو

ہزاروں خزاں کے موسم گزارنے پر ایک بار بھی ملنا نصیب نہیں ہوتا۔

رات کا پچھلا پہر ہے۔

اور چاندنی پھیکی پڑنے لگی ہے

کیا سپاہی اور اس کی بیتی کو خواب میں بھی گلے لگنا نصیب نہ ہوگا؟

بچے کی چاولوں سے خالی پلیٹ نے

تمھیں گھر سے اتنی دور جانے پر مجبور کر دیا۔

دو محبت کرنے والے
ایک دوسرے سے ایسے بچھڑ گئے۔
جیسے مشرق سے مغرب دور ہے اور
ملنے سے مجبور۔"

لارک نے گانا بند کر دیا۔ اس کا خیال اور اس کے دل کا گہرا درد اب اس منزل پر تھا کہ لارک کا گلا رُندھ گیا۔ ریل کی پٹری کے کنارے جو زخمی گھاس پر پڑے تھے، انھوں نے غصے میں اسے گھورنا اور ڈانٹنا شروع کر دیا۔

"او بدمعاش! تمہارے جی میں کیا سمائی ہے؟ کیا مار ڈالوگے ہم سب کو —؟ کچھ اور گاؤ۔ یہ نہیں۔ کوئی خوشی کا گیت گاؤ۔ جن سے ذرا جان پڑے۔ ایسے گیت مت چھیڑو کہ ہم چیخ اٹھیں۔"

"نہیں، نہیں، لارک، تم گائے جاؤ۔ ہاں تو جب رات کا بالکل آخری پہر آیا تو... تم آگے گاؤ تو سہی"

"ساتھیو! اب میں پانچواں بند اٹھاتا ہوں۔ ممکن ہے کہ اس وقت تک امدادی دستہ یہاں پہونچ جائے" اور یہ کہتے ہوئے اس نے پھر گانا شروع کیا۔ مگر اب اس کی آواز بھرّا گئی تھی، اور ایک درد ٹپک رہا تھا۔

"اور جب پانچواں پہر آتا ہے۔
تو چاند پچھم کے آسمان میں اٹک جاتا ہے۔
دنیا میں کوئی ہے ایسا آدمی۔
جس نے سپاہی کی مصیبتوں کا اندازہ کیا ہو؟
اگر سپاہی معرکہ جیت لے تو
برابر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے

اور اگر لڑائی ہار جائے۔
تو اس کی ہڈیاں میدان میں چکنا چور ہو جاتی ہیں۔
اس کی ہڈیاں خاک میں مل جاتی ہیں۔"

"اس کی ماں کی .... تو پھر آخر ہم کیوں لڑ رہے ہیں؟" یہ سوال انہیں سے ہر ایک کے دل میں جا کر رہ گا۔ جیسے یہ سوال وادی کے اس پار بہت سے دنوں سے لگ چکا تھا، اور بغیر کسی جواب کے فضا میں منڈلا رہا تھا۔ لوگوں کے شعور میں اس سوال نے یہ رائے قائم کی کہ ایسی زندگی بالکل بے حاصل ہے۔

فاتح جپا یہ مار فتح کے زور سے تھکے ہوئے تھے۔

"ساتھیو! یہ تمام رائفلیں تقریباً نئی ہیں، کبھی تمہیں اب سے پہلے ہم میں سے کسی کے پاس رائفلیں ملی ہیں؟ — "کیا یہ سب اچھی جانتے ہیں؟ بہت اچھے واپسی پر ہم ان کی جانچ پڑتال کریں گے؟ وہ جو اس کیپٹن کے کتے کے پاس پستول تھا وہ کس کے پاس ہے؟" فولادی شکرے کی آواز صاف اور بلند تھی۔ اندھیرے میں اسکے جسم کا تناؤ۔ اور اسکا سپاہیانہ انداز ہمیشہ سے زیادہ بلکہ دوگنا نظر آرہا تھا۔ گویا اسے اپنے بارے میں اسوقت کچھ زیادہ یقین ہے۔ دستے کے آگے آگے وہ قدم مارتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اور اپنی فوجی سیٹی سے کبھی کبھی نغمے کی سی ایک ہلکی آواز پیدا کر دیتا تھا۔

بوائل تانگ نے ریوالور کے دستے کو تھپکا، ریوالور بڑے اطمینان سے اس نے لباس کے اندر چھپا رکھا تھا۔ وہ زبان سے کچھ نہیں بولا، فوجی دستے میں کسی شخص کو اپنی بندوق سے بڑھ کے کوئی چیز بھی عزیز نہیں تھی۔ اور پستول پا جانا تو کچھ اور پانے سے کہیں زیادہ مشکل بات تھی۔

"خیر! پستول بھی کوئی بہت بڑھیا نہیں ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ یہ

پستول ہے" فولادی لشکرے نے کہا۔ خواہ مخواہ کی بحث ذکرا میں وہ پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اسوقت وہ ایسی فوج میں تھا کہ اپنے باقی تمام ساتھیوں سے زیادہ خوشی اسی کو ہو رہی تھی۔

"تم لوگوں نے سنا؛ اس سپاہی بھائی نے کیا بات کہی ہے۔ کہنے لگا کہ میں آپ کے لئے تیسری رائفل لے کے آؤں گا"

"کمانڈر!" قطار کے اس سرے سے کسی نے آواز دی، "تم نے کیپٹن کو موت کی سزا کیوں دی؟ کیا ہم سب بھائی بھائی نہیں ہیں؟"

"اُسے اس کتے کو جان سے مار ڈالنے کے سوا، اور کوئی صورت نہیں تھی۔ بھائی تو حقیقتاً بھائی ہوتے ہیں۔ ہمارے جنرل نے یہ بات خود صاف طور پر اور واضح الفاظ میں ہم کو سمجھائی تھی کہ نیچے کے سپاہیوں کو اپنے جیسے معمولی سپاہیوں سے نہیں لڑنا چاہئے۔ جاپانی سپاہیوں کے معاملے میں بھی یہی اصول بنا جاتا ہے۔ اگر ہم کسی جاپانی سپاہی کو بھی گرفتار کرلیں تو لازمی طور پر ہم اسے مار نہیں ڈالیں گے۔ حالات کو دیکھنا ہوتا ہے۔ مگر جو لوگ افسر ہوں انھیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

راستے کے ایک طرف "رشتے کی بہن" کا گھر پیچھے چھوٹ گیا۔ اس چھوٹی سی کوٹھری سے کسی قسم کی آواز نہیں آرہی تھی۔ کوٹھری بالکل تاریکی میں تھی۔ بوائل کا گلا جیسے بندھ گیا۔

جیسے جیسے انھیں سنتری کے سامنے سے گزرنا پڑتا، وہ انھیں ٹوک دیتا اور وہ اجازت کے الفاظ ادا کرکے آگے بڑھ جاتے تھے۔ آخری سنتری کے بکس پر انھیں ایک سوال نے روک دیا — "کمانڈ؟" — اس سوال کے ساتھ انھیں آواز آرہی تھی کہ حفاظت کے خیال سے جو انتظامات رکھے گئے ہیں وہ سنتری کی بندوق سے ہٹائے جا رہے ہیں۔

" فتح " جواب ملا۔

" بعد کا لفظ ؟ "

" فولاد "

ریت کی بوریوں سے جو رکاوٹ کھڑی ہوئی تھی ان کے پیچھے کے گڑھوں سے ایک آدمی اوپر چڑھا، ان کی لال ٹینوں کی روشنی میں ایک دوسرے کا چہرہ اب صاف نظر آنے لگا تھا۔

" کون ؟ کمانڈر تیہہ ؟ "

" اُدہوہ ——— کامریڈ سنیاؤ منگ " فولادی تنکرے نے سامنے کے آدمی کو پہچانتے ہوئے جھٹ سے جواب دیا ——— " تم تو بڑی جلدی چلے آئے۔ جنرل کو یقین تھا کہ جس کام سے تم گئے ہو، اسمیں کامیابی ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے اور مدد نہیں بھیجی، اور مجھے حکم دیا کہ میں یہاں تم سے ملوں " کامریڈ نیاؤ منگ نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ، فولادی تنکرے سے مصافحہ کیا، اور دونوں سلام کئے بغیر ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ اور خوب گلے ملے۔ اسکے بعد نیاؤ منگ نے فولادی تنکرے کے سپاہیوں کو ناکے سے گزرنے کا راستہ دے دیا۔ جو ایک مہم سر کرکے آرہے تھے لیمپ کی روشنی دھندلائی ہوئی سی تھی، مگر اسمیں بھی نیاؤ منگ نے ان لوگوں پر اپنی دوستی، محبت اور تعظیم کے جذبات نچھاور کر ہی دیئے۔ کہیں کہیں کسی کسی آدمی پر خون کے دھبے نظر آتے تھے۔ گویا فتح کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔

نیاؤ منگ کے دل سے آہ اٹھی، مگر دل ہی میں گھٹ کر رہ گئی، کیوں کہ اسے خیال آیا " یہ فتح ہے "

تیو اور آی سنتری کی ڈیوٹی سے واپس پہاڑی کے ڈھلان پر آگئے تھے انھوں نے بھی فتح کی خبر سن لی۔ آی تو خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو گیا۔

"شیاؤ منگ دیکھا تم نے یہ لوگ کتنی بندوقیں مار کے لائے ہیں۔ اب تو ہم میں سے ہر ایک کو، دو دو، تین تین مل جائیں گی۔ ہے نا؟"

مگر دراز قامت تبو کو رائفل کے قصّے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ اُس نے شیاؤ منگ سے سوال کیا

"جس گاڑی کو انھوں نے گرایا ہے، کیا یہ رسد اور خوراک کی گاڑی تھی؛ اگر خوراک کی تھی تب تو یقینًا انھوں نے بڑے مزے اڑائے ہوں گے، کیک بسکٹ کا بھرپور کھانا۔ خشک سامان اور شراب خوب ملی ہوگی۔ ہائے کاش میں کسی جاپانی سپلائی کی گاڑی کا گارڈ ہوتا!"

اور جو لوگ کھوہ کے اندر غنودگی کے عالم میں پڑے تھے، شور سن کر جاگ اٹھے۔ دوسرے پہرے پر جن سنتریوں کی ڈیوٹی تھی وہ اپنی اپنی ڈیوٹی پر بھیج دیے گئے گھاس پر شبنم کے موٹے موٹے قطرے پڑے تھے، مگر شیاؤ منگ کے دل میں تو کچھ گدگدا تھا وہ ہلکے سے غار کے باہر سرکا تاکہ غار کے دہانے کی کچھی کچھی سی فضا میں کھڑا ہو جائے، اوس کی وجہ سے اسکے جوتے بھیگ گئے، اور پاؤں ٹھٹھرنے لگے۔ مشرق کی طرف آسمان پر چھوٹے چھوٹے بادل کے نیلگوں ٹکڑے پھیل چکے تھے۔ ایک سو پچاس قدم کے فاصلے پر درختوں کے تنے اب بھی دھندلائے ہوئے تھے۔

بہت دُور فاصلے سے بھونپو کی بولنے کی آواز آ رہی تھی جو صاف سنائی نہیں دیتی تھی۔ کیا یہ حملے کا خطرہ بتانے کا بھونپو ہے؟ یہ بار بار ابھرتی ہوئی اور ڈوبتی ہوئی آواز کس قسم کی ہوگی؟ بادلوں کے ہلکے سے پردے کو چیرتا ہوا ایک ہوائی جہاز فضا میں گھر آیا، ہوائی جہاز شیاؤ منگ کی نظر کے سامنے تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ اسے یقین ہوگیا، اور اس نے جلدی جلدی رپورٹ درج کر لی۔ اس کے بعد دراز قامت تبو کو ٹھوکر مار کر خواب غفلت سے جگا دیا۔

"آیو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اور آنکھیں ملتے ہوئے اس نے پوچھا "کیا معاملہ ہے؟"

"لو! یہ رپورٹ لے کے ہیڈ کوارٹر دوڑ جاؤ! جلدی کرو!"

"آخر! ایسی کم بخت جلدی کیا پڑی ہے؟"

"حملہ ہونے والا ہے"

آیو کو اس کا یقین نہیں آیا۔ اس نے اپنی سیاہ گردن اور اکڑا لی۔ "اچھا تو لی کو بھیج دو"

"نہیں نہیں — میں چاہتا ہوں تم جاؤ۔ تمہیں جانا پڑے گا۔ لی سے مجھے یہاں کام ہے۔ جلدی سے اٹھو۔ اور فوراً چل دو"

"اچھا، اچھا۔ جاتا ہوں۔ مگر یہ بتاؤ کہ کیا مجھے یہیں واپس پہنچنا ہے"

"ہاں یقیناً یہیں! اور اگر جنرل کی طرف سے کوئی حکم ملے۔ تب تو واپسی میں بہت جلدی کرنا"

آیو نے اپنی رائفل اٹھائی اور غار سے باہر رینگ آیا۔ اس نے جو ہوائی جہاز کے گھرانے کی آواز سنی تو اسے ایک خلا کا سا احساس ہوا۔ جیسے اب ادھر ادھر بم ٹپکنے لگیں گے، اور ہر چیز کا خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ درختوں کے سائے میں تیزی سے قدم بڑھانے لگا۔ کبھی کبھی وہ اپنا سر نیچے ڈال لیتا اس انتظار میں کہ دیکھئے اب ہوائی جہاز کدھر جاتا ہے۔ ایک تن تنہا آدمی کو یہ خطرہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ بموں سے بھرا ہوا جہاز اسے دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑیگا۔ مگر اصل میں آیو کو تو جنرل کے ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ پہنچانی تھی۔ اور وہ بھی جتنا جلد سے جلد۔ آیو جن دنوں باقاعدہ فوج میں نوکر تھا۔ اور اسے وہاں دشمن کی نظر سے بچنے کا گر سکھایا گیا تھا اس نے یہاں ایسے موقع پر اس گر کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا اور بچتا بچاتا نکل گیا۔

"خدا محفوظ رکھے ... انقلاب کی دیوی مجھے ہر بلا سے محفوظ رکھے ..."

اس قسم کی دعائیں اور امیدیں تھیں جنھوں نے آیو کے احساس میں ایک توانائی پیدا کی اور وہ خلا سے نکل کر ٹھوس حقیقت کی فضا میں آ گیا۔

" ہے یہ بھی ایک غلطی...... یہی انقلابی بن جانا۔ یہ بھی اتنا ہی بڑا خطرہ ہے جیسے باقاعدہ فوج میں بھرتی ہو کر مول لینا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر خطرہ — دھت تیری ماں کی...... ہر صورت میں جان کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے" آیو کو افسوس ہوا کہ میں نے آی کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے کیوں نہ تیار کیا — اس آدمی میں ہمت اور دلیری ہے۔ ویسے تو مجھے ڈر نہیں لگتا۔ لیکن آی بھی ساتھ ہوتا تو کیا بات تھی۔

وہ دل ہی دل میں سوچتا رہا "میں بھی زندگی بھر سپاہی رہا ہوں۔ سپاہی بنے بنے ساری زندگی کٹ گئی مگر آج تک ایک بیوی بھی نصیب نہ ہوئی۔ اور اب انقلاب کے ساتھ کھڑا ہوں۔ میری تو آرزو ہے کہ انقلاب کا کام ختم ہوتے ہی ہر آدمی کو ایک ایک بیوی ضرور ملے۔ اور ہمیں اس کے لئے روپیہ پر گرنا نہ پڑے۔ اس کی ماں کی ... یہ ہوائی جہاز اگر اوپر سے ایک انڈا چھوڑ دے تو بس میرا صفایا ہو جائے"

اس قسم کے خیالات بجلی کی چمک کی طرح اس کے دماغ میں ہزاروں بار آتے جاتے رہے۔ مگر اس کی آنکھیں پوری ہوشیاری سے اس کی رہنمائی کرتی رہیں۔

چوتھا باب

شب خوں

"پسپائی بالکل لازمی ہو چکی ہے"

"ایسا کیوں کہتے ہو۔؟" یہ جمیلہ کوریا والی لڑکی نے کہا جو جنرل کی میز کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ اور جہاں تک تیو کا سوال ہے۔ جو بات بھی وہ اس سے کہہ دے گی، اسکا وزن جنرل کے الفاظ سے زیادہ ہوگا۔ لڑکی کیا تھی ایک چھوٹا سا خوبصورت وجود تھا۔ اس کی آنکھیں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے ابھری ہوئی نمایاں پیشانی کے اندر دو سیاہ ہیرے چمک رہے ہیں۔ اور پیشانی سے اس کے جذبات اور رجحانات کی سختی اور ٹھوس پن ٹپکتا تھا۔ ایک بھری ہوئی پیشانی، جس کے کچھ حصے پر گھنے سیاہ بالوں کا گچھا پھیلا ہوا تھا۔

"صرف اتنا لکھ کر بھیج دو کہ — جیسے ہی یہ حکم ملے، پہلے کی تمام بچاؤ کی چوکیاں ختم کر دو، اور پیچھے ہٹ جاؤ۔ کوئی مناسب راستہ پکڑ کے چلے آؤ۔ دو بجے دن کو

اژدھا پنجہ پہاڑی پر پھر سب اکٹھا ہوتا ہے، ان سے کہہ دو کہ لوگوں کو خطرے کی گھنٹی نہ دیں۔ اور حکم نامے پر اس کے جاری ہونے کا وقت درج کر دو!"

بات کرتے وقت جنرل کے چہرے کا رنگ نہیں بدلا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے خیال میں یہ حکم اور یہ فیصلہ پہلے سے بسا ہوا ہے مگر وہ ان الفاظ کو ایسے چبا چبا کے ادا کر رہا تھا گویا ان کے ادا کرنے میں بڑی دشواری پیش آرہی ہے، اس کی نگاہ دور تک گئی، اور اس کے بعد فوراً مڑتے ہی اس کاغذ پر پڑی جس پر حکم نامہ لکھ کر تیار ہو چکا تھا۔

"بس ٹھیک ہے۔ میری مہر کے لئے ایک صاف ستھری نقل تیار کر لو" سب ملا کے پانچ حکم نامے کی نقلیں تیار ہو گئیں۔ اور ان میں سے ہر ایک پر یہ مہر ثبت کر دی گئی۔ "بحکم چن چو، جنرل کمانڈنگ۔ نواں دستہ۔ چینی عوامی فوج"

"ساتھی! حکم نامے کی یہ نقل لے جاؤ اور کمانڈر شیاؤ منگ کو دیدو"

"اور کچھ؟" اگرچہ یہ سوال کرتے وقت تیو بالکل ایک سپاہی کی طرح تنا کھڑا تھا، اور تمام آداب کا پورا اہتمام کئے ہوئے تھا پھر بھی دزدیدہ نظر سے وہ کوریا کی لڑکی کی حرکات دیکھتا رہا۔ یہ چیز کیا ہو سکتی ہے جسے وہ اتنے انہماک اور مصروفیت کے ساتھ ترتیب دے رہی ہے۔؟ قلم۔ کاغذ، وہ انھیں ایک چھوٹے سے کیس میں سیدھا سیدھا لگا رہی تھی۔

"نہیں اور کچھ نہیں! تم فوراً دوڑ جاؤ۔ ابھی ابھی!" یہ حکم اتنا دو ٹوک تھا کہ اس کے سامنے تیو کی پھر کچھ نہیں چل سکتی تھی۔ چن چو کمانڈر کی آنکھیں اس دراز قامت سائے کو برابر دیکھتی رہیں جب وہ بے توجہی کے ساتھ مڑا، اور چل دیا اس نے کوئی حجت اور تکرار نہیں کی اور نہ خیالات کے تانے بانے میں الجھا۔

"تیار ہو جاؤ! جیسے ہی سب سامان ڈھنگ سے لگ جائے تو فوراً اپنا

ریوالور سنبھال لو۔ ہمیں ایک دم یہاں سے اپنا کیمپ توڑنا ہے۔" لڑکی نے اس پر کچھ نہیں کہا۔

کمانڈر چن چو کی آنکھیں گڑی ہوئی تھیں، اور اس کی بھاری آواز ایسی معلوم ہوتی تھی گویا بہت دور گہرائی سے آرہی ہے۔ اس کی گردن میں سیٹی لٹکانے والا چمڑے کا تسمہ جھول رہا تھا، اور سیٹی بائیں طرف اس کے قمیص کی جیب میں پڑی تھی کہنی تک آستینیں چڑھی ہوئی تھیں؛ اور عادتاً اسکا ایک ہاتھ بار بار چمڑے کے تسمے کو کھینچتا تھا۔ کمانڈر کا ریوالور اس کے داہنے ہاتھ پر لٹک رہا تھا۔

موسم پر تاریکی اور اضمحلال کی کیفیت طاری تھی۔ صبح کے بادلوں نے آفتاب کو پوری طرح چھپا رکھا تھا۔ اسوقت تک کے لئے، جبتک کہ اندھیرا ناقابل برداشت نہ ہو جائے چنانچہ جیسے ہی بادلوں کے پردے میں سوراخ کر کے سورج ذرا نیچے جھانکنے کی کوشش کرتا فوراً کوئی اور بادل کالا کالا سا بادل بڑھ کر سوراخ کا منہ بند کر دیتا تھا۔ اسی طرح صبح کا کہرا کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ آسمان بارش کے لئے بالکل تیار تھا۔ اور کوٹھری کے زینے والے پتھر اتنے بھیگے ہوئے تھے کہ جیسے ان پر پانی پڑ چکا ہے

" ساتھیو! بس آدھ گھنٹہ اور ہے۔ فوراً تمام چیزیں تیار کر لو! تمھیں معلوم ہے کیا کیا چیزیں دفن کرنی ہیں۔ یہ کام تمھیں کوئی پہلی بار نہیں کرنا ہے، ان سب چیزوں کو اکٹھا کر لو، اور فوراً دفن کر دو، گاؤں والوں کو دہشت زدہ مت ہونے دو دیکھو! وہ کامریڈ شو چنگ تنگ پڑے ہوئے ہیں۔ انھیں کسی بھروسے کے گھر میں لے جاؤ۔" بوڑھے آدمی ہیں یہ۔ اور پھر بیمار بھی۔ دشمن نے اگر یہاں حملہ بھی کیا تو ان جیسے دکھی اور بوڑھے آدمی کو کیا دکھ دیں گے۔ اچھا بس اب تم سے رخصت آدھ گھنٹے میں سیٹی کی آواز سنو گے۔ اسوقت یہاں پر اکٹھے ہو کر تمھیں معائنہ کرانا ہے۔"

شو جینگ ننگ اس عمارت کے مشرقی بازو میں گہری نیند سو رہا ہے —— پہلی بار سب کے اکٹھے ہوتے ہی سیٹی بجی، تو سیٹی کی کڑک دار آواز سے وہ چونک اٹھا۔ اس نے تیز تیز قدموں کی آواز سنی، اور اسی کے ساتھ جنرل کی آواز بھی سنائی دی۔ جو بہت صاف تو نہیں تھی مگر تھی کافی بلند۔ خود اپنے بارے میں بھی شاید اس کے کانوں میں کچھ بھنک پڑی ہو۔

" یہ کیا ہو رہا ہے ؟ سب لوگ پسپائی کے لئے کدھر جانے والے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے جاپانی فوج کا حملہ شروع ہو گیا ہے۔ ہاں یہی بات ہے۔ ضرور حملہ ہوا ہے۔ وہ رات کو جو تمام رائفلیں چھین لائے تھے "

" ارے .... اور مجھے یہیں پڑا رہنے دیں گے ؟ تب تو جاپانیوں کے ہاتھ سے میں ضرور مارا جاؤں گا۔ اس گاؤں کے عورت مرد سب ہی چل دیں گے اگر رہے تو کم سن بچے اور بوڑھے۔ صرف میں پڑا رہ جاؤں گا — کچھ عورتیں، کچھ بچے اور میں "

تلخی اور کرب کی چبھتی ہوئی لہریں شو جینگ کے بوڑھے جسم میں دوڑتی رہیں

" ہائے! یہ لوگ مجھے چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ کیوں آخر ؟ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ مجھے اسی قابل سمجھتے ہیں کہ میں دشمن کی سنگین سے اسی طرح ختم کر دیا جاؤں " اسے سخت طیش آیا۔ اس نے سوچا۔ میں بھی اٹھتا ہوں، اور اپنی بندوق اٹھا کے، جدھر یہ جائیں گے میں بھی چل دوں گا، چاہے یہ لوگ پسند کریں یا ناپسند میں بھی انہیں دکھا دوں گا۔ لیکن اس نے جتنی بار اٹھنے کی کوشش کی ایک نہایت اعضا شکن درد بھی ساتھ اٹھا، اور آخر وہ تھک کر رہ گیا۔ اٹھنے کی ہمت جاتی رہی۔ اور بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر چیخنے چلانے لگا۔ اس کے بیکار جسم کی ہڈیاں کھینچنے لگیں اور تشنج کی سی کیفیت ہو گئی۔ باہر سے جاتے ہوئے قدموں کی چاپ

جس کے معنی تھے کہ وہ سب لوگ چل دیئے۔ ان میں سے اب کوئی یہاں نہ آئے ان میں سے اب کوئی مجھے اس حال میں پڑا ہوا نہ دیکھے ـــ ہائے کیا بے قدری ہے۔!

کیوں؟ بوڑھا آدمی آخر مرکیوں نہ جائے ــ یہی معقول صورت ہے ــ انقلاب کی راہ میں موت ہوگی، اور ایسی موت یقیناً میدانِ جنگ کی موت سے کم نہیں ہے اپنے طور پر اس نے خود کو سمجھانا شروع کیا، تاکہ اپنی نظروں میں وہ گرنے نہ پائے۔ مگر یہ باتیں بھی کب تک؟ اپنے دلیرانہ استدلال کے باوجود وہ غم واندوہ کے احساس میں ڈوبنے لگا۔ جسے کسی صورت ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔ اینٹوں کے فرش کی اس بے کیف فضا میں، جہاں وہ لیٹا ہوا تھا، ایک گندی اور بوسیدہ سی چٹائی بھی پڑی تھی۔ اس نے بوسیدہ چٹائی پر نظر ڈالی۔ فرش پر نگاہ دوڑائی۔ جدھر نظر پہنچی کچھ نہ تھا۔ سوائے اسکے کہ جانے والے اپنے ٹوٹے پھوٹے جوتوں کا کباڑ پھینک گئے تھے، اور نکمے خالی کارتوس بکھرے پڑے تھے۔ باہر سے ہنسی مذاق کی آوازیں آئیں اور بندوقوں میں کارتوس پڑھنے کی کھٹ کھٹ ہوئی تو اسکا سینہ جلنے لگا۔ اور ایسی جلن ہوئی جو اس سے پہلے زندگی بھر کبھی نہیں ہوئی تھی۔ گویا اسطرف کو کمرے سے یہ سب آوازیں اس کے سینے پر آرے کی طرح چل رہی ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ جن ساتھیوں کے ہمراہ وہ یہاں آیا تھا، اب ان میں سے کوئی بھی اس قہقہہ لگانیوالے ہجوم میں نہیں ہوگا۔ نتیاؤ منگ کو دیکھے ہوئے کئی دن گذر گئے تھے اس نے "لال بھبوکا" ساتھی کو کبھی دل سے پسند نہیں کیا۔ نوجوانوں میں اسے یانگ ژنگ یاد آیا۔ اور بڑھاپے کی تمامتر شفقت ومحبت کے ساتھ یاد آیا۔

"کہو کیسے ہو؟ کامریڈ شو"؟ "خواب کی ہلکی سی غنودگی میں تیوجینگ ننگ نے ایک گرم ہاتھ اپنے ماتھے پر محسوس کیا۔ اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ چین جو

کے چہرے پر نظر پڑی۔ اسکے بازو میں کھڑے ہوئے ایک اور شخص کی بھی شکل نظر آئی۔
ارے یہ تو وہی کوریائی لڑکی ہے۔ مگر شو کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا

"ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ جگہ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اب تم بتاؤ۔ تم کیسے ہو؟ میرا اپنا تو خیال یہ ہے کہ تمہیں یہیں چھوڑ جائیں۔ کوئی ایسا خطرہ تو ہے نہیں۔ ہم نے تمہارے لئے ہر قسم کا انتظام بھی کر لیا ہے"

غریب بوڑھا اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

کوریائی لڑکی نے اس کا ایک ہاتھ فرش سے اٹھایا، اور اپنی نگاہ کلائی کی گھڑی پر جمائی۔ شو جنگ تنگ نے بدن چھوڑ دیا۔

"نبض کی رفتار اب کتنی ہے کل کے مقابلے میں؟ چن چو نے سوال کیا۔

"اب تو کم ہے جنرل" کوریائی لڑکی نے آہستگی سے بڑے میاں کا ہاتھ فرش پر رکھ دیا۔

"اب ہم چلیں دوست ساتھی! تمہیں لے جانے کیلئے لوگ آجائیں گے ہم پھر ملیں گے، جلد بہت جلد"

شو نے دو سایوں کو خاموش نظر سے دروازے کے باہر جاتے ہوئے دیکھا۔ اور اب اسے سکون محسوس ہوا۔ دل ہلکا ہو گیا، اور تلخی دور ہو گئی۔ اب دیکھنا ہے کہ اٹھانے والے جو آئیں گے، یا اور جو کوئی آنے والا آئے گا وہ اس کی قسمت میں کیا لے کر آتا ہے؟

کمرے سے نکلتے نکلتے اتنا نے چن چو سے دبی آواز میں کہا "کل تو بڑے میاں کی نبض کی رفتار ۱۰۰ پر تھی، اور آج معلوم ہوتا ہے ایک سو دس سے بھی آگے نکل گئی ہے" چن چو کی آنکھیں ان جملوں کے ساتھ کچھ اور گہرائی میں اتر گئیں۔

بڑے میاں کو مریضوں کے پلنگ پر ڈال کر باہر لے جایا گیا۔ چن ٹو دروازے میں ہی پتھر کی سیڑھیوں پر کھڑا تھا، اور اس کی سیٹی ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی۔ صبح کے دھندلکے میں ابھی آفتاب کی کوئی کرن پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور آسمان گھٹا گھٹا سا اور بالکل نزدیک محسوس ہو رہا تھا، جنوب کی طرف بہت دور، دریا ایسے لہریں لیتا ہوا نظر آتا تھا جیسے کسی نے سیماب کا فتنہ پھیلا دیا ہو۔ "لوگوں کو ہوشیار مت کرو! آدھ گھنٹے میں گاؤں کے پچھم کونے کی طرف یانگ چنگ کاؤ کے مقام پر سب آ جائیں گے درختوں کی قطار کے برابر برابر نکل جاؤ۔ اور دیکھو خیال رکھنا ہم سب کو شیشم کے گھنے پودوں میں اکٹھا ہونا ہے۔ جاؤ!"

سب ملا کے صرف پانچ چھوٹے چھوٹے دستے تھے، چن ٹو نے ان سب کو آنکھ کے اشارے سے ایک ایک کر کے رخصت کر دیا۔ اور رخصت ہونے والے بھی شور و شغب کئے بغیر بڑے وقار کے ساتھ قدم مارتے ہوئے چلے گئے۔ چن ٹو نے ان سے فارغ ہو کر اپنی سیٹی منہ سے نکال کر پھر قمیص کی جیب میں ڈال لی۔ خود اپنے سامان میں اس نے ایک رائفل کا اضافہ کیا، رائفل اپنے کاندھے پر لٹکا کر وہ بھی روانہ ہو گیا۔ اس کے پیچھے اتا اور تین آدمی اور چل دیئے۔ لڑکی (اتا) کے پاس رائفل بھی نہیں تھی صرف ایک تھیلا اور پستول تھا۔ ایک دم سے ان کے سروں پر ہوائی جہاز گھرایا اور فضا میں چھائے ہوئے بادل پھٹ گئے۔ ہوائی جہاز کے نیچے گذرنے والوں نے سبک رفتاری کے ساتھ قدم ہوئے ہوئے رکھنے شروع کئے، اور اس طرح سڑک کے ناہنجار کنکر پتھر کو آہٹ پیدا کرنے کا موقع نہیں دیا۔

قصے کہانیوں میں جس خوفناک آتشیں سانپ کا ذکر آتا ہے، اسی کی طرح پسپائی کا حکم عام سپاہیوں کے دل و دماغ سے سنسناتا ہوا گذر گیا، اور ان کے دلوں میں کھٹ سے جا کر لگا، "پسپائی کا حکم دیا جا رہا ہے"۔

لیکن جو لوگ سمجھے ہوئے تھے، ان کے لئے پسپائی کا حکم کوئی خاص بات نہیں تھی۔ یہ بھی ایسی ہی معمولی بات تھی جیسے کہا جائے کہ حملہ کردو، ان پر اسکا کوئی اثر نہیں ہوا۔ نہ انھیں اضطراب ہوا نہ جوش آیا۔ البتہ وہ نئے نئے ساتھی جو ابھی اس فوج میں شریک ہوئے تھے تشویش میں مبتلا ہو گئے لیکن رفتہ رفتہ اس تشویش نے سکون اور یقین کی شکل اختیار کر لی، خوب سوجھ بوجھ کے ساتھ آئندہ کام کی تفصیلات طے ہوتی گئیں۔ اور جب ان نئے ساتھیوں نے ان تفصیلات کو سمجھ لیا تو ان کی بے قراری کو بھی قرار آ گیا۔

بڑے اطمینان سے لال بھبوکا نے اپنا پائپ سلگایا، اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے جب اُسے کئی کئی دن کش لگانا منع ہو جائے۔ بہتر یہی ہے کہ اسی وقت اچھی طرح پائپ کے کش لگالے۔ ابھی تو توقع ہے۔ تبو اپنا سر لٹکائے ہوئے کولھے کے بل بیٹھا تھا۔ اور اس کا سر ایک خلا میں گم تھا۔ اس پر اس بلا کی تھکن سوار تھی کہ کسی چیز میں بھی اب اسے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا۔ اپنی رائفل اٹھائی اور اسے زمین پر ٹکا کر سیدھا کھڑا کر لیا جیسے کسی بندر نے کھمبا پکڑ رکھا ہو

فوجیوں کے چھوٹے چھوٹے دستے محاذ سے بکھرے ہوئے واپس آرہے تھے۔ لیکن بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ، اور جستجو کرنے کے بعد بھی ان میں کہیں سے نفرت، غصے یا گھبراہٹ کی کوئی علامت نظر نہیں آتی تھی بعض کمپنیوں کے کمانڈر اپنی کمپنی کے آگے آگے آئے اور باقی لوگ پیچھے۔ آخری کمپنی 'فولادی تسکرے' کی تھی۔ وہ سب ساتھیوں کو سپاہیانہ سلام کرنے کے لئے مڑا: "ساتھیو!" اسکے بعد اپنی سیٹی کو ہونٹوں سے دبا کر بجاتے ہوئے وہ ایک تبسم کے ساتھ گذر گیا شیاؤ منگ نے اپنا ہاتھ بلند کیا، اس کی طرف ہلایا، اور رخصت ہونے کا اشارہ کیا۔

"کیا آدمی ہے؟ ذرا اس کے جتنے کو تو دیکھو! یہ ہے واقعی صحیح معنوں میں مرد۔ بلکہ جوانمرد۔" چھوٹے بھائی لی کو پہلے ہی سے فولادی ٹکڑا بہت پسند آ گیا تھا اور جیسے ہی ذرا موقع ملتا، وہ اس کی تعریف میں ایک آدھ جملہ کہہ ڈالتا "ہاں یہ ہے واقعی آدمی۔"

مورچے سے تمام دستے ہٹائے جا رہے تھے اور تسیاؤ منگ کی کمپنی کو یہ فرض سپرد تھا کہ وہ آخر تک وہیں ٹھہریں تاکہ ان کی حرکات پر نظر رکھ سکیں۔ ظاہر ہے کہ اسی فرض میں یہ بھی لازمی تھا کہ اگر دشمن کے اسکاؤٹ اس طرف آ جائیں اور ضرورت پڑ جائے تو ان کو وہیں ختم کر دیا جائے۔ اور اس طرح دشمن کے اسکاؤٹ کو ختم کرنے کی ذمہ داری بھی تسیاؤ منگ کی کمپنی پر آتی تھی۔ البتہ ایک شرط رکھی گئی تھی کہ دشمن سے بالکل سامنے کا مقابلہ نہ پڑنے دیا جائے۔

"کامریڈ لی!" تسیاؤ منگ نے حکم دیا۔ "تم اور کامریڈ لیانگ دونوں یہیں پیچھے ٹھہرو صرف پانچ میٹر پیچھے رہنا کافی ہوگا۔ تاکہ تم ناکے کا فرض بھی انجام دے سکو۔ اگر یہاں سے ہمیں کوئی وارننگ بھیجنے کی ضرورت آ پڑے تو تم تین بار اپنی بندوقیں داغ دینا۔

ہم گھات میں پہونچ جائیں گے۔

جیسے جیسے یہ سپاہی کاؤلیانگ کے کھیتوں کو پار کرتے گئے تسیاؤ منگ اور دوسرے لوگوں کا چہرہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوتا گیا۔ چھوٹا بھائی لی، اور لیانگ زنگ دونوں زمین پر سینے کے بل لیٹ گئے، اور اپنے آپ کو اس طرح دبا لیا جیسے لمبی لمبی گھاس میں چھپایا جا سکتا ہے، انھوں نے اپنی اپنی بندوقوں کی نال سامنے کی طرف کر لی۔ وہ ایک ذرا ابھری ہوئی زمین پر پھیلے پڑے تھے۔ جس کی مدد سے چاروں طرف کا علاقہ نظر میں رکھا جا سکتا تھا۔ یہ تنہا ایسی جگہ

تھی جہاں کاڈلیپانگ کے لمبے درختوں کے پتے ہموار شکل میں گھنے ہوگئے تھے۔

عقبی حصے میں ایک تنہا آدمی ان کی طرف دوڑتا ہوا آیا۔ یہ بوائل تانگ تھا۔

" کیوں ؟ " چھوٹے بھائی کی نے سر اٹھاتے ہوئے آواز دی " تم یہاں اکیلے کیوں دوڑ رہے ہو ؟ "

" مجھے ایک کام کرنا ہے "

" کیا کام ؟ "

" تمھیں بتانے کا نہیں ہے "

" نہیں مجھے پوچھنے کا پورا حق ہے۔ میں تمھیں یہاں سے گذرنے نہیں دوں گا " کی نے ذرا غراتے ہوئے کہا۔

" مذاق مت کرو میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے "

" تم رشتے کی بہن سے ملنے آئے ہو۔ ہے نا ؟ " کی نے اس چھوٹے سے گھر پر نظر ڈالی۔ جو دور کھیتوں میں دکھائی دے رہا تھا۔ " ہاں بھئی صحیح بات یہ ہے کہ اب اگر وہ اس جھونپڑی میں رہ گئی تو وہ محفوظ جگہ نہیں ہے، اور جاپانی سپاہی وہاں پہونچ گئے تو وہ اسے زندہ چبا جائیں گے۔ اسے جتنی جلدی ہو سکے گاؤں پہونچا دو۔ جاؤ۔ "

بوائل کو دور جھونپڑی کی طرف دوڑتے دیکھکر کی نے اپنے شانے ہلائے اور اپنی کمر کو اس انداز سے جھٹکا دیا کہ جیسے اس کے دل میں حیرت اور تعجب کی لہر آئی ہے۔ بوائل بھاگا جارہا تھا۔ پسینے سے اس کے کپڑے جسم پر چپک گئے تھے، اور وہ اپنی رائفل بھی پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

یانگ زنگ سکول کے بونڈے کی طرح چھیڑ خانی کرنے لگا۔ لی کی پسلی میں ٹھوکا دیکر اس نے کہا — "یار یہ چھوکرا ابھی عورت زدہ ہے۔ کچھ بھی ہو جائے اسوقت بھی وہی عورت اس کے دماغ میں بسی ہوئی ہے۔ جان کا خطرہ مول لے کر بھی وہ اس سے ملنے آ پہونچا"

"تم ابھی صاحبزادے ہو — یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی نہیں ہیں" لی نے اسکا ہاتھ دوسری طرف جھٹک دیا۔

جھونپڑی کا دروازہ بہت زیادہ سختی سے بند تھا۔ لیکن دروازہ کھولنے کی جلدی میں بوائل نے اس کی چولیں اتار پھینکیں۔ دروازہ کے اندر سے فوراً ایک ہڑبڑائی ہوئی سی آواز آئی — "کون ہے؟ — یہ دروازہ کون توڑے ڈال رہا ہے؟" — بچہ زور سے چیخنے لگا۔ ماں نے جلدی جلدی اسے تھپکی دی، اور اوٹ پٹانگ لوری سنانے لگی۔ اور جیسے ہی اسے محسوس ہوا کہ دروازے پر کوئی غیر نہیں، بوائل تانگ ہے۔ تو فوراً اسے تسکین ہو گئی۔ اور بچہ بھی چپ ہو گیا۔

اپنی دبی ہوئی آنکھوں سے عورت نے اس نوجوان کسان کو دیکھا — اس نے پوچھا — "کیوں تم چلے کیوں آئے؟ اگر کمانڈر کو اس حرکت کا پتہ چل گیا تو وہ پیٹتے پیٹتے تمہاری ہڈیاں توڑ ڈالے گا۔ صبح ہوائی جہاز ادھر آئے تھے دیکھے تم نے؟ جاپانی سپاہی آنے والے ہیں۔ کیوں ٹھیک ہے خبر؟ — اور پھر بھی تم پہرے پر نہیں کھڑے ہو جہاں تم کو ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ اس وقت یہاں گھومتے پھر رہے ہو۔ جیسے دودھ پیتے بچے نہیں ہوتے ہیں کہ بن اپنی آیا سے جدا نہیں ہو سکتے"

یہ عورت اسے کیسا چڑا رہی تھی ویسے عام طور پر اس کی زبان درازی بوائل تانگ کے کانوں میں رس گھول دیتی تھی۔ مگر اسوقت کچھ اور بات ہے۔

بچے نے پھر بلبلانا شروع کر دیا۔ اور ماں نے اسے بہلانے اور تھپکنے کے لئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ اپنے بچے پر جھک گئی، اور اُسے ہولے ہولے تھپکنے لگی۔ تھپکتے وقت اسکے پستان دلفریبی کے ساتھ زیر و زبر ہو رہے تھے، وہ کسی خواہش سے جھول رہے تھے۔

آج بوائل بھی کچھ نہیں بولا، کھڑا ہانپتا رہا۔ پیار اور کسمساتے ہوئے انداز میں اس کی آنکھوں میں جیا۔ عجیب کراہیت کا ایک احساس اس کے گلے میں گھٹ کر رہ گیا، اور گفتگو ناممکن ہو گئی۔

"تمھیں کیا ہو گیا ہے؟" رشتے کی بہن نے غیر یقینی طور پر سوال کیا۔

"دیکھو! ہر چیز ختم ہو جائے گی، سب کچھ خاک میں مل جائے گا۔ جاپانی سپاہی یہاں آئے تو وہ تم جیسی نوجوان عورت کو نہیں چھوڑیں گے۔ بیسیوں آدمیوں سے تمھیں خراب کریں گے۔ انھیں ذرا رحم نہیں آئے گا۔ زندہ چھوڑیں گے تمھیں—— جلدی کرو! بڑی بی، ذرا جلدی کرو! جلدی سے تیار ہو جاؤ، اپنے بچے کو اٹھا کے سیدھی گاؤں کی طرف نکل جاؤ۔ بچے کو نہیں لے سکتیں تو اسے بھی یہیں چھوڑ دو—— اپنے بارے میں ابھی سوچ لو۔ صرف اپنے بارے میں —— تم زندہ رہیں تو بچے اور بھی مل جائیں گے، جلدی کرو!"

ٹانگ کو واپس اپنے قریب، اپنے جسم سے بالکل نزدیک پا کر رشتے کی بہن کا خون اس کی چمپئی جلد میں اور بھی اُبلنے لگا تھا۔ اس کے جسم کی حرارت اور بھی تیز ہو گئی تھی جیسے کسی مٹی کے برتن میں اندر کوئی گرم اور سیال مادہ بھاپ دے رہا ہو۔ لیکن بوائل نے باتیں ایسی کیں کہ اس کا ایک ایک لفظ، اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ ٹھنڈے پانی کی طرح پڑا۔ اسوقت کوئی دیکھتا کہ رشتے کی

بہن کے جذبات کس طرح ناگہانی طور پر چوٹ کھا کر بکھر گئے۔ یہ بھی عجب پُر سوز منظر تھا۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ تم کیا بک رہے ہو۔ جاپانی فوج کہاں تک آچکی ہے یہ بتاؤ، اور تمہاری فوج اب تک کیا کر رہی ہے۔ اس نے گولی کیوں نہیں چلائی میں اپنے بچے کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتی۔ اگر جاپانی مجھے مارنا ہی چاہیں گے تو مار دیں گے۔ میں اُسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"وہ تمہیں ایسے ہی نہیں ماریں گے، پہلے تمہیں خراب کریں گے۔ تم سے کام نکالیں گے، اور جب اچھی طرح جی بھر کر خراب کر چکیں گے تو مار ڈالیں گے۔ اس سے پہلے نہیں ماریں گے۔ چلو اٹھو۔ ابھی چل دو چیخنے چلانے سے کیا حاصل۔؟ تم سمجھتی ہو کہ رونے چلانے کی فرصت ابھی باقی ہے۔ بالکل نہیں۔ ہمارے سپاہی یہاں سے پسپائی اختیار کر گئے ہیں۔ ایک آدمی بھی نہیں ہے۔ جسے یہاں چھوڑا جائے لی کا حکم یہی ہے۔"

رشتے کی بہن اپنے اینٹوں کے فرش سے سرک کر ایک کنارے پر بیٹھ گئی۔ جیسے عورت نہیں بلکہ لوہے کا مجسمہ رکھا ہوا ہے۔ بے حس و حرکت۔ البتہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ بچہ پھر رونے لگا تھا۔ بوائل اس ماحول میں یہ بھول گیا کہ اتنی دُور سے بھاگ کر آنے میں اسکا تمام جسم پسینہ پسینہ ہو رہا ہے۔ اور ماتھے کا پسینہ ٹپک ٹپک کر اس کے حلق میں جا رہا ہے۔ اس نے پسینہ کے ذائقہ کا بھی ذکر نہیں کیا۔ دُور فاصلے سے ہوائی جہاز کے انجن کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ عورت نے کسی بات کی طرف دھیان نہیں دیا، وہ اب بھی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

آسمان پُرسکون تھا۔ قریب ہی سیم کے کھیتوں میں اور کاؤ لیانگ کے

درختوں میں جھینگر چیخ رہے تھے، اور جھاڑیوں سے ننھی چڑیاں اپنی چوں چوں سے شور مچا کر انھیں انمل بے جوڑ جواب دے رہی تھیں۔

جھونپڑی کی کچی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹ چکی تھی، یہاں تک کہ اب وہ کسی صورت سے دیوار نہیں رہ گئی تھی۔ جب سے رشتے کے بہنوئی لی کا انتقال ہوا، گھر کی دیوار بھی بیٹھ گئی۔ چھت پر جو گھاس پھوس تھی، وہ بھی خشک اور بے جان نظر آ رہی تھی۔

جھونپڑی میں ایک طرف، دیوار کی جڑ میں اُگے ہوئے گھاس پھوس کے اندر ایک پرانا بوسیدہ ہل آدھا دھنسا ہوا تھا۔ ہل میں اگرچہ صرف لکڑی کا دستہ جھاڑ سے اُوپر جھانک رہا تھا، لیکن بارش اور موسم کے ہاتھوں نے اُسے رگڑ رگڑ کر خوب سفید کر ڈالا تھا۔ چھت میں جو ایک طرف ہنسیا ہتھوڑا لٹکا تھا اس پر زنگ کی کئی کئی تہیں جم چکی تھیں۔

دیوار کے شگاف میں — جو کھڑکی کا کام دینے لگا تھا، بوائل تانگ کو بہت دُور کوکس کو مسب کی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں — ڈراگون کی جس پہاڑی پر اسے واپس پہونچنا ہے، وہاں جانے کے لئے یہ کو مسب کی پہاڑیاں بھی پار کرنی پڑیں گی۔

تانگ نے دل میں فیصلہ کر لیا۔ اسوقت رشتے کی بہن کی توجہ ذرا دیر کے لئے اپنے بچے کی طرف ہٹ گئی تھی وہ بچے کو تھپکنے کے لئے جھکی — جیسے کوئی شکرا اپنے شکار پر جھپٹا مارتا ہے۔ بوائل تانگ نے بچّے کا جھپٹا مارا، اور بھاگ نکلا۔ پیچھے پیچھے وہ بھی دوڑی۔ اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو رواں تھے، ساری دنیا و مافیہا سے بے خبر اسے بس ایک ہی فکر تھی کہ اپنے بچّے کو بوائل سے واپس لے لے۔

"ارے ارے مار ڈالو گے؟ — تم مار ڈالو گے! — اسے مارا تو میں بھی جیتے جی مرجاؤں گی — ہائے میرے لال! میرے بچے، تم نے اسے مجھ سے کیوں چھین لیا؟ تمھیں موت آئے کم بخت۔ تم اس کی جان لے کے ٹلو گے!"

تانگ نے اس چیخ و پکار کو جیسے سنا ہی نہیں۔ وہ بچے کو سینے سے چمٹائے رہا۔ اس نے اس زور سے بچے کو دبا رکھا تھا جیسے وہ ابھی ایک چھلانگ لگا کر گاؤں میں پہونچ جائے گا۔ یہ دیوانوں کی دوڑ تھی۔ ان دیوانوں کی، جن پر توپوں کی گڑگڑاہٹ، اور ہوائی جہازوں کی گھڑگھڑاہٹ کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔

تیسرے بھائی آی نے گھاس کی ایک پتی دانتوں میں لے کر اس کا ریزہ ریزہ کر دیا، پتی جو زور سے دبائی تو بہت ہی سیٹھا اور ناگوار ذائقہ محسوس ہوا۔ اس کے حلق اور ہونٹوں میں پیاس کی ایک آگ سی لگ گئی۔ لیانگ اپنا ایک پنجہ رائفل کے دستے پر رکھ کر سو چکا تھا، اور غفلت کے عالم میں خراٹے نکل رہے تھے۔ آسمان پر سورج کافی چڑھ چکا تھا، اور کلیجہ بھون دینے والی تپش ہو رہی تھی۔

بڑی سڑک کے برابر ہر چیز خاموش اور پرسکون نظر آ رہی تھی۔ اگر آپ کے دماغ میں ہمیشہ اس خوفناک لڑائی کا خیال نہیں رہا ہے جس میں تنو جوانوں کا خون بہہ گیا، تو پھر آپ سوچ ہی نہیں سکتے کہ یہ وقت بھی کیا وقت ہوگا اور اس وقت کیوں یہ لوگ گھاس میں چھپے ہوئے پڑے ہیں۔

"سو رہا ہے! او ناہنجار! یہ کوئی خواب دیکھنے کی جگہ ہے" آی نے لیانگ کے کان کے برابر منہ لا کر اس کی لگام کھینچی۔ سنو! دیکھو توپوں کے دھنے

کی آواز آنے لگی ہے۔"

نوجوان کا خواب پریشان ہوگیا، اور وہ جلدی سے چونکا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے کی پر اڑتی ہوئی نظر ڈالی جیسے وہ اس کی بات سمجھا ہی نہیں۔ کی نے ایک طرف انگلی اٹھا کر اسے اشارہ کیا۔ اور لیانگ نے اس سمت کو نظر دوڑائی اس کی نظر میں اب بھی ایک کھویا کھویا پن اور الجھاؤ سا موجود تھا۔

"کیا ہوا، دشمن آگیا کیا؟" وہ ایسا ہڑبڑایا کہ ایک دم پنجوں کے بل اچھل پڑتا، مگر کی نے اسے پکڑ کر نیچے گھسیٹا۔

"ہلو نہیں۔ دشمن کے لئے یہ حرکت قبل از وقت ہے۔ جہاں توپوں کے انگارے برس رہے ہیں وہ جگہ ابھی یہاں سے سوا تین میل کے قریب ہوگی۔"

"اب کیا کرنا چاہئے ہمیں۔ کیا یہیں دبے پڑے رہیں، یا ہلکے ہلکے رینگ کر گھات لگائیں؟"

"وہ جو فضا میں بم پھٹ رہے ہیں، ان کو نہایت ہی خوفناک آتش خیز بم کہا جاتا ہے، وہ دیکھ رہے ہو جہاں بم گر کر پھٹا ہے وہاں ایک دھویں کا دائرہ بن گیا ہے۔ بادل کی طرح بم گرنے کی جگہ کا ؤ لیانگ درختوں کے نیچے تھوڑی دور میں زمین جل جائے گی تم کبھی محاذ پہ آگے نہیں رہے۔ اس کی ماں کو.....

..... مجھے ان چیزوں سے سخت نفرت ہے۔"

کی نے جب وقت لیانگ کو اپنے پرانے تجربے کی باتیں سنانی شروع کیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لیانگ بالکل نیا اور کچا سپاہی بن گیا ہے، دور فضا میں بم گرنے کی جگہ سے جو چھوٹے چھوٹے بادلوں کا سا سفید دھواں اٹھ رہا تھا، اس کی طرف دیکھتے ہوئے لیانگ نے حیرت بھری آواز میں پوچھا۔

"اس کی ماں کو........! بھلا اتنی دُور یہ لوگ کس پر فائر کر رہے ہیں. کون نشانہ بنے گا؟ کوئی بھی نہیں، کوئی گھر بھی ان کے بموں کی زد میں نہیں آ سکتا۔"

"سچ پوچھو تو وہ کسی پر بھی وار نہیں کر رہے ہیں۔ بندوقچیوں کے اندر اصل میں ہمارے ساتھی بھی تو ہیں۔ یقیناً ہمارے ساتھی موجود ہیں۔ جاپانی سپاہی تو پیچھے کی صفوں میں ہوں گے، محاذ پر آگے آگے چینی سپاہی ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں صرف ڈرانے اور دہشت پھیلانے کے لئے فائر پر فائر کر رہے ہیں۔"

"پھر ہمارے جنرل کے بچے کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ اس نے پسپائی پر زور دیا، ایک بار مقابلہ کر لینا ہی اچھا تھا" — لیانگ نے اپنی بندوق کا جوڑ کھولا، بولٹ کو پھر اندر کر دیا، اور جو گولیوں کی قطار لگی ہوئی تھی، اس پر بے لطفی کی نظر ڈالی — سب ملا کے پانچ گولیاں تھیں۔ ان میں سے ایک آگے بڑھ آئی تھی، اور نال کے اندر تیار رکھی۔ بس اب گھوڑا دبانا ہی باقی تھا۔ اگر وہ ذرا رائفل کا گھوڑا دبا دے ابھی گولی چل جائے، اور ایک آدمی کا خاتمہ ہو جائے۔ لیانگ کی انگلیاں، اپنی بندوق کے گھوڑے پر نہایت ہوشیاری سے رکھی ہیں، اور اس کے لب تھرتھرانے لگے۔ اس نے تیسرے بھائی آی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"اچھا! اب انتظار کاہے کا ہے۔ کیا ہم یہیں پڑے رہیں گے؟۔ اور پڑے رہنے سے حاصل کیا ہے؟"

"بندوق کا کھٹکھنا بند کرو!" آی نے سختی سے ڈانٹا۔ لیانگ کی انگلیاں اب بھی بندوق کے گھوڑے پر رکھی ہوئی تھیں، آی نے ان پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا حرکت ہے، تم ہمیشہ بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ اس طرح اچانک بندوق چل جانا نہایت خطرناک ہے۔ یہاں ہم اس لئے رکھے گئے ہیں کہ خطرے سے آگاہ

کریں۔ دیکھو ہوشیار رہو۔ ایک دم سے بندوق نہ چل جائے — اور جب ہم گولی نہیں چلا رہے ہیں تو پھر یہ کنکھنا بند کیوں نہیں کر لیتے۔ بند کر لو۔ ابھی ہمیں یہاں تھوڑی دیر اور ٹھہرنا ہے، یوائل اُدھر گیا ہے رشنتے کی بہن کو لینے — اگر ہم یہاں سے ابھی چل دیئے تو ممکن ہے دشمن کو موقع مل جائے اور وہ اس غریب کو دبا بیٹھیں۔"

ہنگامہ اور گرد پھیل چکی تھی، اتنے میں دیکھا تو سامنے سے یوائل تانگ آتا ہوا دکھائی دیا، اس کی گود میں بچہ تڑپ رہا تھا، یوائل کے پیچھے رشنتے کی بہن بھی دوڑتی آ رہی تھی — اس کے بال منہ پر اور شانوں پر بُری طرح بکھرے ہوئے تھے اور تمام لباس اُلٹا پلٹا ہو رہا تھا۔

"یوائل، او ناہنجار۔ یہ تم کیا کرنے پھر رہے ہو؟"

یوائل نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا — اور نہ رشنتے کی بہن نے جواب دینے کی ذرا کوشش کی۔ دونوں آگے پیچھے بھاگتے ہوئے سیدھے گاؤں کی طرف چلے گئے۔ بچے کی رونے کی آواز اور ماں کی چیخ پکار دونوں ہوا میں پھیل گئیں۔ لی اور اس کے نوجوان ساتھی اسی طرح گھات لگائے سمٹے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔ توپوں اور گولوں کے دھماکے اب اور بھی قریب آ گئے تھے۔

"اب کیا ہوگا؟ کیا ہم یونہی دبے دبائے بیٹھے رہیں گے؟" — نوجوان سپاہی لیانگ نے لی کی طرف پُر امید نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں تو چلو!" کہہ کر لی نے اپنی بندوق اٹھا لی۔

"چلو؟" لیانگ کو شبہ سا ہوا کہ کہیں اس کے کانوں نے غلطی تو نہیں کی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، مگر اس نے ارادتاً خود کو اٹھایا

تاکہ آی کے بائیں بازو پر ساتھ ساتھ چلے۔ آگے بڑھتے ہوئے انھوں نے بلند ی اور نمایاں راستے سے بچنے کی کوشش کی، اور کا و لیانگ کے گھنے درختوں کے سائے میں راستہ بناتے ہوئے چلے۔ بڑے بڑے دھار دار پتوں نے ایک کی گردن چھیل دی، جیسے پتے نہیں بلکہ تیز چاقو نے اپنے پھلکے نکال کر دل لگی شروع کر دی ہے۔ کاؤ لیانگ کے تنوں پر چپکے ہوئے جھینگروں نے جوان ڈرا انسانوں کی آہٹ سنی تو انھوں نے شور مچانا بند کر دیا۔

"بچپن میں تم نے گھر پر ان جھینگروں اور مڈیوں کو پکڑا ہے کبھی؟"

"ہاں! ضرور پکڑا ہے۔ کیوں کیا تم بچپن میں مڈے جھینگر نہیں پکڑتے تھے؟" بات کرتے وقت لیانگ کا پاؤں درخت کے نازک ہٹنے پر پڑ گیا۔ اور ٹہنا ٹوٹ گیا، اس کے پتے اور پھل زمین پر بچھ گئے۔

"دیکھو ذرا سنبھل کے چلو ٹہنیاں مت توڑو۔ ہاں بچپن میں میں نے بھی مڈے اور جھینگر وغیرہ بہت پکڑے ہیں۔ اس کے بعد پکڑنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔"

"تم نے جوتے بنانے کا کام کیوں شروع کر دیا"؟

"بات یہ ہے کہ میرے والدین یہی چاہتے تھے۔" یہ جملہ آی نے کچھ اس انداز سے کہا گویا اس کے اندر ایک بے پناہ تھکا ڈالنے والا بوجھ سمایا ہوا ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"جب کسی کا باپ موچی کا کام کرتا ہو تو بیٹا جوتے بنانے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے؟"

"تم نے جب موچی کا کام شروع کیا تھا تو کیا عمر ہوگی تمہاری اس وقت؟"

"سات برس" صاف ظاہر ہے کہ کی کو اپنے بچپن اور ماضی کا قصہ دہرانا کچھ خوشگوار محسوس نہیں ہوا۔ اسکا بچپن کیا تھا ایک سانپ تھا جو اُسے ڈس کر نکل گیا۔ اور اس کے قریب جاتے ہوئے کی کو خوف اور غصے کا احساس ہوتا تھا۔ جب کبھی اسے اپنا بچپن یاد آتا، وہ اسی کے ساتھ اپنے دل و دماغ میں ایک اور تصور قائم کر لیتا کہ "اگر ہم نے پوری اخلاقی قوت اور حوصلے سے کام لیا تو ہمارا مستقبل یقیناً شاندار ہے۔ ماضی تو اس قابل ہے کہ اسے یونہی غلاظت میں چھوڑ کر بھول جائیں"

ننھے ننھے پھل دار پودوں سے ہو کر راستہ بنانے میں انھیں کافی مشکل پیش آ رہی تھی، اور پھر خود کو چھپائے رکھنا اور بھی مصیبت تھا، خاص طور سے اس وقت جبکہ ان کے سروں پر فضا میں بمبار ہوائی جہازوں کی ہیبت ناک گھڑگھڑاہٹ چھائی ہوئی تھی۔ وہ ذرا دیر کے لئے چلتے چلتے رک گئے، اور درختوں کی قطار سے نکل کر انھوں نے بڑی سڑک پر نظر دوڑائی، ناگہاں انھیں سواری کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنائی دی۔

"سنو! ہو نہ ہو، یہ دشمن کے گھڑ سوار اسکاؤٹ کا دستہ معلوم ہوتا ہے"

جنگلی خرگوش کی طرح وہ کان دبا کر دبے قدموں سے آبپاشی کے ایک گڑھے کی طرف کھسک گئے۔ بندوق کی نال انھوں نے سڑک کی طرف کر رکھی تھی۔

"تو گولی چلا دوں میں" کی نے اس سوال کا بالکل جواب نہیں دیا۔ اس نے بڑے غور سے اپنے کان لگائے ۔۔ دشمن کے آدمی بہت تیزی سے نہیں آ رہے تھے، اور ان کی ٹاپوں کی آواز سے یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ آدمی زیادہ نہیں ہیں جتنا وہ قریب ہوتے گئے ان کے بیرتلے اور سنگینوں وغیرہ کی چمک نظر آتی گئی، اس چمک میں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ گھڑ سواروں کی ڈھیلی ڈھالی بندوقیں ان کے

کاندھوں میں لٹکی ہوئی زور زور سے ہل رہی ہیں، ان کے ٹوپ پیچھے کو سرکے ہوئے تھے اور تولئے ان میں لٹک رہے تھے۔ ہر شخص نے ٹوپ کے نیچے اس قسم کے تولئے لپیٹ رکھے تھے تاکہ دھوپ کی شدت سے وہ انھیں زیادہ سے زیادہ بچائے رہیں۔ اور سر کا پسینہ بھی یونہی خشک ہوتا رہے، اور جب ہوا چلے تو تولئے کے ہلنے سے پنکھے کا کام بھی چل سکے۔

دشمن کے دستے کا افسر اس کے آگے آگے تھا۔ اور اطمینان سے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھائے ہوئے لئے جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تمام زحمت کی تصویر اتر آئی تھی، اسے کچھ ہچکچاہٹ بھی تھی اور خوف بھی۔ اس کے پیچھے چار گھڑسوار اور تھے، لاپروا، اور بے فکر۔ گھوڑے سب اعلیٰ درجے کے تھے، خوب پھرتیلے اور نہایت فربہ، ان کے جسم پر پھیلے ہوئے کپڑے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔

"کہو اب کیا ہے؟ چلا دوں گولی؟" لیانگ کی رائفل اس گڑھے کے کنارے ایک مٹی کے تھوڑے پر سہارا لے چکی تھی۔ اور رائفل کی نال تھرتھراتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ٹی یہ دیکھ کر مسکرا دیا۔

"صاحبزادے، گھبراؤ نہیں، جذباتی مت بنو۔ گھوڑا اٹھاؤ۔ ہاں ایسے ایسے ذرا آگے بڑھاؤ، اسے اور اوپر لو — بس! اب ٹھیک ہے۔ ٹھیک افسر کا نشانہ لے لو۔ نشانہ ٹھیک بیٹھ رہا ہے؟ وہ دیکھو، وہ ہے افسر، جو کتھئی رنگ کے گھوڑے پر چمک رہا ہے۔ ہاں تیار — چلے گولی۔"

گولی چلی — اور خون کے اچھلتے ہوئے فوارے میں ایک بھاری بھرکم آدمی لوٹ پوٹ ہو کے ایک طرف ڈھلکا، ایک گھوڑے کی اگلی ٹانگیں — اڑ گئیں۔

فولادی سنگرا بڑے اطمینان سے اپنے سپاہیوں کی مدد پر آپہونچا تھا سڑک بالکل مانوس تھی، اور وہ سب اسی سڑک پر بڑی تیزی سے آگے بڑھتے چلے جارہے تھے، کہیں دوسری پہاڑی کی ڈھلان طے کرنے کے قریب فولادی سنگرے کو پتہ چلا کہ اپنے دستے میں ایک آدمی غائب ہے، بوائل تانگ کا پتہ نہیں تھا۔

"بوائل کہاں گیا؟ — بوائل کیا ہوا؟" فولادی سنگرا اپنی قطار سے باہر نکل آیا۔ ایک طرف کھڑے ہوکر اس نے اپنی گہری بھوری آنکھیں آگے پیچھے گھماتے ہوئے قطار کے ہر گذرتے ہوئے آدمی سے سوال کیا — "بوائل کیا ہو گیا؟"

"وہ غالبًا لی کی بیوہ کو بچانے گیا ہوگا۔" ایک آدمی نے غیر یقینی انداز میں اتنا بتانے کی جرارت کی۔

"کیا کہا؟ لی کی بیوہ؟ ارے اسکا گھر تو دشمن کی صفوں سے بالکل قریب ہے اس کی رائفل کیا ہوئی۔ وہ رائفل بھی لے گیا تھا اپنے ساتھ؟"

"نہیں رائفل تو میرے پاس ہے۔ میں نے اس کی خاطر سنبھال رکھی ہے" ایک سپاہی کی کھلی آواز نے جواب دیا۔

"منحوس بدمعاش کہیں کا۔ وہ اپنی جان بھی خطرے میں ڈالتا ہے، اور اپنے ساتھیوں کی بھی۔ وہ جہنمی اسی قابل ہے کہ دشمن اسکا صفایا کرڈالیں" اس نے اپنے دل میں سوچا "اگر دشمن نے اسے پکڑ لیا تو وہ یقیناً اگل دے گا کہ ہم لوگ کہاں کہاں مورچہ جمائے ہوئے ہیں، اور اگر دشمن کو اسکا ذرا بھی پتہ چل گیا تو ہماری ساری اسکیم خاک میں ملجائے گی۔ انھیں صرف چمڑے کے کوڑے کی ضرورت پڑے گی اور کوڑے کے نذر یہ وہ سب کچھ معلوم کرلیں گے"

لیکن ان میں سے ایک بات بھی اکلانے زور سے نہیں کہی۔ بہتر یہی ہے کہ ایسی بات اپنے دل میں رکھی جائے، اگر زبان سے نکلی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے ساتھی بے چین ہو جائیں گے۔

"رُک جاؤ!" اور چھوٹی سی کمپنی چلتے چلتے رک گئی۔" فالتو رائفل مجھے دیدو۔ میرے ساتھ کون چلنے کو تیار ہے؟ دو آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ہم اس بدبخت بے ایمان کی تلاش میں جائیں گے۔ باقی تم سب لوگ اژدہا پہاڑی کی طرف چلے جاؤ، اگر وہاں جنرل ملے تو کہہ دینا کہ ہم بہت جلد وہیں پہونچ جائیں گے۔ اس سے زیادہ کچھ نہ بتانا۔ بس!"

سب لوگ دو دستوں میں تقسیم ہو گئے اور دونوں مخالف سمتوں میں ایک دوسرے سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے۔ چھوٹا سا دستہ تنگ پہاڑی ڈھلان سے گذرنے کے بعد آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، اور باقی تینوں آدمی جو پیچھے کی طرف لوٹے انھیں گولی چلنے کی آواز صاف طریقے پر محسوس ہونے لگی فولادی شکرے کے ہاتھ میں اسکار یوالور ہر وقت بالکل تیار رہتا۔ بل نے اپنی بندوق کاندھے پر لٹکا رکھی تھی۔ ایک بندوق کے ساتھ کارتوسوں کی صرف ایک پیٹی اس کے پاس تھی۔

"سنو" گولی کی باڑھ سنائی دے رہی ہے۔ جلدی کرو۔ قریب کے راستے پر ہو لو"۔ اس راستے میں اتنے موڑ اور اتنا پیچ و خم تھا کہ آگے جانا سخت مشکل ہو گیا جنگل کی بیلیں ان کے پیروں میں الجھ الجھ گئیں، کھردے نیچے لگنے سے ان کے پاؤں میں جابجا خراش آگئی۔ اور جگہ جگہ خون اچھل آیا۔ بندوق کی باڑھ اور گولیوں کے شور سے پہاڑی کا سینہ لرزنے لگا۔

"یہ آئی کی بیوہ بھی کیا عورت ہے کہ بوائل ایسی حالت میں اس کے پاس

پہنچا۔ اُسے کس نے دیکھا ہے ؟"

فولادی شکرے میں جہاں عزم اور سختی تھی وہیں اس کے ساتھ شرم وحیا بھی گھلی ملی تھی۔ اُسے اس بات کا ذرا بھی ڈر نہ تھا کہ لوگ اس کے بارے میں کہیں گے کہ وہ باوقار آدمی نہیں ہے۔ عورتوں کے بارے میں بات کرتے وقت وقار کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ چاہے جنرل سے بات کر رہا ہو یا اپنے سپاہیوں کے سامنے کھڑا ہو۔ لیکن ہمیشہ تنا رہتا تھا۔ یہ سرمایہ داروں کی فوج نہیں۔ ٹھیک بات ہے، مگر اسے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا کہ انقلابی فوج میں تنظیم اور ڈسپلن اتنا ہونا چاہئے کہ جتنا سرمایہ دار فوج میں بھی نہیں ہو سکتا۔ اور انقلابی فوج میں اصول اور ضابطے کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا جب فولادی شکرے نے اپنے دل میں یہ نہ سوچا کہ مجھے ایسا کپتان ہونا چاہئے جسے اس کے سپاہی اپنے لئے مثال بنالیں۔ فولاد" کی طرح سخت، اٹل اور ایسا آدمی جس تک رُو رعایت کا گذر نہ ہونے پائے۔

" وہ عورت! ایمانداری کی بات یہ ہے کہ عورت ٹھیک ہے۔ بھرا ہوا سینہ، مضبوط جسم، بھرے بھرے ہونٹ ......" ایک سپاہی نے پوری طرح لطف لیتے ہوئے جواب دیا، اور اپنی بندوق کو اپنی کمر پر اور نیچے جھٹکا دیا جس سے اس کے جوش و خروش کا اظہار ہوتا تھا۔

" اس کی ایسی کی تیسی ! میرے لئے تو وہ بالکل بیکار ہے۔ عورت بھی ایسی ہے جو ہر وقت اکڑی رہتی ہے، اگر اُسے تم سے کوئی مطلب اور فائدہ نہیں ہے تو وہ تم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرے گی۔"

فولادی شکرے نے جیک روساکتی پر نظر ڈالی، اور آہستہ سے مسکرادیا، ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر جذبات کی لہر نمودار ہوئی لطف،

دسترت کے ساتھ اس نے اپنے دل میں سوچا " تو گویا اس قسم کی عورت ہے وہ" اندر سے کوئی نامعلوم جذباتی طاقت اسے اپنے ساتھ کھینچ لے گئی، رقابت کی ناگہانی چنگاری کو اسے بمشکل سینے کے اندر ہی گھونٹنا پڑا۔ رقابت یہ کہ وہ عورت یوائل تانگ جیسے آدمی کے قبضے میں کیسے آگئی۔

" واقعی آں کی بیوہ سخت خطرے میں ہے۔ جاپانی سپاہی اسے ہرگز نہیں بخشیں گے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اُسے کہیں محفوظ جگہ پر پہونچا دیں۔ گاؤں پر دشمن یقیناً قبضہ کرے گا۔ اسلئے گاؤں پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے"

"ـــــ تو پھر کیا ہو۔ بہترین ترکیب یہی ہے کہ اس سے کہا جائے کہ تم بھی فوج میں آجاؤ، اور ہمارے ساتھ انقلاب کی لڑائی میں شریک ہوجاؤ اس میں عیب کیا ہے۔ آخر جنرل کو بھی تو گویا کی لڑکی ملی ہے۔ اور ویسے بھی یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ انقلاب میں عورت کی کمی رہ جائے۔ جنرل نے ہی تو کہا تھا کہ 'فوج، اور وہ بھی انقلابی فوج کے اندر مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن یہاں تو مردوں کو جیسے عورتوں سے ملنا منع کر دیا گیا ہے"

کمانڈر فولادی شکرے کے کانوں میں عورتوں کے متعلق چیچک رو ساتھی کی ان تجاویز کی بھنک بھی نہیں پڑی۔ چنانچہ اس نے دستے کے دوسرے سپاہی کی طرف رجوع کیا۔ دوسرا سپاہی ایک نوجوان کسان تھا، جس کی عمر ابھی بیس برس بھی نہ ہوگی۔ اس کی طرف رُخ کرکے چیچک رو ساتھی نے کہا،

بندوق چلنے کی آواز آ رہی ہے، سنو! وہ چلی گولی...... ابھی وہ کہاں تھی؟ غالباً آدمی زیادہ نہیں ہیں۔ یہ تو یقینی ہے۔ یہ گولی کسی نہ کسی کے لگی ہے۔ گھوڑے کی ہنہناہٹ سُن رہے ہو؟ دیکھو ہوائی جہاز کی گھراہٹ

بھی ہے ...."

وہ لوگ کاؤلیانگ کے کھیتوں کے کنارے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ہوا چلی تو انھوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں اور گھڑسواروں کے سامان جنگ کی ملی جلی جھنکار کچھ مدھم سی سنی۔

"گر جاؤ! ایک دم نیچے بیٹھ جاؤ!" حکم کے لئے نیا ر........ چلے گولی!"

یکے بعد دیگرے تڑ اتڑ تین گولیاں چلیں۔ اور پلک جھپکتے میں گھوڑوں کی اگلی ٹانگیں بالکل اڑ گئیں۔

فولادی نشکرا دوڑتا ہوا آگے آیا۔ رائفل اس نے بائیں پنجے میں پکڑ رکھی تھی، اور داہنے ہاتھ میں مضبوطی سے اپنا ریوالور تھام لیا تھا۔ دشمن کا ایک شہسوار جس میں ابھی کچھ سدھ بدھ باقی تھی، اس کے سینے پر فولادی نشکرے نے اپنی ٹانگ جما دی اور اس کے منھ پر پستول جھکاتے ہوئے بولا۔

"بتاؤ، تمہاری اس پارٹی میں کتنے بدمعاش ساتھ تھے؟"

اس آدمی کی آنکھوں کے ڈیلے گھومنے لگے، دانت بجنے لگے۔ اینٹھن کی سی کیفیت کے ساتھ جو اس نے بولنے کی کوشش کی تو ہونٹوں پر خون آلود بلبلے ابھر آئے۔

گھوڑے اپنے گرے ہوئے شہسواروں کے جسم کچلتے ہوئے پہلے ہی رفو چکر ہو گئے تھے۔ فولادی نشکرے کے ساتھیوں میں ہر ایک نے زمین پر پڑے ہوئے دونوں گھڑسواروں میں سے ایک ایک کو اٹھا کر دیکھا، یقیناً وہ دم توڑ چکے تھے۔ ان کی رائفلوں اور گولیوں وغیرہ کا ٹھیک ٹھکانا کیا گیا، اور ان کے ساز و سامان کا معائنہ ہوا۔ فولادی نشکرے کے ساتھیوں نے ان کے جوتے اتار لئے، اور اپنے

پھٹے پرانے جوتے ان کے مردہ پیروں میں ڈال دیئے۔ اور ادھر سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے کمانڈر کی طرف توجہ کی کہ دیکھیں وہ کتنا کام کر چکا، اور کتنا باقی ہے۔

"ساتھیو! یہ نوجوان زندہ نہیں بچ سکتا، اسے بھی ہم انکے ساتھ ہی چلتا کر دیں۔ بولو، یہ کام کون کرے گا؟ تم اس کے لئے تیار نہیں ہو۔ اچھا خیر۔ مجھے دیکھو ایک قدم پیچھے ہٹ جاؤ!"

اس تن تنہا آدمی کے سارے مصائب، سارے گناہ ــــ ایک پستول کی گولی دَن سے چلی ــــ اور ڈھل گئے۔

کمانڈر نے اسکی بندوق پھر سے غلاف میں رکھدی، اور لاش کی قرابین اٹھانے لگا۔ اب وہ کسی کرم کی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ کمانڈر کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ البتہ کارتوس کی دو بھری پیٹیاں موجود تھیں۔

"اب یہاں سے چل دینا چاہیئے"،

سب ساتھی کا دیانگ کے پودوں کے کنارے جا بیٹھے، اور قطعی بھول گئے کہ وہ بوائل تانگ کو ڈھونڈنے نکلے تھے۔ اتفاق سے جو شکار ہاتھ لگ گیا اس کی فتح نے ایک دم جوش وخروش بڑھا دیا تھا۔

"کمانڈر! جھک جاؤ! کوئی ادھر ہماری طرف آرہا ہے"،

لیکن بعد میں پتہ چلا کہ نئے آنے والے دشمن کے آدمی نہیں تھے بلکہ منیرا بھائی تی اور لیانگ زنگ تھے۔ یہ دونوں دشمن کے ان تینوں اسکاؤٹوں کی تلاش میں نکلے تھے جنھیں فولادی لشکر کے ساتھیوں نے ابھی ابھی مار گرایا تھا۔ انھیں کافی طیش آرہا تھا، اور بہت گرم تھے ہر ایک کے پاس ایک ایک فالتو رائفل بھی تھی، اور کمر پر کارتوسوں کی ڈٹو ڈٹو پیٹیاں بھی۔ لیانگ زنگ تو ایسا

معلوم ہوتا تھا جیسے تھک کر چور ہو چکا ہے۔

"اے! تم دونوں کدھر گھوم رہے ہو؟" فولادی سشکرے نے اپنا بازو ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"کامریڈ کمانڈر! تم یہاں کیسے آگئے؟ وہ جو دشمن کے اسکاوٹ تھے نا۔ ان کی دیکھ بھال کر لی تم نے؟ دو سے ہمارا واسطہ بھی پڑا ہے۔ اس کی ماں کو .... ان میں سے ایک افسر کا بچہ بنا پھرتا ہے"

"ہم بوائل تانگ کی تلاش میں نکلے تھے"

"بوائل تانگ؟ ہم نے اُسے گاؤں کی طرف بھاگتے دیکھا ہے۔ ایک بچہ کو گود میں لئے ہوئے بھاگا جا رہا تھا۔ اور لی کی بیوہ اس کے پیچھے پیچھے روتی پیٹتی چلی جا رہی تھی"

فولادی سشکرے نے اس معاملے پر ایک لمحے کے لئے غور کیا

"ٹھیک ہے! اسے خود پہاڑی پر آنے دو۔ ہم یہاں اور زیادہ وقت نہیں گذاریں گے۔ اور نہ اب اس کی تلاش میں گاؤں جا سکتے ہیں .... آج کیلئے ہم نے جو تیاری کی ہے وہ صرف اتنی ہی ہے کہ اپنے ہم وطنوں میں سے کچھ لوگوں کو ختم کر ڈالیں۔ یہ سالے بدمعاش جاپانی، خود تو فوج کے پیچھے ہی رہتے ہیں ہماری پالیسی یہ ہے کہ سپاہی کو سپاہی سے نہیں لڑنا چاہئے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ چینی سپاہی دوسرے چینی سپاہی سے نہ لڑے، بلکہ اُسے بدیسی سپاہی سے بھی نہیں لڑنا چاہئے ہمیں صرف افسروں کا اور ان حکمرانوں کا حساب صاف کرنا ہے۔ جوان بیچاروں کو ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے بھیجتے ہیں اور آپس میں لڑاتے ہیں۔ اور دیکھو ساتھیو! آج ہم .... مگر خیر، چھوڑو، مجھے یہاں باتیں کرنے کے لئے ٹھہرنا نہیں چاہئے!"

فولادی سشکرے کے ساتھی اس کے جوش وخروش کے سامنے بے حس وحرکت کھڑے رہے۔ اب سے پہلے فولادی شکرے کو کس نے اتنا جذباتی دیکھا تھا؟ وہ تو بڑا سنجیدہ، خشک اور ٹھوس قسم کا آدمی ہے۔ اور ہمیشہ ایسا محسوس ہوتا رہا ہے جیسے کوئی واقعہ بھی اُسے ہلا نہیں سکتا۔

لیو نے اپنا لمبا چوڑا جسم پھیلانے کے لئے ایک جگہ چُن لی تاکہ وہاں پڑکر سو جائے۔ یہ ایک کھلی ہوئی وسیع اور صاف ستھری ہموار جگہ تھی۔ جہاں نہ چٹانیں تھیں، نہ جھاڑ جھنکاڑ، اور گھاس بھیڑ کی کھال کی طرح نرم و نازک تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ یہ مقام جنرل اور کوریائی لڑکی کے بالکل نزدیک تھا۔

آس پاس کی پہاڑیوں پر سنتری بٹھا دئے گئے تھے۔ اور پہرے دار برابر سڑک کے راستوں پر گشتی پہرہ دے رہے تھے۔ یہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں ایک سپاہی پورے امن وسکون کے ساتھ آرام سے بیٹھ سکتا تھا کسی بات کی ممانعت نہ تھی جی چاہے تو باتیں کرو، سگریٹ کے کش لگاؤ۔ عورتوں کے متعلق گپ لڑاتے جاؤ۔ اور چاہو تو سو جاؤ۔

وہ سب لوگ اتنے خاموش اور پرسکون تھے کہ ان کی آمد کے بعد بھی یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ یہاں کوئی آیا ہے۔ اور وادی کا دامن ویسا ہی خالی خالی نظر آتا تھا۔ جیسا وہ پہلے رہا ہوگا۔ یہیں تنہائی میں ایک طرف بیٹھ کر لال بھبوکا، نے اپنا پائپ اڑانا شروع کر دیا؛ بار بار کش پینا، بار بار دھواں اڑانا — خراٹوں کی نرم اور دھیمی آواز سے نہ تو وادی کی خاموشی میں کوئی خلل پڑتا تھا نہ اس کے سکون پر آنچ آتی تھی۔ لیو کے کان میں کوریائی لڑکی کے بولنے کی آواز آئی۔ "کیوں؟ کیا یہ مارچ کرنے کا وقت نہیں ہے؟"

"تھوڑی دیر ہم یہیں ٹھہریں گے۔ تاکہ اس پار سے پیغام مل جائے۔ ہر چیز تیار ہے"

یہ جنرل کی آواز تھی۔ اس قدر بھاری اور بھرّائی ہوئی کہ مزاحیہ انداز معلوم ہوتا تھا۔ یہی آواز برابر آتی رہی "اب ہمارے ہر آدمی کے لئے کافی رائفلیں موجود ہیں۔ اور رائفلیں بھی اچھی ہیں"

"فولادی مشکرا جو چار قرابین لایا ہے، وہ تو بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ اناتم لوگی ان میں سے ایک اپنے لئے۔؟ پیدل فوج کی رائفلوں سے بھی زیادہ ہلکی ہیں"

"نہیں مجھے تو ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس پستول موجود ہے۔ اسی سے کام چل سکتا ہے" اور وہ دونوں خاموش ہو گئے جیسے کسی چیز کا انتظار کر رہے ہوں۔

تیو بھی انتظار کے عالم میں تڑپتا رہا، اور مٹھی بھر بھر کے گھاس توڑتا رہا۔ پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے اس نے تاروں کے گچھوں پر نظر ڈالی جو ایک ایسی فضائے بے کراں میں تہہ بہ تہہ پھیلا دئے گئے ہیں کہ نہ نگاہ وہاں تک پہونچ سکتی ہے، اور نہ خیال اسکا تصور کر سکتا ہے۔ ستاروں کا بہت بڑا ذخیرہ آسمان پر ایسے پھیلا ہوا ہے گویا ایک عید رنگ کی پیٹی ہے جس میں جا بہ جا ریشے نکل آئے ہیں۔ تیو کو معلوم تھا کہ تاروں کی یہ سفید پیٹی کیا ہے۔ وہی تو ہے جنت کا دریا جس کی کہانیاں بچپن میں بہت سنی ہیں۔ تیو کو وہ بھولی بسری کہانیاں یاد آگئیں۔ دریا کے ایک طرف گڈریے کا لونڈا، دوسری طرف بُننے والی لڑکی۔ سال بھر میں صرف ایک بار، ساتویں مہینے کی ساتویں رات کو جنت کی ملکہ ان دونوں دردمندانِ محبّت کو ملنے کی اجازت دیتی ہے۔

نہ معلوم کس طرف سے آہستہ ایک سایہ بڑھا اور اس طرف کا رُخ کیا۔ جدھر جنرل بیٹھا ہوا تھا۔ جنرل نے ایک دم اس کی طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"کون کامریڈ سن؟"

"کامریڈ جنرل! تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ کامریڈ چی نے یہ اطلاع بھیجی ہے۔"

ٹارچ کی روشنی میں جنرل اور کوریائی لڑکی نے مل کر رپورٹ پڑھی۔ اور قاصد اس تاریکی میں بے تابی کے ساتھ جواب کا انتظار کرتا رہا۔ نجانے ان سایوں کی پہنائی میں کیا کچھ چھپا ہوا تھا۔ کسی نے گانا شروع کیا۔ دوسروں نے آواز میں آواز ملائی اور گیت کے بول اٹھائے، قاصد کو بھی وہ گیت ورثہ کی طرح از بر یاد تھا۔ اور اس نے ایک مصرع گنگنایا بھی تو نے بھی ایک طرف کروٹ لے لی۔

"تو کیا ہم چل دیں؟" یہ کوریائی لڑکی کا سوال تھا۔ اس کے جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ لیکن فوراً ہی جنرل کی سیٹی سے ہلکی ہلکی دو صدائیں بلند ہوئیں یعنی کمانڈروں کی کانفرنس شروع ہو گئی ہے۔

"ساتھیو! موقع پر ہر چیز ہمارے لئے تیار ہو چکی ہے۔ اب ہم اپنی اسکیم کے مطابق چلتے ہیں۔ اور فوراً چلنا ہے ۲ بجے ہم گاؤں پر قبضہ کر لیں گے۔ اب ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں۔ اپنی گھڑی ملا لو۔"

بیٹریوں کی چمک میں ہر ایک شے تھرکتی ہوئی اور پھسلتی ہوئی نظر آتی تھی۔ گھاس کا یہ تختہ بالکل خاموش تھا، اور اس پر سائے منڈلا رہے تھے، ایسے گویا کوئی عورت ہے جسے اس کے چاہنے والا چھوڑ کر چلا گیا، اور وہ غمِ فراق میں

بے قرار ہے، یا کوئی مرد ہے؟ جو مرد کی اس سے بڑی تمنا ——— یعنی جنگ کی خاطر بے چین ہے۔

پلٹنوں کے کمانڈر اپنی اپنی پلٹنوں کو لے کر نکل پڑے۔ ایسے وقت میں کسی کے وہم و گمان میں بھی سوائے اپنی مہم کے اور کوئی خیال نہیں آ سکتا تھا۔ اور نہ کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ جس معرکے پر ہم چلے ہیں، اس میں پوری زندگی کا سودا ہے۔ اب جان گئی تو بس گئی۔ جب سپاہی ملکر قدم اٹھاتے ہیں۔ اور پوری کمپنی حرکت کرتی ہے تو خود بخود دلولے بڑھنے لگتے ہیں۔ اس وقت ان میں سے ہر ایک کا دل اسی لئے بڑھا ہوا تھا، اور ہر ایک کو یقین تھا کہ ان کی جان ہر طرح محفوظ رہے گی۔

آیو نے کوریائی حسینہ کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ وہ بلا سے اپنے جنرل کے ساتھ دستے کے پیچھے پیچھے آتی رہے۔ بھلا اسے کیا غرض کہ کوریائی لڑکی اور جنرل کے درمیان کوئی ایسا ویسا معاملہ ہے یا نہیں۔ خبر نہیں اور لوگوں نے بھی اس سوال پر غور کیا یا نہیں۔ اور کیا معلوم وہ دونوں ایک ساتھ سوئے بھی ہوں۔ بھلا اس کو ہمیشہ اس بات کی فکر کیوں پڑی رہے۔ اور فکر کرنے سے حاصل کیا؟ البتہ ایک بات یقینی ہے۔ وہ یہ کہ انقلاب ہو گیا تو اسے بیوی ضرور مل جائے گی۔ بیوی نہ ملی تو کم سے کم یہ تو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ آخر اسے بیوی نصیب کیوں نہیں ہوئی۔

ایک پہاڑی پر سے گذرے تو دوسری پہاڑی پر پہونچے، اور ایک وادی طے کی تو دوسری وادی میں داخل ہوئے۔ آج کی رات ساری کائنات خاموش اور پرسکون تھی، اور یہ سپاہی جو میدان جنگ کی طرف قدم مارتے ہوئے چلے جا رہے تھے، کائنات ان کے دلوں

میں خود بخود سمٹ کر آ گئی تھی۔

"رک جاؤ (ہالٹ!)"

برچ کے گھنے جھاڑوں میں دو پلٹنیں ایک دم رک گئیں۔ چوتھی پلٹن کے لیڈر نے اپنے آدمیوں کو گنا۔ تنیاؤ منگ نے بھی اپنے آدمیوں کو شمار کیا۔

"دس منٹ آرام — اس سے زیادہ قطعی نہیں۔ جتنی جلدی ہم کارروائی کریں، اتنا ہی ہمارے حق میں مفید رہیگا۔ کامریڈ یانگ بائیں دیوار پر حملہ کریں گے اور دشمن کے لئے بچاؤ کرنا مشکل ہوجائے گا۔ کامریڈ شیاؤ اور میں، ہم دونوں، درمیانی بڑے دروازے پر پڑھیں گے۔ اِدھر ایکشن (کارروائی) شروع ہو، ادھر کامریڈ چی فصیل کے اندر دشمن کی پچھلی صفوں پر ہلہ بول دیں، دشمن کی قوت پوری ایک کمپنی کے برابر بھی نہیں ہے۔ ہے بھی کیا، ایک جاپانی افسر اعلیٰ، اور ایک جاپانی نائب افسر یہ لوگ باقی فوج کے ساتھ نہیں رہتے۔ غالبًا یہ دونوں اس مکان میں ٹھہرے ہوں گے جسے ہم نے ایک بار اپنا دفتر بنایا تھا۔ اگر وہ ذرا بھی مقابلے پر آئیں تو انھیں دبوچ لو" جنرل جس وقت یہ گفتگو کر رہا تھا اُسے ایک مقام پہ قرار نہیں تھا۔ اس نے اپنے چاروں طرف تقریبًا چالیس آدمیوں کو اکٹھا کر لیا تھا اور ان کے چہروں پر اس غور سے نگاہ ڈال رہا تھا جیسے ہر آدمی کو جانچ تول رہا ہے۔

ہوا کے جھونکے سے برچ کے پتے کھڑکھڑائے۔ تنیاؤ منگ اور چوتھی پلٹن کا کمانڈر یانگ کے ٹا، ایک گرے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گئے — یانگ ایک دُبلا پتلا آدمی تھا۔ اور اسکا چہرہ بری طرح چیچک زدہ تھا۔ اس پر آواز اور طرہ تھی۔ تنیاؤ منگ نے مذاقًا اسے چھیڑا۔

"کامریڈ یانگ جب تم مغربی دیوار پر حملہ کرنے بڑھو تو گولی چلاتے وقت ذرا ہوشیار رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے ہی آدمیوں کو بھون ڈالو۔ خوب دیکھ بھال لینے

کی ضرورت ہے۔ مجھے بھی پہچاننے کی ضرورت ہے "

یانگ نے جواب میں ایک گھونسا شیاؤ منگ کی ران پر رسید کیا۔ اور بولا۔ "گولی کے آنکھیں نہیں ہوتیں "

"خیر! ممکن ہے گولی کے آنکھیں نہ ہوں۔ مگر چیچک کے نقوش تو ہوتے ہیں "

اس پر ہر آدمی نے قہقہہ لگایا، کوریائی حسینہ کو بھی ہنسی آگئی، وہ ان لوگوں سے ذرا فاصلے پر قریب ہی بیٹھی تھی، آیبو کو اس کی مسکراہٹ پر عجیب قسم کی مبہم سی مسرت ہوئی۔ اس کے بعد سے کامریڈ یانگ کے ٹما کا نام ہی "کامریڈ گولی" پڑگیا۔

جنرل نے نظریں اٹھائیں جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ قہقہہ اُدھر بھی مقبول ہوا۔ اور ایک دم ـــــ

"رائفل ـــ بندوق چلی ہے "

" ایک کے بعد دوسری بندوق سرہوئی "

"تیار ! چل دو "

ایک گہرے نشیب میں وہ لوگ آہستہ آہستہ سنبھل سنبھل کر اترنے لگے۔ اور دوسری طرف بلندی پر چڑھنے لگے۔ گولی چلنے کی آواز قریب سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔ بندوق کی گولیوں کی سنسناہٹ تمام فضا کو دہلائے ہوئے تھی۔ یقیناً ساتھیوں نے اپنا کام شروع کردیا ہے۔ اب اس کے بعد ہماری باری ہے ـــ دیوار کے اُس پار ہمارا کام ہے "

تمام آسمان سُرخ ہوگیا، اور اس روشنی میں دھوئیں کے بے ڈھنگے ستون بگولے کی طرح ناچنے لگے۔ ہڑبونگ میں عورتوں اور بچوں کی اندھادھند چیخوں، اور خوفزدہ

کنوتّیں کے بے تحاشا شور کے درمیان رائفل کی گولیاں بڑے اطمینان سے اپنے اپنے اصلی نشانوں پر پہونچ رہی تھیں، ایک ماں اپنے ننھے سے بچے کو گود میں دبائے ہوئے بھاگتی ہوئی نکلی، کچھ سمجھ میں نہ آیا کہاں جائے، یہاں تک کہ اسے اپنے سینے پر گرم گرم خون کا فوارہ محسوس ہوا۔ دیکھا تو ایک گولی نے اس کے شیر خوار کا سر توڑ کر خون کی پھوار بلند کر دی تھی۔

جلتی ہوئی عمارتوں کی روشنی میں بہت سے چہرے رینگے، ایسے چہرے جن پر انسانیت کی کوئی علامت باقی نہ رہی تھی۔ کبھی آگے بڑھتے، کبھی لڑکھڑاتے اور کبھی موت کی آغوش میں کود پڑتے۔ ایک جاپانی افسر بظاہر اندھوں کی طرح حملہ آوروں کی طرف دوڑتا ہوا آیا۔ ابھی تک اس کا پستول اس کی پیٹی میں پڑا ہوا تھا۔

"بھاگ جاؤ! اے ناہنجار بھاگتا ہے یا نہیں"

نہیں معلوم کس کی گولی سے وہ وہیں شکار ہوا۔ اور اپنے ساتھ اپنا وفادار دل بھی لے کر سدھار گیا۔ جو جاپان کے شہنشاہ نے اسے عطا کیا تھا۔

مشرق کی طرف فولادی شکرا ابھی انتظار میں کھڑا ہی تھا کہ گولی چلنے کی آواز آئے اور وہ جھپٹے۔ کہ اتنے میں گولی سنسناہٹ شروع ہوئی، اور شعلہ بلند ہوا، وہ سمجھ گیا کہ جنرل نے پالا مار لیا ہے، مگر یہ بھی معلوم تھا کہ دشمن کی رہی سہی فوج بہت جلد موقع پر پہونچنے کی کوشش کرے گی۔ اس لئے اپنے آدمیوں کو اس نے بانٹ دیا، اور بارہ آدمی ایک طرف علیحدہ کر دیئے بستی کو جانے والی سڑک خالی چھوڑ دی۔ فولادی شکرا بائیں طرف، اور تیسرا بھائی تی داہنی طرف ہو گئے کاؤلیانگ کی جھاڑیوں میں وہ گھات لگا کر سینے کے بل پھیل گئے اور رائفلیں ٹھیک کرلیں۔

رات کی ہوا کے جھونکے دیوانہ وار چل رہے تھے مگر گولیوں کی آواز اب تھمنے لگی تھی۔ سب ساتھی ہمہ تن گوش اپنی نگاہیں گاڑے ہوئے سڑک کا پہرہ دے رہے تھے۔ کاؤلیانگ کی پتیاں ہوا کے جھونکوں سے کھڑکھڑاتیں، اور پکے ہوئے دانوں کی وزنی بالیں ان پر ٹپک پڑتیں۔ بھرے ہوئے جسم کی دوشیزاؤں کی پاکدامنی کی طرح تیار بالیں۔

"یہ کم بخت گھوڑا ہمیشہ جھجکتا کیوں ہے؟ میں تو اترتا ہوں۔ تم اس کی لگام سنبھالو" یہ آواز کاؤلیانگ کے گھنے پودوں کے اس پار سے آئی۔ جہاں بل کھائی ہوئی سڑک نگاہ سے اوجھل تھی۔ سب نے سنا کہ ایک ٹھنک ہوئی جیسے کسی نے رکاب میں پیر ڈال کر ایڑ لگائی ہے۔ اور چمڑے کے بوٹ گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پیٹ سے ٹکرائے، ایک آدمی نے کھنکھارتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے تھوکا۔

"ادھر سے کون جاتا ہے؟"

"میں ہوں!"

"میں کون؟"

"بٹالین کا کمانڈر"

"علامتی لفظ بولو"

"الّو کے پٹھے۔ کیا تم میری آواز بھی نہیں پہچانتے؟"

"تم بٹالین کے کمانڈر ہونا؟ کمانڈر کو بھی وہ الفاظ بول کر گذرنے کی اجازت ملتی ہے؟"

ان کی پوزیشن بالکل ٹھیک تھی، اور ایک دوسرے کے درمیان مناسب فاصلہ بھی تھا۔ تین سوار، اور تین گھوڑے، اپنے چھپے ہوئے آدمیوں کے

آ گے قطار باندھے ہوئے کھڑے تھے ۔ بٹالین کا کمانڈر ان کے آگے کھڑا تھا ۔

" اپنی رجمنٹ کا شمار بولو "

" شمار ؟ "

" گولی ! "

ابھی اپنی رجمنٹ کا شمار اس کے لبوں پر ہی تھا کہ بٹالین کا کمانڈر گولی کا نشانہ بن گیا، اور دھڑام سے نیچے گرا۔ باقی دونوں سواروں کو بھی گولی لگی، اور وہ بھی زمین پر آ رہے۔ گھوڑے دہشت کے مارے بھاگ نکلے ۔

" دیکھو تو اس گوری نے بوٹ کیسے پہن رکھے ہیں، پالش دیکھو کیسی چمک رہی ہے " فولادی شکرے نے کمانڈر کی لاش پر اپنی ٹارچ کی روشنی ڈالی " ایڑ دیکھو ایڑ ۔۔۔ کیسی جگمگا رہی ہے "

" ذرا شکل ملاحظہ فرمایئے، یہ تو پہلے ہی افیم کھاتے کھاتے مردہ ہو چکا تھا" اب دیکھنے کے لئے کیا رہ گیا ہے، مگر خیر، یہ کبھی نہ بتا سکے گا کہ گھر پر اس نے کتنی داشتائیں رکھ چھوڑی ہیں "

انھوں نے لاش کے بے حس و حرکت جسم سے رائفل کھول لی۔ فولادی شکرے نے نقشے کا تھیلا کمانڈر کے جسم سے الگ کیا ۔ تھیلے میں افیم تھی، مٹھی بھر سفید سفید گولیاں تھیں، اور ایک فوجی نقشہ تھا، فولادی شکرے نے اس میں سے صرف فوجی نقشہ نکال لیا۔ اور باقی سامان کو تھیلے سمیت اٹھا کر دور پھینک دیا۔ پھینکتے وقت اسکے ہونٹ اور بھینچ گئے ۔

اتنے میں ایک اردلی جنرل کا حکم لئے ہوئے پہونچا کہ فوراً وانگ والے گاؤں میں چلے آؤ، اور باہر گشت کے لئے کسی کو مت چھوڑنا ۔

جنرل شعلے دیتی ہوئی آگ کے سامنے نظر جھکائے ہوئے کھڑا تھا۔
اور اس کے سامنے تین جسم پھیلے پڑے تھے۔ دم گھٹنے کی فضا طاری تھی۔ کیوں کہ آگ کے قریب پڑے ہوئے لاشوں سے گوشت جلنے کی ایسی عفونت اٹھ رہی تھی جسے سونگھنا نتھنوں کو مجروح کرنا تھا، ایک طرف دس قیدی کھڑے تھے جن کا لباس تار تار ہو گیا تھا اور جو پہلے دم توڑ چکے تھے۔

کامریڈ چی ــــ ان سے ملو۔ یہ ہیں کامریڈ تھیہ پہلی کور کے کمانڈر۔ آپ دونوں ساتھیوں کا تعارف کرا کے مجھے بہت خوشی ہوئی" جنرل کی آواز اتنی بلند تھی کہ صاف طور سے سنائی دی۔ فولادی شکرے نے ضابطے کے ساتھ ایک لمبے چوڑے فوجی جوان سے ہاتھ ملایا۔ اور ساتھ ہی ایک سنے دوسرے سے آنکھیں بھی چار کیں۔

"بھائی"

کامریڈ تھیہ ہم چل دیئے۔ مگر تم انھیں دیکھتے رہنا، کامریڈ تیو، کامریڈ شو، اور کامریڈ چانگ یہاں پڑے ہیں" جنرل مڑا اور چل دیا۔ اسکے شانے ہل رہے تھے

بڑے اطمینان سے تیو کا لمبا چوڑا جسم پوری طرح پھیلا ہوا تھا۔ زندگی بھر وہ جتنا لمبا چوڑا نظر آتا تھا، موت کے بعد وہ اس سے اور بھی بڑھ گیا تھا، دُبلا۔ اور زیادہ لمبا، اس کے آس پاس عجب طرح کا اضمحلال چھایا ہوا تھا۔

"کامریڈ تیو یہاں کیسے پہونچ گیا؟"

"کامریڈ شو جیسے ہی ان کے ہاتھ آیا اس نے خودکشی کر لی۔ باقی دو ساتھیوں میں سے ایک اسطرح ہلاک ہوا کہ آگ لگا رہا تھا، اور دوسرا خود اپنی کسی بے ہنگم گولی سے مارا گیا"

فولادی شکرا دم بخود تھا۔ شیاؤمنگ ان تینوں لاشوں کے پہلو میں

بیٹھ گیا، اور بے حجابانہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"کیا ان قیدیوں کو گولی سے اڑایا جاتا ہے؟" فولادی سٹ کر دے گئے سوال نے قیدیوں کے جسم میں کپکپی دوڑا دی، وہ چیخ پڑے۔

"ہم تو سب کے سب سپاہی ہیں۔ہم میں سے ایک آدمی بھی افسر نہیں ہے اور نہ کوئی جاپانی ہے"

گھبراہٹ میں ایک ایک قیدی نے کئی کئی بار یہ جملے دہرائے۔

جنرل نے انھیں خاموش کرنے کے لئے ہاتھ کا اشارہ کیا

"شور بند کرو! تم میں سے کسی کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ابھی تھوڑی دیر میں تم میں سے جو لوگ جانا چاہیں گے وہ جا سکیں گے۔ باقی لوگ کپتان چی کی کمان میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اور اس طرح وہ ہمارے ساتھی بن جائیں گے۔ ہم سب کو مل کر، یک دل، یک قوت اور متحدہ کوشش کے ساتھ چینی عوام کی بھلائی کے لئے جان لڑا دینی چاہئے۔ جاپان کے جنگ باز ہمارے آدمیوں کو ذبح کر رہے ہیں۔ ہماری زمینیں ہم سے چھین رہے ہیں، اور ہمارے پر امن بھولے بھالے کسانوں کو یا تو زمینوں سے بے دخل کر دیتے ہیں یا انھیں جان سے مار دیتے ہیں۔ ہم اس کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ اور ہم پوری طرح جاپانی جنگ پرستوں کا خاتمہ کریں گے۔انھیں اس سرزمین سے نکال باہر کریں گے، اور یہ چینی کتے جو جاپانی آقاؤں کے ساتھ دوڑتے ہیں ان کو ہم جڑوں سے صاف کر دیں گے"

رات کی خاموش تاریکی میں جنرل کی آواز سیلاب کی طرح گرجی اور دو پہاڑیوں سے اس کے ٹکرانے کی صدا آئی، تینوں ساتھیوں کے للتنے کو سلامی

دینے کے لئے تین بار ہوا میں بندوقیں داغی گئیں ــــ اور سلامی دینے کے بعد فوج نے کوچ کر دیا۔

آگ آہستہ آہستہ مُردہ دلی کے ساتھ جلتی رہی اور فضا اس کے شعلوں سے سُرخ ہوتی رہی۔

پانچواں باب

دیوانہ وار سمندر کی موجیں

اس کے تین دن بعد ہی دانگ والا گاؤں ایک ایسا قبرستان بن گیا جس سے زندوں نے ہاتھ اٹھا لیا ہو۔

ہر طرف بموں اور کارتوسوں کے خول پڑے، مجھے اور ایسا نظر آتا تھا کہ وہ اور پھیلنا چاہتے ہیں۔ کہیں کہیں اب بھی گاؤں کی شکستہ فصیل، پوپلے مُنہ کے بچے کھچے دانتوں کی طرح بچ رہی تھی۔ زمین جنگلی گھاس کو بخشی جا چکی تھی، اور اب اسی کا قبضہ تھا۔ اور بہتیرے گھروں کی چھتوں میں روشن دان کی طرح بڑے بڑے شگاف پڑ گئے تھے، یہ اور بات ہے کہ گھر بنانے والوں نے نقشے میں روشن دان نہیں رکھے ہوں گے، ان نئے شگافوں سے دھوپ جب مکان کے اندر جھانکتی تھی تو

کبھی اسے خلا ملتا، کبھی مردوں اور عورتوں کے بوسیدہ لاشے ملتے اور کبھی بال بچوں کے سوکھے سڑے وحشتناک ڈھانچے سط آ جاتے تھے۔

آوارہ کتے، دم دبائے ہوئے گاؤں کی فصیل کے قریب آگے پیچھے گھومتے پھر رہے تھے۔ پہاڑیوں کے دامن میں دوپہر کے وقت اب وہ بکریوں کی منمناہٹ بھی ناپید ہو گئی تھی، اور کئی دن سے ٹہلتے ہوئے پرندوں کی چہکار کا بھی پتہ نہ تھا۔ گھروں کی گوریائیں بڑی خاموشی سے باہر نکل پڑی تھیں جیسے انھوں نے بھی حالات کو سمجھ لیا ہو۔

گاؤں کے پورب میں پہاڑی کے اوپر جو چین کا قومی جھنڈا کئی مہینے سے لہرا رہا تھا۔ اب وہ وہاں نہیں تھا بلکہ اس کی جگہ جاپانی جھنڈے نے قبضہ لی تھی۔ ایک اور جاپانی جھنڈا گاؤں کی پشت پر مندر کے احاطے میں جہاں جھنڈا باندھا جاتا ہے، اس کی جگہ لہرا رہا تھا۔ اور دوسرے جاپانی جھنڈے کے سائے میں جاپانی سپاہیوں کی آدھی کمپنی پڑی تھی۔ اور ایک جاپانی کپتان اس کا سالار تھا۔

مندر کے احاطے کے قریب کچھ لوگ جن کے نام فوج میں درج تھے مگر جو اس وقت ڈیوٹی پر نہیں تھے، اپنی اپنی گردنوں میں تولئے لپیٹے ہوئے بیٹھے تھے اس وقت انھیں عورتوں کے شکار کی کمی نمائش نہیں معلوم ہوتی تھی، ادھر ادھر کی باتیں چل رہی تھیں، کبھی گالیاں، اور کبھی بڑی بے پروائی سے گندی اور فحش کہانیوں کا ذکر چھڑ جاتا تھا۔ اور ان میں سے کچھ سپاہی جاپان میں اپنے دیس اور اپنے گاؤں کے گیت گا رہے تھے۔

سیکی موتو بیس برس کا ایک نوجوان زبردستی بھرتی کیا ہوا سپاہی تھا۔ اس نے نہایت صاف ستھری وردی بڑے سلیقے سے پہن رکھی تھی۔ اور اس کی پیٹی میں

لگی ہوئی بندوق کی سنگین تک نہایت صاف شفاف تھی مندر کی سیڑھیوں پر وہ باقی لوگوں سے الگ تھلگ بیٹھا تھا، اور نعل لگے ہوئے جوتوں کی کھٹ کھٹ بجا کر اور دیہاتی باجے کا سا نغمہ پیدا کر کے وقت کاٹ رہا تھا۔ اس کی بھنویں گھنی اور سیاہ تھیں اور ابھی مونچھوں کی جگہ سبزہ آغاز تھا، جو صرف ایک دھندلی سی لکیر نظر آ رہا تھا۔

نغمے کے آہنگ پر قدموں کی حرکت اس نے روک دی اور ٹوپی اتار لی تاکہ ٹوپی کے فیتے سے پسینہ صاف کر لے۔ پسینہ صاف کر کے ٹوپی پھر بڑی ہوشیاری سے سر پر جمائی۔ نہایت مضبوطی کے ساتھ ادھر اُدھر نظریں دوڑاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

"کدھر چلے؟ تمہاری پاس بک (پروانہ) کہاں ہے؟"

دروازے پر کھڑے ہوئے ٹوکنے والے سنتری کو اس نے آنکھ کا اشارہ کیا، جس کا انداز کچھ اس قسم کا تھا کہ تم تو جانتے ہو کہ میں کہاں جا رہا ہوں، اولڈ کموں جا رہا ہوں۔ اور آہستہ سے کہا "میں ابھی واپس آیا"

سنتری نے اس حرکت پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا "اچھا تو پھر تم عورتوں کے پیچھے چلے؟ خیر ہے؟ کیپٹن ابھی سب کی حاضری لینے والا ہے"

اپنی بندوق کے میان پر پنجہ رکھے ہوئے سکی موتو دیوار کے موڑ تک قدم مارتا ہوا نکل گیا۔ ہونٹوں کی حرکت سے سیٹی بجاتے ہوئے اس کے قدم بڑے آہنگ کے ساتھ اٹھ رہے تھے، سیٹی کی موسیقی نے رفتار کی کیفیت بڑھا دی تھی۔

راستے میں اسے خیال آیا ـــــ خیال یہ کہ اتنے دن ہو گئے اب تک ایک بھی چینی لڑکی شکار نہیں کی۔ اس کی ابتدا آخر ہو تو کیسے ہو؟ کمپنی کے دوسرے آدمی ہیں جنھیں وہ عورتوں پر حملہ کرتے دیکھ چکا ہے، مگر اُسے ان کی سی حرکت کرتے ہوئے

شرم آتی ہے۔ ابھی وہ خود رنگروٹ ہے، ایک بات اور، وہ جب وطن سے رخصت ہو رہا تھا تو چلتے چلتے اس کی محبوبہ "اکی ہیاما" بڑے چاؤ سے کہنے لگی۔ دیکھو پیارے جا تو رہے ہو! مگر جب محاذ پر پہونچو تو کسی چینی لڑکی پر ہاتھ مت اٹھانا اگر تم نے یہ ظلم کیا تو سمجھو کہ تم نے مجھی پر ہاتھ اٹھایا"

ابھی سکی موٹو منچوریا بھی نہیں پہونچا تھا کہ محاذ سے واپس آتے ہوئے جاپانی سپاہیوں کے قصّے اس کے کانوں میں پڑے کہ انھوں نے کس کس طرح چینی مردوں کو جان سے مار دیا، اور ان کی عورتوں سے زبردستی زنا کیا۔ چنانچہ یہ قصّے سنتے سنتے آدمی کے قتل کے معاملے میں اسکا دل کافی سخت ہو گیا بلکہ وہ ایسے واقعات سُننے کا مشتاق رہنے لگا۔

"ہاں تو پھر کیا ہوتا ہے۔ تم انھیں مجبور کرتے ہو کہ وہ گھٹنوں کے بل ایک قطار میں تمہارے سامنے جھک جائیں۔ پھر ان کے بلاؤز اتروائے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنا اپنا سینہ دکھائیں، اس کے بعد سپاہی مردوں کے سامنے قطار میں آجاتے ہیں، ایک مرد کے مقابل دوسرا مرد۔ اتنے میں حکم ملتا ہے۔ "سنگین چلاؤ" مجھے سُن کر حیرت ہو گی کہ سنگین بڑے مزے مزے میں جسم کے اندر داخل ہوتی ہے۔ اور پھر مردوں کے بعد عورتوں کی باری آتی ہے"

اب تو اسے اس قسم کی واقعات بہت اچھے لگتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو ایسا اجنبی ظاہر کرتا جس نے کبھی یہ واقعات سنے ہی نہیں اور کسی پرانے خرانٹ سپاہی سے پوچھتا، "تم سناؤ چینی عورت پر تم لوگ حملہ کیسے کرتے ہو؟"

" ارے۔ یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے بھئی صرف اپنی سنگین ان کے جبڑے پر رکھنی ہوتی ہے اسکے بعد جو تم کہو گے، وہی کرنے کو آمادہ ہو جائیں گی۔ پھر بھی

اگر تیار نہ ہوں تو انھیں قتل کر دو۔"

"تو کیا تمہارے کمانڈر اس پر جواب طلب نہیں کرتے؟"

"سمجھو ریا میں جہاں آج کل جنگ چل رہی ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ افسروں کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ ایسے معاملوں میں الجھتے پھریں۔ بلکہ وہ تو خود عورتوں کو خراب کر کے اپنا حصہ وصول کر لیتے ہیں۔"

اسکول میں جب کیکی پڑھتا تھا تو، جوانوں کے دستے" میں شامل تھا اور اسے بنیادی سبق یہ ملا تھا" اپنے شہنشاہ کے وفادار رہو، اور اپنے ملک سے محبت رکھو"۔ کبھی کبھی وہ خود جنرل ناکامورا بن جانے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ یا کبھی کبھی اسے تمنا ہوتی کہ کہیں نہ کہیں بلکہ اگر یہ دیس میں ہو تو اچھا ہے۔ اس کے نام سے بھی ایک محب وطن کی یادگار، یا زیارت گاہ بنے۔

کبھی کبھی اس کی معشوقہ پیار سے چھیڑتے ہوئے کہتی۔ تم اس قسم کے خیالات سے اپنا پیچھا چھڑالو، ایسی الٹی سیدھی باتیں کیوں سوچتے ہو! یہ باتیں ٹال جانے کے قابل ہیں، اور نامناسب بھی ہیں۔ جس آدمی کے ایسے گندے خیالات ہوں اس سے میں عشق لڑانے کو تیار نہیں ہوں"

اس کے جواب میں وہ خود کو صحیح راستے پر سمجھتے ہوئے اپنی محبوبہ کو سخت سست کہنے لگتا۔" تم؟ تم تو حکومت کی باغی ہو اور شہنشاہِ مقدس کی غداری کر رہی ہو۔ تم سوشلسٹ ہو گئی ہو۔" نہ جانے کتنی بار اسی طرح کج بحثی ہوئی اور بحث کی گرما گرمی میں دونوں ایک دوسرے سے بے تعلق ہوتے ہوتے رہ گئے۔

" دیکھو پیارے! جب تم جنگ پر جاؤ تو کسی چینی لڑکی پر حملہ مت کرنا۔ یہ ان کے لئے دردناک ظلم ہے۔ تم ہی بتاؤ۔ اس حرکت میں کون سی حُبِ وطنی چھپی

ہوئی ہے؛ یہ فوج والے بڑی زیادتی کرتے ہیں کم بخت یہی اس قسم کی حرکتیں کراتے ہیں، انھیں کے کہنے سے ہمارے ہزاروں بلکہ لاکھوں نوجوان منچوریا میں مرنے کے لئے بھیج دیے گئے!"

سیکی نے اپنی عمر میں ایسی کوئی غمگین اور مضطرب چیز نہیں دیکھی جیسے رخصت کے وقت اس کی محبوبہ کا چہرہ غمناک اور بے چین تھا۔ وہ اس قدر دردمند تھی کہ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی اپنی ہچکیوں کو سینے میں گھونٹتی رہی اور یونہی اوپر کی طرف لکڑی کے سلیپروں پر نظر جمائے رہی اور گاڑی چلتے وقت رومال ہلا ہلا کر اسے الوداع کہتی رہی۔ اس کے والدین بھی رخصت کرنے آئے تھے اور اپنے سوکھے ہوئے ہاتھ سے الوداعی پیغام دے رہے تھے کہ بیٹے جاؤ، ہم شہنشاہ مقدس کی وفاداری میں اور جاپانی نسل کی برتری وعظمت کی خاطر تمھیں منچوریا بھیج رہے ہیں۔

رفتہ رفتہ جاپان سے منچوریا آنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور جاپان کو واپس ہونے والے برابر کم سے کم ہوتے گئے۔ منچوریا میں ٹھہرے ہوئے جاپانی افسر روز بروز طاقت اور لوٹ کے نشے میں موٹے ہوتے چلے گئے۔ وفادارانِ شاہی کی روحوں کو ثواب پہنچانے کے لیے ان کی یادگار میں جابجا گوڈے ربدھ مذہب کے مندر (خانقاہ) بن گئے۔ اور جب کبھی فوجیں باہر جاتی تھیں تو واپسی میں اپنے ساتھ بہت سے مرنے والوں کی راکھ لاتیں جن کی روحوں کو ثواب پہنچانے کے لئے مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ اگرچہ یہ عمل بار بار ہوتا اور سیکی موٹو کے لئے یہ منظر مستقل ہو کر رہ گیا تھا، پھر بھی ایسا نہیں ہوا کہ موٹو کے دماغ پر ان واقعات کا اثر نہ ہوا ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دماغ میں وفاداری اور وطن کی خیرخواہی کی چکنی سطح کے نیچے آہستہ آہستہ بغاوت کی ہلکی ہلکی لہر حرکت کرنے لگی۔

وقتاً فوقتاً جب سیکی موٹو باہر جاتا تھا تو اسے سڑک کے کنارے لاشے

پڑے ہوئے دکھائی دیتے تھے، عورتوں کے لاشے، جن کے سینے کٹے ہوئے اور کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے تھے، ان کے جسموں سے بہا ہوا خون زمین پر جمنے کے بعد دھوپ میں بالکل سیاہ نظر آتا تھا۔ اور خون کے لوتھڑوں پر ہری نیلی مکھیاں بھنبھنایا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی اس نے یہ بھی دیکھا کہ جہاں زمین پر لاش پڑی ہے وہیں عورت کی انگلیاں، جو پہلے ہی مشقت کرتے کرتے بھدی اور سخت ہو چکی تھیں، زمین میں گڑی ہوئی ہیں۔

اور پھر اسے اپنی محبوبہ اکی ہیاما کی بات یاد آئی۔ اس نے چلتے چلتے کہا تھا "دیکھو (عورت پر ظلم کرنا) بڑی خوفناک اور انتہائی دل شکن حرکت ہے"

مگر آج تو وہ خود چینی عورت کو شکار کرنے نکلا تھا۔ اسے اپنے دل میں ندامت سی آئی۔ اس نے ہونٹوں سے سیٹی بجانا بند کر دیا۔ اور وہ بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ اور بالکل بدحواسی سے وہ ایک سڑتے ہوئے جسم کو غور سے دیکھنے لگا جیسے وہی ہری نیلی مکھیاں کھا رہی تھیں۔ دیکھتے ہی اس کے جسم میں جھرجھری آ گئی اور طبیعت بگڑ گئی۔

"کیا میں واقعی ایسی حرکت کر سکتا ہوں؟ اگر عورت خود تیار نہ ہو تب بھی؟ اُف!! اُف ...... عورت .... ! میں کیا کروں؟ واپس چل دوں؟ اب کہ جب میں جاپان واپس ہوں گا تو اپنی پیاری اکی کو بتاؤں گا کہ شاہی فوج منچوریا کے اندر لپنے فالتو وقت میں کیا کیا حرکتیں کرتی ہے"

یکی موٹو نے کچھ پہلے صاف کی ہوئی ٹھوڑی پر ہاتھ مارا، اس کے بعد اپنی سنگین باہر نکالی اور چل دیا۔ سڑک کے کنارے پڑے ہوئے پتھروں پر گزرتے ہوئے ہلکے ہلکے پاؤں مارتا جاتا تھا۔ جن کنکروں اور پتھروں پر پاؤں پڑتا جوتے کی ضرب سے ان پر ہلکا سا سفید نشان اُبھر آتا تھا۔ اتنے میں ہوا کے جھونکے کے ساتھ پتھریلی ریت اڑی اور اس کی آنکھ میں پڑ گئی۔ یکی کی آنکھ میں پتھریلی ریت ایسی چبھی کہ اس نے اپنی

سنگین ایک طرف رکھ کر آنکھ صاف کرنے کے لیے رومال نکال لیا۔

شراب کے نشے میں چور سپاہیوں کا ایک گروہ پچھم کی طرف سے سڑک پر آگیا، یہ لوگ اسی کی طرف آرہے تھے۔ نشے میں دھت ایک دوسرے کے لبوں سے گیت ٹپک رہے تھے، مگر ایک ساتھ نہیں بلکہ الگ الگ۔

سیکی سوڈ کو خطرہ ہوا کہ یہ کمبخت کہیں میرے سر ہی ملتے پر نہ آجائیں، چناں چہ اس نے دوسری سڑک پکڑ لی۔ اگرچہ اس نے ان کی پکار سن لی تھی، وہ اس کا نام لیکر پکار رہے تھے پھر بھی جھٹ سے پینترا بدل کر وہ ایک دیوار کی اوٹ میں ہو گیا اور سڑک کے پتھروں پر ان کے بھاری بوٹوں کے ٹکرانے کی آواز سنتا رہا۔ جوتوں کی کھٹ کھٹ کے ساتھ ان کے بے ہنگم قہقہوں اور گانے کی آواز اور زیادہ بلند تھی۔

ذرا دیر پہلے اس نے آنکھیں صاف کرنے کے بعد اپنی سنگین پھر سنبھال لی تھی، مگر سنگین کو نیام میں نہیں رکھا۔ جیسے اب کبھی سنگین کو نیام میں رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی۔ بے پروائی کے ساتھ ذرا سنگین کی دھار آزمانے کے لیے اسے اپنے گلے پر دھیرے سے پھیرا۔ خودکشی کرنے کا کیا سہل طریقہ ہے — اس طرح سے خودکشی بالکل یقینی ہے۔

نشے میں دھت سپاہیوں کی ٹولی بہت دور نکل چکی تھی، وہ پھر باہر سڑک پر آگیا۔ جو سڑک اس نے اختیار کی تھی' اب اس پر آگے چلنے کا ارادہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے ویسے ہی ادھر اُدھر آوارہ گردی شروع کر دی۔ کبھی اس طرف نکل گیا —— اور کبھی اس سمت ٹہلتا رہا۔

"مجھے عورت کہاں ملے گی؟" ایک بار پھر اس کے اعصاب پر عورت سوار تھی۔

"اگر عورت مل بھی جائے، مگر رضا مند نہ ہو تو پھر میں کیا کروں گا؟" اس نے اپنی پوری قوت سے سنگین کو تھام لیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ سنگین کا پھل ہوا میں گردش

کرتا ہوا اس کی نظر کے سامنے آ گیا۔ یہ ہے نیزہ کی سنگین ___ لمبائی دیکھیے، بارہ انچ سے زیادہ۔ تیز، آبدار اور چمکیلی ___ دندانے کا تو نام و نشان نہیں۔

"اگر میں اس سنگین کو اسی طرح ایک بار جھٹک دوں، تو میرا خیال ہے کہ عورت جھکے پر جھکے ___ اور پھر اس کے بعد ___ اس کے بعد کیا؟ ___ اُف۔ پھر تو بس ___ اور سب لوگ بھی تو یہی کرتے ہیں۔ اور پھر بات یہ ہے کہ شاہی فوج کا سپاہی جب اپنا گھر چھوڑ کر منچوریا آتا ہے تو کیا خبر کہ کب جان سے ہاتھ دھونا پڑ جائے۔ چاہے جس طرف سے دیکھیے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اسے پھر اپنی محبوبہ سے ملنا نصیب نہیں ہوتا۔ سب کے سب یہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ کمانڈر بھی نہیں چھوڑتے۔ وہ بھی قطعی ایسا ہی کرتے ہیں ......"

یکی موٹو کو خیال بھی نہ رہا کہ وہ کہاں گھومتا پھرتا ہے۔ جہاں وہ اس وقت پھر رہا تھا، ادھر صرف مردہ جسموں کے ڈھانچے اور خالی کارتوس کے خول ذرا کم تھے۔

اس نے ایک بچے کے رونے کی آواز سُنی۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ ہائیں یہ کیا معاملہ ہے کہ یہاں بچہ ابھی تک رہ سکتا ہے، یہ کون سی جگہ ہے۔ بچے تو اسی وقت ختم کر دیے گئے تھے جب مَردوں کو قتل کیا گیا۔ یہاں تک کہ بوڑھی عورتیں بھی باقی نہیں بچی تھیں۔ اگر بچ رہیں تو کنواری لڑکیاں یا ایسی نوجوان عورتیں جن کی شادی کو زیادہ دن نہ گزرے ہوں گے، یہ آخر کس قسم کی جگہ ہے۔ کیا مقام ہے؟ اس دور دراز مقام پر بچہ کہاں سے آیا؟ وہ گھٹنوں کے بل دبے دبے پاؤں سے چلا تاکہ کہیں اس کی حرکت سے کاؤلیانگ کے پتوں میں کھڑبڑ نہ ہونے پائے۔ اس جگہ سے بچے کے رونے کی آواز آ رہی ہے وہاں عورت کی موجودگی لازمی ہے۔ مگر نہ جانے کس قسم کی عورت ہو۔ امید تو یہی ہے کہ کم سے کم بہت بوڑھی یا بے

بدصورت عورت نہ ہوگی۔ زمین پر سینے کے بل لیٹ کر اس نے بچے کی چیخوں کی طرف گردن اٹھائی۔ ایک چھوٹی سی پتھریلی چٹان کے دیوار جیسے ٹیلے کا سہارا لیے ہوئے ایک عورت اس کھوہ میں موجود تھی جسے کبھی دریا کے بہاؤ نے اندر سے کاٹ دیا ہوگا۔ آج کل دریا کا پانی سوکھ کر بالکل ایک پتلی سی نبیا (پایاب گزر) بن گیا تھا۔ اور اب وہ اپنے قدیم نشیب کی طرف نہیں بلکہ دوسری سمت میں خاموشی سے دبا ہوا پڑا تھا۔

اہا—— ہا یہ تو نوجوان ہے بالکل!" سیکی موٹو کا ناتجربہ کار دل زور زور دھڑکنے لگا۔ اور سانس کی آمد و رفت تیز سے تیز تر ہوتی گئی صرف اتنا ہوا کہ اس نے اپنی سنگین مضبوطی سے تھام لی اس خیال سے کہ ذرا سو اس ٹھکانے رکھے۔ اور ضبط سے کام لے سکے۔ مگر سب بیکار۔

"میرا بیٹا—— بڑھیا بیٹا...... چیخو مت! اگر جاپانی سپاہیوں نے خدانخواستہ سن پایا تو وہ یہیں پہنچ جائیں گے۔ تیری ماں کو جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ میرا اچھا بیٹا۔ رو مت۔ تیری ماں کو دشمنوں نے مار ڈالا تو پھر جوان ہونے تک تیری دیکھ بھال کون کرے گا؟ بس ذرا دیر ٹھہر جا۔ تانگ چچا اور ان کے ساتھی جاپانیوں کو نکال باہر کر دیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا...... آ... آ... آ میرا اچھا بیٹا...."

سیکی موٹو اس عورت کے الفاظ نہیں سن سکا مگر ہاں اس کی حرکات و سکنات دیکھتا رہا اور سمجھ گیا۔ اس نے سوچا اگر میں ایک دم سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ جاؤں تو وہ کیا کرے گی؟ چیخ مارے گی یا بھاگ جائے گی؟ یا یہ کہ چپ چاپ میرے سامنے جھک جائے گی جیسے مرغی کڑکڑ کر کے مرغے کو سواری کی دعوت دیتی ہے؟

"لڑکی کے لیے یہ معاملہ بے واقعی بہت دردناک...." پھر ایک بار اکی ہیاما کی باتوں نے اس کے دماغ کو جکڑ لیا مگر اس نے دماغ جھٹکا اور اس یاد سے رہائی حاصل کر لی۔

"میں بھلا ایک سوشلسٹ سے یا شہنشاہ کے باغی کی اس قسم کی باتوں سے کیوں اثر لینے لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک زندہ عورت کا وجود ہے۔ وہ کیا ہو نظر کے بالکل سامنے اچھی خاصی عورت، تندرست اور گٹھا ہوا سینہ تو دیکھو۔ اور کولھے بھرے ہوئے ... گول کولھے۔ سر کے بال تو قطعی ایسے ہیں جیسے کسی جاپانی لڑکی کے عمدہ بال ہوتے ہیں۔ شاہی فوج کا ہر ایک سپاہی بس یہی کرتا ہے جو میں کرنے والا ہوں...... افسر بھی کیا کرتے ہیں۔ یہی کرتے ہیں...... فرض کر لو شہنشاہ مقدس کے پہلو میں ملکہ نہ ہوتی تب...... ادھر ادھر کوئی ہے بھی نہیں۔ بس ٹھیک رہے گا...... یہی کیا جائے۔"

دل میں یکی موتو کو ایک لمحے کے لیے یہ بات نامعقول سی معلوم ہوئی کہ ایسا کام اور اس کے ساتھ شہنشاہ مقدس کی ذات کا گمان کیوں ہوا ۔۔۔ اور ذرا دیر بعد جب اسے محسوس ہوا کہ وہ کاؤلیانگ کے کھیت میں رینگ رہا ہے اور اب اس سے ذرا فاصلے پر عورت اتنی قریب رہ گئی کہ اس کی نظروں کی زد میں ہے اور ابھی آگے بڑھ کر وہ اسے ہاتھ لگا سکتا ہے تو ایک وحشت زدہ جنگلی خرگوش نظر آیا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ وہ اس وقت اپنے آس پاس کی تمام کائنات کا آقا ہے، اور ساری قوت و عظمت اسی میں سمٹ آئی ہے۔ بھلا شہنشاہ مقدس کی ہستی کیا ہے؟ اس خیال کے آتے ہی اس نے اپنے آپ کو ذرا اوپر اٹھایا۔ اپنا سر بلند کیا تاکہ اپنی عظمت طاقت کا اندازہ کر سکے۔ اسے "منچوکو" کی فوج کا تصور ہوا جس فوج کی بارکیں اس کے اپنے دستے کے بالکل قریب نہیں ہوتی تھیں۔ اس فوج کے چینی سپاہی لڑائی کے موقع پر روزانہ ہلاک کئے جاتے تھے۔ کیا یہ قتل بھی ذرا زگردن شہنشاہ مقدس کی خاطر ہوا کرتا ہے؟ اس کی کمپنی میں خود اسس کی ... جان پہچان کے کئی، بلکہ عجیب بات ہے کہ بہت سے ایسے نوجوان سپاہی تھے جنھیں شہنشاہ مقدس

کے لیے خون ریزی کرنے میں بالکل لطف نہیں آتا تھا۔ یہ نوجوان سپاہی سوشلسٹ تو خیر نہیں تھے مگر ہاں مزدوروں اور کسانوں سے انھیں ہمدردی ضرور تھی۔ اور انھیں سوویت کی حکومت سے بھی ہمدردی تھی۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ یہ لوگ پورا راستہ طے کر کے گئے اور چین کی اس انقلابی فوج سے ہمدردی کا اظہار کر گئے جن کے خلاف خود لڑ رہے تھے۔ مگر جب انھیں لڑنے کا حکم ملا تو بڑی ہمت کر کے رائفل اٹھاتے اور نشانہ باندھ لیتے۔ اس کے بعد اپنی غلطی پر ملال کرتے تھے۔ بعض لوگ تو ان ملنے جلنے والے نوجوانوں میں ایسے بھی دیکھے جو چینی انقلابی فوج کے خلاف لڑنے سے اتنے بیزار اور دکھی ہوتے تھے کہ انھیں قریب قریب خودکشی کا خیال ستانے لگتا۔

یکی کو معلوم تھا کہ اس کے کمانڈر غالباً سب کے سب انقلابی فوج سے بہت گھبراتے ہیں۔ اور اسی لیے اپنے فوجیوں کو بار بار اور زیادہ فخر و غرور پراکسایا کرتے ہیں "یاد رکھو جنرل نکاتورا .... شہنشاہ مقدس سے وفاداری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔"

جیسے کسی بچے کو سبق رٹایا جاتا ہے، اسی طرح یہ حکم کہ "شہنشاہ مقدس سے وفاداری کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے" اسے بالکل رٹ گیا تھا۔ آج کل وہ فوج میں ملازم ہے۔ لیکن جب اسے فوجی ملازمت میں لیا گیا اور افسر نے اس سے وفاداری کا حلف لیا تو بار بار یہی جملہ دُہرایا گیا "عظیم الشان جاپانی فوج کے سپاہیوں کو زندگی بھر اپنے شہنشاہ مقدس کا وفادار اور جاں نثار رہنا چاہیئے۔"

"ہا ..... ہا ـــ میرا اچھا بیٹا ...... سوچا ...... سوچا ...... سوچا۔ تانگ چچا جاپانی سپاہیوں سے لڑنے کو آتا ہوگا۔" بڑی بہن ڈی کی بڑی بڑی آنکھیں اب

دھندلا گئی تھیں اور اس کی گود میں بچہ چیختے چیختے بالکل نڈھال ہو کر، تھک کر، سو گیا تھا۔ غنودگی کی بے حال کیفیت میں عورت کو ایسا محسوس ہوا جیسے بوائل تاتگ پھر پھر واپس آ گیا۔ اور اس کے جوان قدآور جسم کو سہلا رہا ہے۔ راٸفل تاتگ نے اپنے ہاتھوں میں اٹھا رکھی ہے اور اس کی پشت پر چمکتے ہوئے پرچموں کے سائے لہرا رہے ہیں۔ پرچموں کے پیچھے انقلابی فوج کی قدم بڑھاتی ہوئی صفیں ہیں جو منچوریا کے تمام نشیب و فراز پر ساری وادی پر چھا گئی ہیں۔ عورتیں ساتھ ساتھ ہیں۔ اور بچے....... اس کا مقتول شوہر بھی انہی فوجوں میں شریک ہے...... وہ دوڑی۔ تاکہ دوڑ کر آنے والوں کا استقبال کرے.....

"ہائیں! تم......" بڑی بیوہ بہن کا خواب، خواب پریشاں ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بوائل تاتگ نہیں تھا ——— اس کی نظر کے سامنے وہ مضبوط اور چمکتے شانوں والا وہ دلربایانہ قوت کا مالک تاتگ نہیں تھا۔ پہاڑی کا سناٹا بھی نہیں تھا۔ اور کہیں دور، دور تک چمکتے دمکتے پرچموں کا نام و نشان بھی نہیں اگر تھا تو ایک جاپانی سپاہی جس کی آنکھوں میں چور موجود تھا۔

وہ جانتی تھی ——— اسے معلوم تھا کہ بس آج زندگی اپنا آخری دن پورا کر لے گی۔ پھر بھی وہ اپنے بچے کو مضبوطی سے اپنی گود میں چھپائے رہی۔ وہ ڈرنا اور دہشت زدہ ہونا بھول گئی۔ دل ایسا ٹھہر گیا جیسے حرکت قلب بند ہو گئی ہے۔ بڑی خاموشی اور اطمینان کے ساتھ وہ اس ذلیل اور گندی مخلوق کو، اس گندے وجود کو دیکھتی رہی جو صرف اس کی جان لینے آیا تھا۔ اس کی آنکھیں اس طرح گڑی کی گڑی رہ گئیں جیسے دو ہیرے پیشانی پر جڑ دیے گئے ہوں۔ چھوٹے سے تال کا پانی گر گر کر پتھروں سے ٹکرا رہا تھا اور بچے کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔

" اوہ ــــ تم اپنے بچے کو اوپر لٹ دو .... اب تو مجھے اپنا کام پورا کرنا ہوگا۔"

عورت نے نوجوان سپاہی کے الفاظ سنے۔ اور دیکھا کہ وہ اس کے سر پر کھڑا ہوا ہاتھ سے اپنی سنگین ہلا رہا ہے۔ اس کی آنکھوں سے گویا خون ٹپک رہا ہے۔ جاپانی سپاہی کے دانت موٹے ہونٹوں کے حلقے سے باہر نکل آئے تھے۔ اس کا چہرہ ہوس کی آگ سے تپ رہا تھا اور خودکھاک کرشانوں کے درمیان اس جگہ آرہا تھا جہاں اسے گردن کے گرد فیتہ ڈال کر لٹکایا گیا تھا۔ اس نے عورت کا سینہ مس کرنے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا تھا اور قریب تھا کہ وہ اس کی گود سے بچے کو الگ کر دے۔ بچہ سوتے سوتے جاگ پڑا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اس کے رونے اور چیخنے کی آواز اتنی شدید تھی کہ ساری وادی میں گونج گئی۔ بچے کی چیخ پکار اور تڑپ تڑپ کر رونے کی آواز سے ماں کا تن بدن لرز اٹھا جیسے کسی خوفناک درد نے اسے تڑپا دیا ہو۔

" تم بدمعاش! کیا کرنا چاہتے ہو تم ؟" اس نے اپنے پاؤں تک کا سارا زور لگانے کی کوشش کی مگر بھوک، دہشت، تھکن اور بے حالی کی نہ جانے کتنی لمبی راتیں اور کتنے دن وہ کاٹ چکی تھی، یہ تمام مصائب اور نہیں معلوم کتنے اک دم اس کو تہا نشیب بنا کر بلاؤں کی طرح ٹوٹ پڑے اور ان سب نے مل کر اسے تباہ کرنے میں اور آخر کار اس کی شرم اتارنے میں ساری قوت صرف کر دی۔ وہ کائنات جس میں وہ سانس لے رہی تھی، وہ ساری فضا ــــ دنیا کا سارا نظام یہ چلتی پھرتی تمام دنیا سراسیمگی کی کیفیت کے ساتھ برباد ہونے کے لیے چرچرا ئی اس چرچرائی اور لڑکھڑاتی فضا میں اس نے بہت کوشش کی، بہت پیر پٹخے کہ جب

وزن نے اسے دبا رکھا ہے وہ اسے بچے گرا دے۔ مگر وہ سسکتی رہی اور ایک اتھاہ اندھیرے میں گر پڑی۔

جب وہ چونکی تو بالکل تنہا تھی۔ اس کا بچہ گھاٹی کی پتھریلی چٹان پر پہنچا جا چکا تھا اور اس کے بھیجے سے خون اور چربی کی ننھی ننھی لکیریں رِس رِس کر چھوٹی سی دھار کی شکل میں ٹپک رہی تھیں۔

وہ بالکل نڈھال پڑی تھی، کپڑے تار تار ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ اسے اپنے جسم میں درد کی شدّت کا احساس ہو رہا تھا مگر آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کو اس کے درد سے کیا غرض۔ انسان کے مصائب سے' ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ساری فضا میں کسی کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور زمین پر بے حال پڑی ہوئی لی کی بیوہ کے دل میں جو درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہیں، ان کا نہ کوئی مداوا ہے نہ کوئی غمخوار۔

اسے ہلکا سا خیال آیا کہ شاید میں خواب دیکھ رہی ہوں ـــــ کیسا خوفناک خواب ہے؟ مگر اس کی آنکھوں کے سامنے جو حقیقت نظر آئی وہ ایسا جواب تھا جس سے وہ انکار نہ کر سکی۔ اس کے ننھے شیرخوار کا بھیجہ چٹان پر خون کی نالی کے قریب بکھرا پڑا تھا اور وہ خود ـــــــــــ اسے ایک دم انتقام کا خیال آیا۔ اب وہ کہاں جائے۔ ایک بیٹا تو بھی تو اس کے پاس نہیں۔ اس کا چوڑے چوڑے شانوں والا نوجوان عاشق بھی اس کے پہلو میں نہیں۔ اور نہ اس کے نزدیک اس وقت انقلابی فوج کے بہادر سپاہی ہیں۔ وہ سب اسے تن تنہا چھوڑ کر لڑائی پر چلے گئے۔ آخر میں اسے اپنے شوہر کا خیال آیا، جسے دشمنوں نے جنگ میں ہلاک کر ڈالا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ احساس تنہائی نے اس میں ذرا بھی جان نہیں چھوڑی۔۔۔۔۔ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈ آیا۔ آنسوؤں کی کوئی

حد نہیں...... اور نہ اس کے دل میں طوفانِ غم کی کوئی انتہا ہے۔

اس کے سر پر جھولتی ہوئی نیم پختہ بالیوں سے ہوا کے ساتھ مہک کا جھونکا آتا تھا۔ کاؤلیانگ کے پودے لہلہاتے، سویا کے پودے جھولتے.... اور ہر سال ساتویں مہینے کے شروع میں سارے کھیت اپنے کام میں مصروف مسکراتے ہوئے مردوں اور عورتوں سے بھر جایا کرتے تھے۔ لمبے لمبے ٹھنے بڑی گاڑیوں میں باندھ لیے جاتے۔ اور جب یہ گاڑیاں کھیت کی فصل بھرنے کے لیے روکی جاتیں تو گاڑیوں میں جتے ہوئے مویشی ایک منٹ ضایع کئے بغیر کھیت پر پھیل جاتے اور جو کچھ اناج ان کے قدموں میں پڑا ہوتا اسے سمیٹ سمیٹ کر کھانے لگتے تھے۔ سب کو اطمینان ہوتا تھا ـــ کوئی ان مویشیوں کو جھڑکتا نہیں تھا، ٹوکتا نہیں تھا۔ ننگے ننگے پیر بچّے، اپنے سینے اور کاندھے پر پھیلے جا..ؤں کی صدریاں کسے ہوئے کودتے پھرتے تھے۔ ادھر ادھر خوب دوڑتے اور ایک دوسرے کو پکارتے اور کبھی کبھی کاؤلیانگ کی کسی پتّی کی تیز دھار ان کے نرم اور نازک پاؤں میں خراش ڈال دیتی۔ خراش سے کبھی خون اچھل آتا، مگر کوئی پرواہ نہیں، وہ خوش خوش کاؤلیانگ کی سب سے زیادہ لال پھلکی کی تلاش میں دوڑتے رہتے تھے، تاکہ سب سے بڑھیا حصّہ لاکر ان مویشیوں اور ڈھوروں کو کھلائیں کیوں کہ ڈھوروں سے ان کو بڑا پیار تھا۔

بوڑھے آدمی جن کے پاس اپنی کوئی زمین نہیں ہوتی، بڑی بے تکلفی سے کمر پر تھیلے لٹکائے ہوئے آتے تاکہ جو اناج مویشیوں کی خوراک بننے سے بچ گیا ہے وہ اسے اپنے تھیلوں میں سنبھال لیں، یا ایسا ہوتا کہ کھیت میں جہاں بھی کچھ تیار معاملہ نظر پڑا اور وہ اس کی طرف لپکے یہ سوچ کر کہ لاؤ جو کچھ بچا ہے وہی سمیٹ لو۔ یہ زمیندار کی فصل کٹنے کا موسم تھا ـــ اور یہی وہ موسم تھا

جب غریبوں کی فصل کی کٹائی ہوتی تھی۔

مگر اس سال تو کچھ بھی آثار نظر نہیں آتے۔ فصلیں تیار کھیتوں میں لہلہا رہی ہیں مگر کٹائی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ نوجوان تو سب میدان جنگ میں کٹنے اور کاٹنے چلے گئے جیسے سب کے سب پاگل ہو گئے ہوں۔ جیسے قدرتی طور پر ہر آدمی کی تمنا ہے کہ لڑائی ہو اور وہ میدانِ جنگ میں پہنچے۔ رہے بڑے بوڑھے، انھوں نے اگرچہ یہ افواہ سنی تھی کہ چین کے قدیم شاہی خاندان کا آخری بادشاہ عنقریب نمودار ہونے والا ہے، اور اپنے ساتھ ساتھ امن و امان کا ایک طویل زمانہ بھی لائے گا جو اس کی پشت پر محفوظ ہے، مگر ان کے کان میں اس کی بھنک بھی پڑی تھی کہ شہنشاہ چین جاپانیوں کی مٹھی میں ہے اور جاپانی تو آسمان کے نیچے جو کچھ ہے اسے قبضانے کے لئے لڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ تمام باتیں سن سن کر ان بوڑھوں کو جو قدیم شاہی خاندان کے واپس آنے کی جو آخری تمنا رہ گئی تھی وہ اس سے بھی مایوس ہو چلے تھے۔ اب یہ رہی سہی امید بھی دم توڑنے لگی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ زمانہ بھی امن چین کا زمانہ نہیں رہ گیا تھا۔ کوریا والوں کو دیکھو تو کوریا کے دیہات بڑی زبردست گستاخی اور سینہ زوری پر اتر آئے تھے۔ اور بوڑھوں کو اپنے اٹھتے ہوئے لڑکوں پر قابو نہیں رہا تھا۔ بوڑھوں میں اب اتنا دم نہیں تھا کہ اپنے بیٹوں کا ہاتھ بٹا سکیں۔

بڑی بہن کے آنسوؤں کا سیلاب تھمتا نہ تھا اور دل میں طوفان غم کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اب اس میں اتنی بھی سکت نہ تھی کہ اس چھوٹے سے جسم پر نظر ڈالے جو اس کے برابر کی چٹان پر پرزہ پرزہ پڑا ہوا تھا۔ اس سے تو دل میں گڑے ہوئے نشترِ غم کلیجے کو اور چیرنے لگتے تھے۔ اسے چوڑی چھاتی کے نوجوان

کسان سے نفرت ہونے لگی۔ اپنے چاہنے والے سے اس کی بیزاری بڑھتی گئی۔ اسے آخر اس بات کی خبر کیوں نہ ہوئی، مجھ پر اس وقت کیا گزر رہی ہے؟ کیا آدمی لڑائی پر جانے کے بعد سب کچھ بھول جاتا ہے۔ کیا اپنی محبوباؤں کو بھی دل سے بھلا دیتے ہیں؟ اس کے جی میں آئی کہ ابھی نکل جائے اور تانگ کو ڈھونڈھتی پھرے۔ اب اگر کچھ امید کی کرن اس کے پاس رہ بھی گئی تھی تو ایسی کمزور، ایسی تھراتی اور ٹمٹماتی جیسے ہوا کے جھونکوں میں چراغ کی لَو۔ اور اتنی امید بھی صرف تانگ کے لیے باقی تھی۔ پہلے تو ننھا بچہ ہی اس کے جینے کا سہارا۔ وہ اس کی امیدوں کا مرکز تھا، مگر اب پوری طرح یقین نہ ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی امیدوں کا آخری اور تنہا سہارا۔ تانگ کی ذات کو بنائے ہوئے تھی یوائل ——— جس کی زندگی یہ تھی کہ وہ اس قومی دستے کا سپاہی ہے جو مسلسل لڑائی میں جٹا ہوا ہے۔

"میں اب انھیں نہیں چھوڑوں گی۔ ان کے ساتھ ساتھ رہوں گی۔ لڑائی میں بھی ساتھ جاؤں گی۔ اور اگر جان دی تو اپنے چاہنے والے کے ساتھ لڑائی میں جان دوں گی۔" ایک طرح کی جان ——— انتقام لینے کی قوت، زندہ رہنے کا عزم اس کے سینے میں جاگ اٹھا۔ مگر اٹھتے اٹھتے پھر وہی پارہ پارہ ننھا سا جسم تھا۔ اس پر نظر پڑ گئی اور سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی اور ہاتھ پیر پھر چھوٹ گئے۔ وہ پھر گر پڑی اور اس کے دل کی گہرائیوں میں جو نفرت اور غیظ و غضب کی چنگاری سلگی تھی، وہ پھر غم کی لہروں میں بجھ گئی۔

دن چھپنے کے بعد گھپ اندھیرا ہونے تک بے جان سی پرچھائیں اضمحلال اور بے دلی سے ادھر ادھر آوارہ پھرتی رہی اور اپنے بازوؤں میں ایک بکھری ہوئی ننھی سی چیز مضبوطی سے دبائے رہی ——— اسے تلاش تھی کہ

اناج کے کھیتوں میں اپنی اس متاع کو دفن کردے، اور دیر تک یہ تلاش رائیگاں گئی۔

سِکّی موڑ واپس ہوا تو سیٹی بجانا بھول چکا تھا، اور جب وہ چلا ہے تو قدم زمین کو نہیں لگتے بلکہ بہت ہی بدحواسی کے ساتھ قدم پڑتے گئے۔ واپسی میں بھی پھر اسے عورتوں کی، انہی لاشوں کے پاس سے گزرنا پڑا جن کے پستان کاٹے جا چکے تھے اور ان پر بھنبھناتی ہوئی مکھیوں کی تعداد پہلے سے کچھ اور بڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ یہ ایک بڑا بے ڈھنگا سا ہجوم تھا، جو گوشت میں رینگتا تھا، اسے بھنبھوڑتا تھا اور اڑ جاتا تھا۔

جب سِکّی موڑ اپنی بیرکوں کے قریب پہنچا ہے تو شام ہو چکی تھی اور احاطے کے اندر خاموشی طاری تھی۔ صرف ایک آواز اسے سنائی دی اور وہ کیپٹن کی آواز تھی۔ سپاہی 'اٹینشن' کھڑے تھے اور ان کے سینے باہر کو نکلے ہوئے تھے ایسے بے چون وچرا فرماں بردارانہ انداز کے ساتھ کہ ان میں سے کوئی بھی اس کا سبب نہیں بتا سکتا۔ ایڑیوں کی ایک لمبی قطار، ایک جوڑی کے پیچھے دوسری جوڑی، خوب کسے کسائے....... ایسے اکڑے ہوئے کھڑے تھے جیسے سپاہی نہیں بلکہ لکڑی کے ستون ہیں۔

"حاضر جناب!" جان بوجھ کر سِکّی نے سخت اور بلند آواز سے یہ لفظ ادا کیا تاکہ وہ اس طریقے سے سب کو یہ جتا دے کہ میں بھی اتنا ہی بے دھڑک اور دلیر ہوں جتنا تم لوگ خود کو سمجھتے ہو گے۔ نہایت چستی کے ساتھ اس نے فوجی سلوٹ کیا۔ جسم ذرا آگے جھکا کر، کہنی اٹھی ہوئی۔ کلائی اکڑی ہوئی۔ اور ہاتھ فولادی خود کی اگلی گوٹ کو چھوتا ہوا۔

کیپٹن نے پرواہ بھی نہیں کی کہ سپاہی کسی قسم کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں۔ اور وہ حسب دستور باتیں کرتا رہا۔ کیپٹن کی آواز نہایت ہی ناگوار، کرخت اور بھدّی تھی۔ وہ جب کچھ بولتا تو جملے توڑ توڑ کر مختصر مگر بے جوڑ محاورے، جو سننے والوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہونے لگتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ الفاظ ادا نہیں کر رہا ہے بلکہ کسی تیز دھار دار آلے سے انھیں ریزہ ریزہ کر رہا ہے۔

کیپٹن ان سپاہیوں کو انھیں بار بار اس ایمان و یقین کا سبق یاد کرا رہا تھا کہ تم شاہی فوج کے سپاہی ہو، تمھارا فرض ہے کہ جیتے جی شہنشاہ کے جانثار رہو، اور یہ فرض تم پر عائد ہوتا ہے کہ غارت گروں اور ڈاکوؤں کا خاتمہ کر دو۔ بس یہی چیزیں ہیں جو سپاہی کے فرائض میں داخل ہیں۔ اور ہاں یہ بھی کہنا ہے کہ ہر وقت ڈاکوؤں (انقلابی چھاپہ ماروں) کے جوابی حملے سے ہوشیار اور اس کے لیے تیار رہو۔

سپاہی جیسے کھڑے تھے ویسے ہی کھڑے رہے اور اب کیپٹن کی آنکھیں جو ہر قسم کے گرم جذبات سے خالی اور بے حس ہو چکی تھیں موتو کی طرف پلٹیں۔ پہلے تو کیپٹن کی نظر نے موتو کے چہرے کو تلاش کیا اس کے بعد اس کے سارے جسم کو غور سے دیکھا، یہاں تک کہ آخری اور ناقابلِ توجہ بٹن کو دیکھا۔ اس کے بعد پھر کیپٹن نے نوجوان سپاہی کے چہرے پر نظر دوڑائی، گویا اس سے کوئی سوال کیا جا رہا ہے اور اس کی آنکھوں کی ہر ایک لرزش کو نوٹ کر لیا۔ لیکن موتو ابھی تک سلیوٹ کے انداز میں کھڑا تھا اور اس کی کلائی ابھی تک ویسے ہی تنی ہوئی سلام ادا کر رہی تھی۔

"تم کہاں گئے تھے؟"

ظاہر ہے کہ یکی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اگرچہ اسے بخوبی معلوم تھا کہ جو حرکت اس نے کی ہے، وہ کوئی فوجی قواعد کے خلاف نہیں ہے اور اگرچہ کیپٹن خود بھی یہ حرکت کر چکا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی کہنا چاہے تو یہ الفاظ اس کے گلے میں گھٹ کر رہ جائیں گے کہ "میں ایک چینی عورت کی تلاش میں باہر گیا تھا۔" وہ صاف طریقے پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں وہی کرنے گیا تھا جو سب لوگ کئی کئی بار کر چکے ہیں۔ خود افسر جو حرکت کر چکے ہیں وہی اس نے کی ——— یعنی ایک چینی عورت کو غائب کیا ہے۔

سامنے کھڑے ہوئے ساتھ کے اکثر سپاہیوں کی نظر تنہا اسی کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ سب اسی کو دیکھ رہے تھے۔ "تم" کیپٹن قدم بڑھاتا بڑھاتا اس کے بالکل قریب آ گیا۔ وہ بے رحم آنکھیں بے حس تھیں، تیز اور نوکیلی تھیں جیسے دو اندھے گہرے کنویں ہوں۔ یکی کی نظر دھیمی پڑ گئی۔ اس کی آنکھیں جلنے لگیں اور اسے محسوس ہوا کہ بس اب اس پر کوئی آفت آنے والی ہے۔

"تم اتنی دیر سے بیرک میں آئے ہو اور کوئی عذر تک نہیں؟" پہلے ہی زبردست تھپڑ نے یکی کا خود اس کی گردن کے پیچھے گرا دیا اور جھٹکے سے اس کا بدن دوسری طرف ڈھلک گیا۔ تیزی سے اس نے پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور سیدھا کھڑا ہوا، چناں چہ پھر دوسرا ہاتھ پڑا اور پھر تیسرا........ یکی کا ہاتھ اور کلائی اب بھی اسی طرح سلام کے لیے اٹھی ہوئی تھی کیوں کہ اسے کمانڈر کی طرف سے ابھی تک سلام کا جواب نہیں ملا تھا۔

کیپٹن کا ہاتھ لوگوں کے چہرے پر پڑتے پڑتے بہت صاف ہو چکا تھا، اور ہاتھ پڑتا بھی تھا بہت سخت، اتنا سخت کہ تڑاق سے آواز ہوتی تھی۔ اتنے میں یکی کے ہونٹوں سے خون جاری ہو گیا اور آہستہ سے نیچے

خون کی بوندیں ٹپکیں۔ دونوں گال پٹتے پٹتے لال بھبھوکا ہو گئے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ پھولتے پھولتے بڑھ گئے ہیں۔

کیپٹن چلا گیا اور فوجیوں نے قطار توڑ دی۔ اگرچہ ان میں سے کوئی بھی اتنی جرأت نہ کرسکا کہ موٹو کے قریب آکر ہمدردی کے دو بول کہہ دے۔ کیوں کہ ایسا کرنا فوجی دستور کے خلاف ہے۔ بیکی تن تنہا کھڑا رہا۔ وہ سپاہی جسے ابھی ابھی سزا ملی ہے، بیرکوں کے احاطے کے درمیان یونہی کھڑا نہ رہتا تو کیا کرتا۔ اس کا خود اسی طرح پیچھے کمر پر ڈھلکا ہوا تھا۔ ہونٹوں سے دھیرے دھیرے خون کی لکیریں جاری تھیں اور اس کے تپتے ہوئے رخسار درد اور چوٹ کے مارے سوج رہے تھے۔

عبادت خانے کی چھت اور سائبان کے کنارے سے لٹکی ہوئی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں شام کی ہوا سے ہل ہل کر معمولی سی جھنکار پیدا کر رہی تھیں۔ ان کی صاف آواز دور تک جاری تھی ــــ دور تک ہمیشہ گھنٹی کی آواز صاف اور نہایت دلکش سنی جاتی تھی۔ عبادت خانے کے دروازے کے پھاٹک بہت دن ہوئے توڑ کر زمین پر ڈال دیے گئے تھے۔ اور دیوتاؤں کے مٹی کے پتلے، اب ان سے عظمت و تقدیس کی تبلیغ نہیں ہوتی تھیں، بلکہ جگہ جگہ ٹوٹے پڑے تھے اور پتلوں کے دھڑ اور پیٹ پاش پاش ہو گئے تھے۔ عبادت خانے کا ایک گوشہ بندوق کی گولیوں سے جل کر خاکستر ہو گیا تھا۔

اس وقت بیکی موٹو کے دل میں صرف دو سوال آئے۔ پہلا سوال۔ کیا کیپٹن کو اس پر ہاتھ اٹھانا چاہیے تھا یا نہیں؟ اور کیا اسے یہ حق پہنچتا تھا کہ میرے تھپیڑ مار سکے؟ اس سے پہلے بھی اس نے اپنی کمپنی میں اکثر یہ دیکھا کہ اس کے ساتھی سپاہیوں کے اسی طرح تھپیڑ مارے گئے، مگر کبھی اس طرف دھیان

بھی نہیں گیا۔ بلکہ اکثر ایسا بھی ہوا کہ جو شخص طمانچہ کھاتا تھا سکی موٹو چپکے چپکے یا تنہائی میں اس کا مذاق اڑاتا تھا۔ کبھی اس سے اتنا نہ ہوا کہ معتوب سپاہی کے پاس جاکر اسے دلاسا دے، سمجھائے بجھائے۔ مگر آج اس کی باری آگئی۔ کسی نے سکی موٹو کی ذرا پرواہ نہیں کی۔

دوسرا سوال اس کے ذہن میں آیا ـــ کیا یہ سب کے سب افسر وہی حرکت نہیں کرتے ہیں جو آج میں نے کی ہے۔ جب وہ خود عورت کی تلاش میں نکلے ہیں تو اکثر ایسا بھی ہوا کہ جس وقت میں واپس آیا ہوں اس سے بھی زیادہ دیر میں لوٹے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ اسی طرح نہیں ہوتا رہا ہے ـــ مجھ پر ہاتھ اٹھایا گیا تو یہ میرے جذبات کو خاک میں ملانے والی حرکت ہے۔ قطعی ناانصافی اور زیادتی ہے۔

دماغ تیزی سے چل رہا تھا اور جلدی جلدی خیالات آ رہے تھے۔ کبھی اپنی جان اکی ہایا کا تصور آتا... ....اور اس عورت کی تصویر بھی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی جس کے بچے کو اس نے گود سے چھین کر سنگینوں پر دے مارا تھا۔ فوراً ہی دوسری عورت کی تصویر ابھرتی، جس کے پستان کٹے پڑے ہیں اور وہ خود دم توڑ چکی ہے.......

"اُف! کیسی مصیبت ہے..... کتنی دردناک! آنکھوں میں آنسو کے قطرے چھلک آئے۔

رات کے فوجی پہرے دار اپنی اپنی چوکی پر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اور سکی کو بھی رات کے پہرے کے لیے مقرر کیا گیا تھا اس کے ساتھی اسے چڑا رہے تھے۔

"کہو کیسی رہی؟"

"عورت کو پاس لٹانا اور منھ پر طمانچے کھانا ـــ ان کے دو مختلف مزے ہیں۔

کیوں ؟ کیا وہ مزے نہیں ہیں ؟ کیوں موٹو بولتے نہیں ؟"

"اب تو بڑے بڑے کتوں کی طرح اناڑی پلّے بھی خرگوشوں کے شکار کو جانے لگے۔ کیسا شکار ہوا ؟"

شام کو گاؤں میں جن مست سپاہیوں کو واپس آتے ہوئے اس نے دیکھا تھا ان میں سے بھی ایک سپاہی آکر موٹو کا مذاق اڑا گیا۔ وہ سب اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ کپتان کی ہیبت اس پر سوار ہے جبھی تو وہ ان میں سے کسی کی بات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس بات کو سوچ کر وہ اپنا ضروری سامان سمیٹنے چلا۔ پھر پانی کی بوتل اٹھائی، اپنی بندوق اٹھائی، اور جن چیزوں کی اسے ضرورت پڑ سکتی تھی وہ سب اٹھانے لگا۔

جمعدار (کارپورل) نے حکم چلایا ــــ "اپنی ڈیوٹی بجاؤ" اور سکی کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی پنڈلی پر ایک لات بھی جما دی۔ "تم کبھی کچھ نہیں سیکھو گے، سوائے اس کے کہ منہ پر تھپیڑ کیسے کھائے جائیں۔ کیا اب بھی تیار نہیں ہوئے ؟"

ضابطے کے مطابق سنتریوں کے لباس اور ہتھیار وغیرہ سب کا معائنہ کیا جاتا ہے تاکہ پہلے سے یہ معلوم کر لیا جائے کہ کسی کی رائفل میں تو خرابی نہیں ہے کسی کے پاس گولی بارود تو کم نہیں پڑ گیا ہے۔ کہیں وہ کوئی چیز تو نہیں بھول گئے۔ اور ان لوگوں کو تو ابھی ابھی کپتان کی یہ سیدھی اور صاف ہدایت ملی تھی کہ "دیکھو خبردار ــــ ڈاکوؤں کے جوابی حملے کے لیے تیار رہنا۔"

جب وہ آگے چلے تو کمر جھکا کر، دب کر آہستہ آہستہ رینگے اور رینگتے رینگتے پہاڑی کے اس سرے پر جا پہنچے۔ وہاں جو پہرے دار پہرہ دے رہے تھے انھیں سبکدوش کر کے خود پہرے پر کھڑے ہو گئے۔ جن لوگوں کو ڈیوٹی سے واپس کیا

جا رہا تھا انھوں نے چلنے سے پہلے ڈیوٹی سنبھالنے والوں کو وہ چیزیں بتائیں جن کی طرف خاص توجہ کی ضرورت تھی، کسی خاص بات اور کسی خاص چیز جس پر خصوصیت کے ساتھ نگاہ رکھی جائے، رکھنا تھا، یہ سب وہ بتا گئے۔

پہرے سے جو لوگ الگ ہوئے کارپورل نے انھیں ہٹایا، اور جو نیا دستہ آیا تھا ان میں سے جن سپاہیوں کو دوسری چوکی پر پہرہ دینا تھا، ان کو ساتھ لیا اور سب کو لے کر پہاڑی سے اترنے لگا۔

یکی موٹو کے ایک ساتھی نے سگرٹ پینی شروع کر دی۔ اور سگرٹ کا دھواں ہوا کے ساتھ ادھر اُدھر اُڑنے لگا۔

"سگرٹ پینا بُری بات ہے ـــ دشمن کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کہاں ہیں" یکی موٹو نے سوچا کہ یہ بات کہہ کر اس نے اپنے تجربے کا اظہار کیا ہے، مگر اس کے باوجود سگرٹ پینے والے سپاہی کی توجہ اس کی تقریر کی طرف بالکل نہیں گئی۔ وہ ایک تھکے ہوئے انداز میں پھر بھی سگرٹ پیتا رہا، کبھی کبھی تمباکو کی کوئی چھوٹی سی پتی جو اس کی زبان میں لگ جاتی وہ بے پروائی سے تھوک دیتا تھا۔

اس حرکت نے یکی موٹو کو اور بھی ندامت کا احساس کرا دیا۔ اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ بس اب وہ پھوٹ پڑے گا اور خوب چیخے گا۔ اس نے سامنے پہاڑی سلسلے کی طرف دیکھا جس کی چوٹیاں لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے دور تک چلی گئی تھیں۔ اور چھوٹا سا پہاڑی نالہ، جو دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے گھاس کی پتی ہے جو میٹھی اور گہری نیند کے مزے لینے میں بالکل محو ہے۔ اس کے پاؤں کے نیچے جو گاؤں نظر آ رہا تھا اسے آدھا آدھا درختوں نے چھپا رکھا تھا، برچ کے درختوں کے گھنے جنگل نے پہاڑیوں کو ڈھک رکھا تھا۔ وادی میں

جہاں جہاں ہموار زمین آگئی تھی وہاں کاشت کی بدولت کھیت تیار تھے اور بالکل خاموش اور پرسکون کھڑے تھے .... ان جگہوں پر بھی جہاں لوگ بسے ہوئے تھے کسی طرف سے دھوئیں یا چنگاری کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا سکتا تھا جو کچھ نہیں تو ان کے باورچی خانے سے ہی بلند ہو جائے۔

آس پاس کی گھاس میں کیڑوں کی ٹرٹر دلگرفتہ اور غم آلود لہجے میں ڈوبی ہوئی محسوس ہوتی تھی جس دخاشاک یا جھاڑیوں میں اور چٹانوں کے شگاف میں بیٹھے ہوئے تمام کیڑے مکوڑے ایک ہی طرح کی دھیما دھیما باریک اور اداس شور مچا رہے تھے۔

یہ سیکی کے اپنے وطن کی سرزمین نہ تھی اور اس بر اعظم کا منظر اسے بالکل عجیب معلوم ہوتا تھا۔ بادلوں کی ایک ہلکی سی چادر کے پیچھے سے چاند سنبھل سنبھل کر دبے پاؤں آگے بڑھا، چاند جو اپنا آدھا وجود کھو چکا تھا۔

"موٹو! یہ تو بتاؤ آج تمھیں کیسے عورت سوجھ پڑی؟" موٹو کے ساتھی نے اب دوسرا سگرٹ سلگایا تھا اور وہ اسی مجہول اور نفرت انگیز طریقے سے دھوئیں کے لمبے لمبے کش اڑاتا رہا۔ اس نے جو سوال کیا وہ بھی کچھ بہت ہی لاپروائی سے اور اتفاقی طور پر۔

"کیسی عورت؟ میں تمھیں اس قسم کے سوال کی اجازت نہیں دے سکتا!" سیکی سوال پر بھڑک اٹھا تھا۔ اس نے اپنی رائفل کا کندا اس کے سامنے زور سے چٹان پر پٹکا اور اپنے ساتھی کو، ایسے غیض وغضب کے آثار پیدا کر کے گھورا جیسے اس کی بات کے جواب میں اب ہاتھ چھوڑ بیٹھے گا۔

مگر وہ ساتھی اس اظہار ناراضگی پر ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ اور اڑا اپنی آنکھوں کو حیرت اور تمسخر کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ گھمانے لگا۔ اب بھی وہ

برابر اسی بے پروائی اور نفرت انگیزی کے انداز میں سگرٹ کے کش پر کش اڑا رہا تھا۔ دھواں بھی اب دیکھنے میں ناگوار گزرنے لگا تھا مگر ایک کش کے بعد دوسرے کش سے جب سگرٹ کا اگلا سرا روشن ہوتا تو وہ اس گھپ اندھیرے میں پہلی بار سے زیادہ چمکتا ہوا نظر آتا تھا۔

"تو کیا بات ہو گئی؟ ہر آدمی یہی کرتا ہے۔ خود افسر بھی حرکت کرتے ہیں......"

"میں نے تم سے سوال کرنے نہیں کہا تھا"

دوسرا ایسا ہی مسکرا دیا۔ چاندنی میں اس کے چہرے کا بناوٹی انداز احمقانہ معلوم ہوتا تھا اور اس سے کم ظرفی ٹپکتی تھی بیکی نے اپنی سنگین کی نیام اور زور سے دبائی۔

اب اس نے اپنی نگاہیں ادھر موڑ لی تھیں جہاں وادی کے اس پار پہاڑیوں کی اونچی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں اور اسی پرے ہوتا ہوا دریا کا دھارا نیچے کی طرف چلا گیا تھا۔ مگر وہ ان میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا کیوں کہ اس کو تو ان تصورات کی تصویروں نے جکڑ رکھا تھا جو اس کے خیالات نے گڑھ گڑھ کر اس کے سامنے پھیلا دی تھیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ذہن پر اس قسم کی چیزیں جکڑ لگائیں اور اسے ان بھوتوں کو دیکھنا پڑے جنھیں دیکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ ایک عورت کی لاش پڑی ہے جس کے پستان کاٹے جا چکے ہیں...... پھر ایک ننھا سا بچہ دم توڑ چکا ہے......... ماں پورا زور لگا رہی ہے...... کمپنی کا کپتان سامنے آ گیا......... اس نے اپنے سوچتے ہوئے گالوں کو ملا اور جبڑوں کو سہلایا جن میں درد ہو رہا تھا۔

بیکی موٹو کے ساتھی کو نیند آ گئی اور نیند کی بے ہوشی میں اس کا سر دوسری

طرف ڈھلک گیا۔ بندوق دونوں گھٹنوں کے درمیان اٹکی رہ گئی۔ اس کی حرکات سے قطعی ظاہر تھا کہ وہ بڑا لاپرواآدمی ہے جسے کسی بات کی کوئی فکر نہیں۔

پھر یکی موٹو کے دماغ میں خیالات کے گھوڑے دوڑنے شروع ہوئے...... ذرا سامنے والے سپاہی کو تو دیکھو کم بخت کو اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کی"۔ فکر نہیں ہے۔ نہ وہ اپنے فرض کا وفادار ہے اور شاہنشاہ کا ...... یہ سبکے سب ایک سے ہی معلوم ہوتے ہیں؟ یہاں تک کہ افسر بھی۔ کیا واقعی یہ سب ایک ہی طرح کے لوگ ہیں۔؟

شعور کی تہوں کے نیچے دبا ہوا ایک پوشیدہ مرض ایک دم اس پر مسلط ہوگیا اور اس کی روح کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا۔ موٹو کے دماغ میں عجب قسم کی الجھن پیدا ہوگئی۔ ممکن ہے کہ آج رات کچھ بھی نہ ہو؟ کیا ڈاکو آج آئیں گے؟ شاید آ ہی جائیں۔ رات کے اتنے پہر گئے، کہیں دور، دور کسی حرکت کا پتہ نہ تھا، اس کے آدھ گھنٹے بعد، یا گھنٹہ بھر بعد سہی، بہرحال پہرہ بدلے گا۔ اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔

وادی کے اس پار پہاڑی چوٹیوں کا سلسلہ، بہتا ہوا دریا، ڈاکو جو نہ معلوم کس وقت ایک دم سے ہلہ بول دیں، شہنشاہ اعظم، خود ہمارے افسر، یہ ساری چیزیں گڈمڈ ہوکر گھٹلوں کی طرح اس کے ذہن پر ٹوٹ پڑیں اور پریشان خیالی نے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا کر دیا۔ ایک تو تصور کی دوڑ دھوپ، دوسرے اس کا جسم بھی تھک کر چور ہوچکا تھا وہ کھڑا پہرہ دے رہا تھا، مگر اس پر یہ جسمانی اور ذہنی تھکن پوری طرح مسلط ہوچکی تھی۔

اس نے ذرا آنکھیں کھولی تھیں کہ پھر انسانوں جیسی مختلف شکلوں نے اس کی نگاہ کے سامنے ہجوم کرنا شروع کر دیا جیسے وہ اس کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

کوئی گڑبڑ ضرور ہے! فوراً احساس ہوتے ہی اس نے رائفل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
"خبردار! ہلو نہیں" بندوق کی نال نے اس کی کمر کو ایک دم سے دبایا۔
اور بالکل یہی بات اس کے ساتھی کو پیش آئی۔ ایک دراز قد آدمی جس کی کلائی میں ریوالور لٹکا ہوا تھا، بہت سخت آواز میں ان دونوں کو مخاطب کر رہا تھا اور انھیں دھمکا رہا تھا۔ اگرچہ ابھی سیکی کے حواس ٹھکانے نہیں ہوئے تھے اور وہ پوری طرح اندازہ نہیں کر سکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے مگر اسے اتنا یقین ضرور ہو گیا کہ اگر اس نے ذرا بھی ہاتھ پیر چلائے اور بچاؤ کی کوشش کی تو ان میں سے ایک آدمی، اسے گولی سے یقیناً اڑا دے گا۔ اس کے ساتھی پہرہ دار نے تو خود کو پوری طرح ان کے حکم کے مطابق سپرد کر دیا اور کارتوس کی پیٹی اتار کر زمین پر ڈال دی۔ اس وقت بھی وہ اتنا ہی تن آساں لاپروا اور بے فکر معلوم ہو رہا تھا جیسا وہ سگرٹ کے کش اڑاتے وقت تھا۔
"تم بھی اپنی پیٹی اتار دو" دراز قد دشمن نے جس کی ناک آگے کو نکلی ہوئی تھی اپنے ریوالور کا رخ سیکی مولڈ کی طرف کرتے ہوئے کہا "سور کے بچے جلدی کرو! حرامی پلّے!" نہ معلوم کون تھا برابر جھڑکتا رہا، اسے صرف اپنا وجود نظر آیا، جیسے خود کو دور سے دیکھ رہا ہے کہ اب کارتوسوں کی پیٹی اتاری اور زمین پر ڈال دی۔ دراز قد آدمی نے اپنی پشت پر دو اور آدمیوں کو اشارہ کیا جن کے پاس کسی قسم کا ہتھیار نہیں تھا۔ اشارہ اس بات کا تھا کہ وہ سامنے آئیں، کارتوسوں کی پیٹی کمر میں ڈالیں اور دونوں بندوقیں اٹھالیں۔
"کامریڈ تانگ یہاں ٹھہریں گے۔ دیکھو اگر ان میں کوئی بھی حرکت کرے تو گولی سے اڑا ڈالو" دراز قد سایہ اپنے ساتھ باقی لوگوں کو لے کر آگے چلا گیا۔ ابھی انھیں گئے دیر نہ ہوئی ہو گی کہ دونوں قیدیوں اور ان کے

پہرہ دار کو تڑاتڑ بندوق چلنے کی آواز سنائی دی۔ یکی سمجھ گیا کہ باری بدلنے کے لیے جو تازہ دم پہرہ داروں کا دستہ اِدھر آرہا ہوگا اس سے ان لوگوں کی ٹکر ہوگئی۔

اُف ـــ کیسا خوفناک اور ٹیڑھا معاملہ ہے۔ اسے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا، اب تو میں کسی وقت بھی مارا جا سکتا ہوں۔ اس نے اپنے دشمن پہرہ دار پر ایک دزدیدہ نظر ڈالی اُف وہ اس آدمی کا جسم بھی کیا جسم ہے! بوائل تانگ کو اس وقت رشتے کی بڑی بہن یاد آرہی تھی، اتنے میں گولی چلنے کی آواز جو آئی تو فولادی ٹکر سے پر سخت غصہ آیا ـــ بھلا مجھے یہاں قیدیوں کی حفاظت کے لیے اکیلا چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اسے یہاں تعینات نہ کیا گیا ہوتا تو وہ اس وقت اپنی محبوبہ کی تلاش میں گاؤں کی طرف چل دیتا۔ افسوس غریب اور بے کس عورت! اب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ یقینی بات ہے کہ جاپانی سپاہی اسے نہیں چھوڑیں گے مار ڈالیں گے۔ اچھا ہوتا جو وہ مر جاتی ـــ مرنا اس سے تو بہتر تھا کہ جاپانی سپاہی اسے...... اور کیا خبر ہے وہ کر بھی چکے ہوں تب؟۔

اس کے جسم میں غصے کے مارے آگ سی لگ گئی اور سامنے جو دو قیدی کھڑے ہوئے تھے ان کی طرف لپکنے لگی۔ بس اس نے سوچا ان دونوں کو تو گولی سے کھٹ کھٹ بھون دیا جائے۔ اس نے رائفل اٹھالی اور جو آدمی ذرا زیادہ قریب کھڑا تھا اس کی طرف رائفل کی نال جھکاتے ہوئے نشانہ لینے لگا۔

"ہے ہے...... ہے" گھبراہٹ اور دہشت سے وہ چیخنے لگے اور دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں چھپا لیں۔ ان کی آواز میں بلا کی سحبا جت

آ گئی تھی۔

بوائل نے پھر بندوق کی لبلبی چھوڑ دی اور کھٹکا بند کر کے اسے دوسری طرف لٹکالیا اور اس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ اس نے ان دونوں بدبختوں کو دیکھا جو دیوار سے لگے ہوئے اس کے سامنے گڑگڑا رہے تھے اور خوف کے مارے ان کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی تھی۔ اچھا چلو انھیں نہیں مارتے۔ اس نے سوچا۔ یہ بات نہیں کہ رحم کے جذبے نے اس کا ہاتھ روک لیا، بلکہ اصل میں یہ اس کا فرض ہی نہیں تھا۔ وہ فولادی شکر سے کے یہ الفاظ نہیں بھولا تھا کہ دیکھو تانگ "اگر ان میں سے کوئی بھی ذرا مقابلے کی یا بھاگ نکلنے کی کوشش کرے تو اسے گولی سے اڑا دو۔" اس وقت جیسے دبے لب اور مرغی کے بچے کی طرح معصوم اور بھولے بنے کھڑے تھے، انھیں جان سے مارنے کی کوئی معقول وجہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ عوام کی انقلابی فوج کا ہمیشہ سے یہ نہایت پکا اصول رہا ہے کہ جو قیدی مقابلے پر نہیں آتے انھیں ہرگز ہلاک نہ کیا جائے۔

انقلابی فوج کے جنرل نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "یہ حرامزادے" حرام خور، فوجی افسر، جو عام سپاہی کا بھی خون چوستے ہیں، ہم ان کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ چاہے وہ جاپانی افسر ہوں یا ان کے پالتو چینی کتے ہوں۔ یہ سب کے سب عام سپاہی کا خون چوستے رہتے ہیں۔ باقی رہے سپاہی، وہ سب ہمارے بھائی ہیں اور جس طرح ہم لوگ مصائب اٹھاتے ہیں اور تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اسی طرح دوسرے سپاہی بھی مصائب کے شکار رہتے ہیں۔ ہمیں صرف اتنا کرنا ہے کہ ان کی رائفلیں رکھوالیں، اور سوائے ایسی صورت کے جبکہ وہ ہمیں آگے بڑھنے سے روکتے ہوں، ہم انھیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائیں

گے۔ آئندہ زمانہ آئے گا جب وہ بھی ہمارے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں — یاد رکھو — عام سپاہیوں کو عام سپاہیوں سے لڑنا نہیں ہے۔ ساتھیو! خیال رکھو! عام سپاہی کو عام سپاہی سے اس وقت تک نہیں لڑنا چاہیئے جب تک کہ اس کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہ ہو"

گولی چلنے کی آواز اور زیادہ وزنی، اور زیادہ گمبھیر ہو گئی تھی اور بندوق کی آوارہ گولیاں فضا میں سنسنانے لگی تھیں۔

جہاں بوائل کھڑا تھا، اپنے نیچے وادی میں وہ لڑنے والوں کی دھندلائی ہوئی شکلیں دیکھ سکتا تھا۔ جو چاند کی مسلسل بے حسی سے تنگ آ کر بہت ہی وحشت ناک کارروائی پر اتر آئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نقلی ایکٹر ہیں جو کسی غیر دنیاوی عالم خواب میں وحشت کے زور سے ونڈناتے پھر رہے ہیں۔ اس ابھی ابھی کش مکش میں ایک لمحے کے لیے فولادی شکر سے کی لمبی تلوار چمکی اور بھدی کرخت آواز کا جاپانی کیپٹن جو اُن کے مقابلے پر آیا تھا اپنی جان سے گیا۔ بوائل نے پھر اپنی رائفل تھام لی اور پہرے پر ڈٹ گیا، اسے پوری طرح یقین بھی نہیں تھا کہ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

جب تک سپیدۂ سحر نمودار نہیں ہوا کچھ پتہ نہیں چلا مگر اس کی دھندلی سی روشنی ہوتے ہی تانگ کے ساتھیوں اور رفیقوں کی شکلیں نظر آئیں کہ وہ اس کی طرف رخ کئے ہوئے پہاڑی پر بہت تھکے تھکے چڑھ رہے تھے۔

" ان دونوں کو خوب اچھی طرح کس کر باندھ دو اور منہ میں کپڑا ٹھونس دو، ہم کو فوراً یہاں سے چل دینا ہے"۔ تانگ نے دیکھا کہ فولادی شکر سے کے پاس ایک اور لمبی تلوار آگئی جس کے پھل پر خون جما ہوا تھا۔ اس دستے میں پچاس ساتھی تھے جن میں سے ہر ایک ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بڑھاپے

اور ضعیفی کی کئی برس کی منزلیں طے کر چکا ہے اور پھر ابھی سبھی سب واپس بھی نہیں آئے تھے۔

مگر کم سے کم اتنا تو ہوا کہ تین ساتھی جو کچھ دیر پہلے تک خالی ہاتھ بغیر ہتھیاروں کے پھر رہے تھے اب وہ ذرا خود اعتمادی کے ساتھ اکڑ اکڑ کر اپنی نئی جیتی ہوئی رائفلیں لیے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ رائفلیں ان کے کاندھوں میں لٹکی ہوئی تھیں۔ اور کارتوس کی پیٹیاں کمر میں حمائل تھیں ایسی اعلیٰ درجے کی چیز زیب تن کرنے کی انھیں بظاہر عادت نہ تھی اور اسی لیے وہ اس معمولی سی بات پر خود کو کچھ اٹنگا سا محسوس کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی ساتھی تھے جن کے پاس اب دو دو رائفلیں ہو گئی تھیں۔

فوجی دھیرے دھیرے پہاڑی کے اُس طرف اُتر گئے۔ اور دریا پار کرنے کے بعد درّے کی راہ سے ایک ایک آدمی کی قطار بنا کر گزرنے لگے یہاں تک کہ آخری سپاہی بھی درّے سے گزر گیا۔ ان کے جانے کے بعد بھی وانگ والوں کے گاؤں سے دھویں کے بادل اُٹھتے رہے اور ہوا میں چکر کاٹتے رہے یہ گاؤں اب تک دھواں دے رہا تھا۔

میرا بھائی لی بوائل تانگ سے اس پہاڑی درّے کے متعلق بات چیت کرنے لگا۔ لی اس گاؤں کو خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر تانگ تو اپنی محبوبہ بیوہ عورت کی یاد میں غلطاں و پیچاں تھا، اور لی کو باتیں کرنے کی پڑی تھی کیوں کہ وہ بڑے بھائی لیو اور چیانگ تنگ کی دلدوز یاد سے اپنے دماغ کو بچانا چاہتا تھا جو میدانِ جنگ میں کام آ گئے تھے اور اب ان سے جُدا ہو گئے تھے۔

"ہم نو آدمی تھے جب اس پہاڑی درّے سے وانگ والوں کے گاؤں

جانے کے لئے گزرے ہیں، وہ جو دُور پہاڑ کی چوٹی نظر آرہی ہے وہاں ہم نے پہلی بار اپنا جھنڈا لہراتا دیکھا۔ اور ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ ہم گانے۔ لگے"

باقی لوگ تھکے تھکائے چل رہے تھے۔ ان کے جو ساتھی لڑائی میں کام آ گئے وہ انھیں بھول چکے تھے۔ بھلا کوئی آدمی اُسے کیسے یاد رکھے جسے آج مرے ہوئے بھی تین دن ہو چکے ہیں! فولادی شکرا بھی اس وقت اتنا چست اور تیار نہیں تھا جیسا وہ عام طور پر رہا کرتا ہے، جب وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا تو دیکھنے والے دیکھ سکتے تھے کہ اس نے ایک بار اوپر کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے کاندھے جھٹکے، مطلب یہ کہ بہت بھاری کام آن پڑا ہے۔

وہ لوگ برچ کے ایک جنگل سے نکل چکے تھے اور اب اس کے آخری سرے پر پہونچ رہے تھے۔ کہ اتنے میں تیسرے بھائی لی نے اور سبھوں سے پہلے بڑی حیرت ناک چیز دریافت کی۔

"اچھا، ذرا اُدھر تو دیکھو؟"

"چلو اُدھر چل کے دیکھیں"

"ارے یہ وہ بہن! اور بچہ بھی ہے! ہائے مگر اس کا سر تو پھٹ چکا ہے!"

سب سے پہلے تانگ دوڑ کر پہونچا، ہر چیز اس کے دماغ سے غائب ہو گئی۔ سوائے اسکے کہ وہ دوڑا، اور اس عورت کے برابر جھکا جو ایک بڑے سے برچ کے درخت کا سہارا لیئے ہوئے آدھی پھیلی ہوئی پڑی تھی۔ اور گہری نیند میں تھی اس کے بازو مردہ بچے کے جسم کے گرد ایسی سختی سے لپٹے ہوئے تھے جیسے وہ خود بھی مر چکی ہے۔ جسم پر کپڑوں کی یہ حالت تھی کہ پھٹے ہوئے کپڑوں نے آدھے جسم کو برہنہ کر رکھا تھا، اور پستانوں کا منہ اس وقت بھی ننھے سے مُردہ جسم کے خون

آلودہ ہونٹوں کے بالکل قریب ہی رکھا تھا۔

کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کیا جائے۔ فولادی شکرا دم بخود اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ جیسے کوئی آدمی نیند کے عالم میں چلتا ہے، اور بوائل کی کیفیت تو یہ تھی کہ بس اب سسکیاں بھرنا شروع کر دے گا۔

"تم میں سے ایک آدمی دوڑ کے جاؤ اور اس گھڑے سے پانی لاؤ۔ جاپانی خود جو ہیں ان میں سے ایک کو پانی لانے کے لئے استعمال کر لو۔" بوڑھے سپاہیوں میں سے ایک بوڑھے نے مشورہ دیا۔

انتہائی آہستگی اور نرمی سے انھوں نے ٹھنڈے پانی کے چلو بھر بھر کے نیم مردہ عورت کی پیشانی اور سر پر ڈالنے شروع کئے، ماتھے اور کنپٹی کو تو پانی کے چھینٹوں سے نہلا دیا۔ ذرا دیر میں وہ کچھ قدرتی طور پر سانس لینے لگی، مگر ابھی بیدار نہیں ہوئی، تانگ بڑی بے بسی کے ساتھ ان لوگوں کو دیکھتا رہا۔ جو ان دونوں کے گرد جمع ہو گئے تھے، اور جواب میں وہ سب لوگ بھی اس پر بے بسی کی نظر ڈالتے رہے

فولادی شکرے نے اپنا ہاتھ ہلایا "بکھر جاؤ اور جنگل کے کنارے صفیں بنا لو!"... سب کے سب رومال ہلا رہے تھے کہ دیکھئے وہ ہوش میں آجائے تو کیا ہوتا ہے۔ نہ معلوم چیخ پڑے گی یا نہ جانے کیا کرے گی؟ مگر فولادی شکرے کا حکم ان تمام چیزوں سے زیادہ اہم تھا۔ اور جب اس نے کہا کہ سب لوگ بکھر جائیں، اور ذرا فاصلے پر پھر سے جمع ہو جائیں، تو پھر سب کے سامنے یہی ایک صورت تھی کہ اس حکم کی تعمیل کریں۔ بوائل تانگ کو بھی ان ساتھیوں کے ساتھ ہی جانا پڑا۔

"ساتھیو! اب ہم یہاں اور وقت ضائع نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس عورت کو چھوڑنا پڑے گا۔ اور اگر ہم اس عورت کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو دشمن ہمارے سر پر آ پہنچے گا، اور گھیر لے گا" فولادی شکرے کی نظر بوائل تانگ کے

چہرے پر آ کر رک گئی۔

ایک تو پہلے سے الجھن ہی الجھن تھی، اور پھر لڑائی، اور کوچ کرتے ہوئے کئی گھنٹے گذر چکے تھے، اسے رشتے کی بہن کے ملنے کی کچھ کچھ امید بھی تھی ۔۔۔ اور اب جب کہ وہ مل گئی تو .... "ہمیں اس عورت کو یہیں چھوڑنا ہوگا " یہ جملہ تانگ پر ایسا شاق گزرا جیسے کہیں سے ناگہانی بم پھینکا گیا، اور ٹھیک اسی کے سامنے آ کر پھٹا۔ اُسے جھرجھری سی آئی، وہ تھرایا، اور آنسو کے قطرے اس کی آنکھوں میں اچھل کر آ گئے۔

بغیر یہ سوچے سمجھے کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔ اس نے بڑی تیزی سے اعتراض کیا۔ "نہیں ہم سے یہ نہیں ہو سکتا! کامریڈ کمانڈر ہم اس عورت کو یونہی چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

" وجہ بتاؤ"، فولادی لشکرے کی آنکھوں میں ایک ٹھوس قسم کی سختی سمٹ آئی۔ اور لوگ جو کھڑے تھے وہ خاموش کوتوں کی جھمگٹے کی طرح معلوم ہو رہے تھے، ایسے کوتے جنھوں نے اپنی اپنی چونچ آگے بڑھا رکھی تھی کہ ہر ایک لفظ اچک لیں۔

" میرے پاس بتانے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے قطعی کوئی دلیل نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ انقلاب کیلئے میرا وجود بالکل فالتو اور مفلوج سا ہے۔۔ آپ میری رائفل لے لیجئے۔ میں یہاں اس کے پاس ٹھہروں گا۔ جاپانی آئیں تو آئیں۔ اور ہم دونوں کو اپنی سنگینوں سے مارتے مارتے قیمہ کر ڈالیں۔ آپ لوگ چلے جائیے ...... میں اسے ہرگز چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ اور اگر یہ فوج سے غداری یا ساتھ چھوڑنا ہے تو کامریڈ کمانڈر مجھے ساتھ چھوڑنا پڑیگا اور ساتھ چھوڑنے کی سزا اگر گولی ہے تو مجھے گولی سے اڑا دیجئے۔ میں اسے ایسی حالت میں چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتا......... ہاں اسے بھی گولی سے مار ڈالیے......."

پوری سرگرمی سے اس نے اپنی بندوق نیچے ڈال دی، اور کارتوسوں کی پیٹی، اتار لی، اور اسے نہایت ہوشیاری کے ساتھ رائفل کے برابر رکھ دیا۔" ساتھیو! مجھے معاف کرو۔۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے ناکام ریڈ کمانڈر؟" کمانڈر کی طرف جو اس نے منہ پھیرا تو قلق کی وجہ سے اسکا چہرہ چڑھا ہوا تھا، اور رخساروں پر آنسو جاری ہو گئے تھے۔

فولادی شکرا خاموش رہا، اور چاروں طرف جو کوؤں کا بے حس و حرکت جھمگٹا تھا ان کی طرف سوالیہ نظریں دوڑائیں، کوؤں کے ہجوم نے جواب میں اس پر غور کی نگاہ ڈالی، ان کی نظریں بھی فولادی شکرے سے یہی سوال کر رہی تھیں۔ اس فولادی شکرے سے جس نے آج سے پہلے کبھی کسی بڑے سے بڑے واقعے پر جذباتی آثار ظاہر نہیں ہونے دیئے۔

یہ لمحہ بہت ہی تناؤ اور نہایت غم آلود خاموشی کا گذرا۔ سورج کی کرنیں برچ کے جنگل پر سے ہوتی ہوئی دور کھیتوں پر پھیل رہی تھیں۔ بہت دور اناج کے لمبے لمبے پودے بھی بالکل دم سادھے کھڑے تھے۔

فولادی شکرے نے کہنا شروع کیا: "یہ سوال ایسا ہے کہ ہم سب کو فوراً اسکا فیصلہ کر لینا ہوگا۔ بس زیادہ سے زیادہ تین منٹ ہم دے سکتے ہیں۔"

تین منٹ بھی گذر گئے اور اس درمیان میں سب لوگ اسی طرح ادھر اُدھر منڈلاتے رہے۔ جیسے خاموش کوؤں کا جھمگٹا ہے۔ مگر بوائل تانگ کے چہرے کو وہی فیصلہ ٹھیک رہا تھا جو وہ ایک بار کر چکا تھا۔

"ساتھیو!" فولادی شکرے کے ہونٹ، بوائل تانگ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے وقت ایک طرف کو لٹک گئے اور اس نے بیوہ عورت کی طرف جو ایک درخت کا سہارا لئے پڑی تھی اور اب ذرا سانس کی آمدرفت صاف ہو گئی تھی، ایک نظر تک پہنس

کی۔ اور کہنا شروع کیا ۔۔ کامریڈ تانگ، کیا انقلابی فوج کے سپاہی کو اسی قسم کے جذبے کا اظہار کرنا چاہیئے؟ صرف اس لئے کہ تم اس عورت سے محبت کرتے ہو، یہ چاہتے ہو کہ ہم سب، تمہارے تمام ساتھی موت کے منہ میں چلے جائیں جیسے ہی جاپانیوں کو یہ خبر ملے گی کہ وانگ گھرانے کے گاؤں پر ناگہانی حملہ ہو گیا تو وہ فوراً ہمارے پیچھے دوڑیں گے۔ ایسے میں ہمارا فرض کیا ہے؟ اسوقت جو تم اپنی فوج چھوڑ کر چپکے سے نکل گئے تھے۔ وہ بھی صرف ایک عورت کی وجہ سے ہوا...... اور اب تم پھر وہی حرکت دہرا رہے ہو۔...... ہر بار ہمارے ساتھی حملہ کامیاب کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ لڑائی میں کام آجاتے ہیں۔ آج ہمارے پانچ ساتھی مارے گئے۔ آخر انھوں نے جان دی تو کس لئے دی؟ آخر ہم سب لوگوں نے یہ راستہ کیوں چنا ہے، جو موت کی طرف لیجاتا ہے؟ تم بھی اس انقلابی فوج کے ایک ممبر ہو۔ تمھیں اسکا جواب خود معلوم ہونا چاہیئے۔ آج تم نے ہم سے سوال کیا کہ تمہارے بارے میں فیصلہ کریں۔۔ تمھیں خود بھی ہم سے رحم کی امید بہت کم ہو گی"

فولادی تنکیرے کا چہرہ عام طور پر جیسا تپا اور گمبھیر تھا، اس وقت اور گمبھیر ہو گیا، اور اسکے دہانے کے دونوں کونے اور نیچے لٹک گئے۔ پستول جو اس کے بازو میں لٹکا رہتا تھا، اب اس کے ہاتھ میں آچکا تھا، اور بازو آدھا اوپر اُٹھ چکا تھا۔

مگر اس نے اپنی بات جاری رکھی:۔ اپنے ساتھیوں کو یاد کرو، جو ساتھی مارے جاچکے ہیں.... .... ہر بار جب ان سے مقابلہ آکے پڑتا ہے، تو جاپانی یا ان کے پالتو کتے، ہمارے کچھ نہ کچھ ساتھیوں کی جان ضرور لیتے ہیں! ہمیں ان سے انتقام لینا ہے! یہ ہمارا فرض ہے اکامریڈ تانگ! تمھیں اپنی قوت ارادی کو مضبوط کرنا چاہیئے، اور ہمت سے کام لیکر آگے بڑھو!"

"تانگ کے لئے یہ ساری گفتگو ایسی تھی جیسے ٹھنڈی ہوا کا ہلکا سا جھونکا گذر گیا۔ ہوا کا جھونکا کہ جب وہ پہاڑی کی سپاٹ سطح سے ٹکراتا ہے تو اپنا سارا زور کھو بیٹھتا ہے، اور صدائے بازگشت تک بلند نہیں ہوتی۔ تانگ کا چہرہ اب بھی اسی طرح جذبات سے بھرایا ہوا اور لٹکا ہوا تھا۔ اور رخساروں سے ابھی تک آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

درے کے شگاف سے اُسے اس پار گھر گھراہٹ کا شور اور ہوائی جہاز کا انجن چلنے کی ژراں ژراں آواز صاف سنائی دینے لگی تھی۔ خود ہوائی جہاز اُن کے سروں پر سے پرواز کر کے سامنے والی سڑک کی تلاش میں گذر گیا۔ جنگل بہت دور تک چلا گیا تھا، اس لئے جاپانی فوج نے اندازہ لگایا کہ وہ لوگ گاؤں سے بہت دور نکل چکے ہیں۔ ہوائی جہاز نے فضول اِدھر اُدھر چکر لگایا۔ اور گھنی جھاڑیوں پر ایک جگہ بس یونہی بغیر نشانہ لئے ایک بم بھی ٹپکا دیا۔ اور چلا گیا، اور سب لوگ چھپنے کے لئے اونچی اونچی گھاس کی طرف دوڑے، جو اس طرف سب سے زیادہ اونچی نظر آئی۔ توپ کے داغنے کی آواز صاف سنائی دینے لگی تھی۔ ظاہر تھا کہ توپ کا رخ گاؤں کی طرف ہے۔ کیونکہ جاپانیوں کو نشبہ ہوگا کہ ان کے کچھ نہ کچھ دشمن اسی گاؤں میں چھپے ہوں گے۔

کم سے کم ایسے موقع پر بوائل کو کسی سے یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ کود کر ایک دم اونچی گھاس کی طرف پہونچا، اور "ساتویں بہن" کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لے گیا۔ اب وہ اپنی آنکھیں کھول سکتی تھی، اور اس چوڑی چھاتی کے جوان کو پہچان سکتی تھی جو اس کے پہلو میں گھاس کے اندر دبا ہوا تھا۔ یہ تو وہی چاہنے والا تھا جس کی بہت دیر پہلے کٹھن گھڑیوں میں سخت ضرورت تھی۔ اس کیلئے بڑا کرب کا عالم اس نے گذارا تھا۔

"اف خدا! تم ہی ہو؟" شروع میں جو اس نے بولنے کی کوشش کی تو ہونٹوں پر خون جمنے کی وجہ سے، بولنا دوبھر ہو گیا۔ اس نے پوری طرح آنکھیں کھولیں، جتنی جان باقی تھی اس سے کام لیکر پوری قوت کے ساتھ نوجوان کسان کے کاندھے پکڑ لئے۔ "کیا میں مر چکی ہوں؟ کیا میں اسی وقت مر چکی تھی؟ یا تم خواب میں مجھ سے ملنے آئے ہو۔؟ — ہائے میرا بچہ — میرا بچہ کیا ہوا؟"

بس صرف اتنی قوت تھی کہ اس نے اپنی آنکھیں اور پھاڑ لیں۔ اب رونے پیٹنے کے لئے آنسو بھی باقی نہ تھے۔ اور اس کی آنکھوں کے پھٹنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسقدر حیرت میں مبتلا ہے، نظر جو پڑی تو اس نے دیکھا کہ بوائل تانگ کے پاس بندوق بھی نہیں ہے۔

"تمہاری بندوق کیا ہو گئی؟" اس نے سوال کیا۔ "تمہاری رائفل کہاں رہ گئی؟ تمہارے پاس کیوں نہیں ہے — ؟ کیا تم نے جاپانیوں کو اپنی رائفل چھنوادی؟"

اس وقت تانگ کو اپنی رائفل یاد آئی، اور اسے یاد آیا کہ اس نے جس جگہ بندوق اور اس کی پیٹی اتار کر ڈالی تھی وہ ابھی وہیں پڑی ہو گی۔

"کسی وقت تم مر جاؤ گی لیکن ابھی نہیں۔ ورنہ یہ ہو گا کہ ہم سب کے سب مارے جائیں گے۔ کیونکہ کمانڈر مجھے تمہیں اپنے ساتھ لیجانے نہیں دیگا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم خود اپنے پیروں سے چلنے کے قابل نہیں ہو۔ اور کمانڈر مجھے ابھی گولی سے اڑانے والا تھا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ ہم دونوں کو گولی مار دو! میں نے اس سے درخواست کی کہ مجھے ہی گولی مار دو۔ .... اچھا ہے ہم دونوں کا گوشت پوست یہاں خاک میں ملتا رہے گا .... ایک بار ہم جی بھر کے تھوڑی دیر کے لئے سہی مگر ایک دوسرے سے مل تو لیں گے" تانگ بچوں کی طرح چیخنے لگا، اور رونے

رہتے اسکا پیٹ دھونکنی کی طرح کھنچنے لگا۔

"بچے بن گئے؟ تم نے اپنے ساتھیوں سے کیوں کہا کہ وہ مجھیں گولی سے اڑا دیں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ واقعی وہ مجھیں گولی مار دیں گے؟ جاؤ اپنی بندوق اٹھا کر لاؤ! میں تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی، تم سمجھ رہے ہو کہ میں اتنی کمزور ہوں کہ چل بھی نہیں سکوں گی؟ ___ میں ہرگز کمزور نہیں ہوں ...... ہرگز نہیں"

یہ دکھانے کے لئے کہ وہ بہت تھکی ہاری نہیں ہے، رشتے کی بہن اپنے پیروں پر زور ڈال کر اٹھی کوئی بات نہیں، اگر زیادہ زور نہ پڑ سکا، اس میں دیر تک کھڑے رہنے کی قوت نہ تھی، ٹانگیں رہ گئیں، اور اس درد کی شدت سے جسکا اظہار نہیں کر سکتی تھی، وہ پھر بیٹھ گئی، اس کی آنکھیں اوپر پھیل گئیں اور ہاتھ بہت ضعف کے ساتھ پھیلائے جن سے پوری طرح اشارہ نہ ہو سکا، بہت دیر تک اس کے ہونٹ ہل رہے تھے، مگر ان سے کوئی آواز، کوئی بات نکلنے نہ پاتی تھی، اس کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے کسی مچھیرے کی کشتی میں مچھلی پڑی ہو، اور جو کچھ قوت رہ گئی ہو اسی کے بل پر وہ بار بار تڑپ رہی ہو۔

"تانگ ...... جاؤ اپنی رائفل اٹھا لاؤ ___ اب میں بے کار ہو چکی ہوں ......"

بندوق چلنے کی آواز نے پورے جنگل کو ہلا دیا، اونچی اونچی گھاس میں چھپے ہوئے اپنی کمین گاہوں سے گولی کا جواب دینے لگے۔ سبز خود پہنے ہوئے جاپانی سپاہی اور ان کے ساتھی منچوکو والے بھوری فولادی ٹوپیاں کسے ہوئے، بڑی تیزی کے ساتھ درختوں میں چکر کاٹنے لگے۔ انھوں نے ایک ڈھیلا ڈھالا گھیرا بنا لیا۔ جس کے سرے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، تاکہ چھوٹا سا فوجی دستہ نرغے میں سے نکل نہ جائے، مشین گنوں کی لگاتار بوچھاڑ نے اس سکڑتے ہوئے حلقے میں

ایک طوفان مچا دیا۔ زمین سے لگی لگی گولیاں تیزی سے چلنے لگیں، جنھوں نے ذرا زیادہ سیدھے درختوں کے تنے شق کرڈالے۔ اور کچے پودوں کو اڑا دیا......
تھوڑی تھوڑی دیر میں کوئی پودا ٹوٹ کے گرتا، بیچ میں سے کٹ جاتا، یا جنگلی جھاڑیوں کے ریشہ ریشہ بکھرے فضا میں اڑ جاتے۔

"ساتھیو! جھنڈے اٹھاؤ — آگے بڑھ چلو!" فولادی سشکرے کا لمبا چوڑا جسم گھاس میں سے اچھلا، اسکے اوپر لٹکے ہوئے پنجے میں بہت سختی سے پستول حرکت کر رہا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں سیٹی تھی جسے وہ بجا رہا تھا۔ پوری قوت سے بجا رہا تھا تاکہ دست بدست لڑائی کا اشارہ مل جائے۔ یکے بعد دیگرے اسکے پیچھے ساتھی کود کود کر آتے گئے۔

ابھی جہاں ذرا دیر پہلے کارتوسوں کے دھویں کے بادل دکھائی دیتے تھے، اور فضا میں صرف گولیوں کی باریک مگر جگر خراش سنسناہٹ سنائی دیتی تھی اب وہاں ہر چیز مار دھاڑ اور ہائے ہائے کی چڑھتی ہوئی آوازوں میں ڈوب چکی تھی۔

"بڑھو یا جان دیدو — لڑ دیا مر جاؤ — بالکل جان توڑ کے۔"

یہ ٹولیاں اپنے پھیلے ہوئے جھنڈے کے پیچھے آگے بڑھتی گئیں، ایک بار پھر انھیں بے قرار سمندر کی لہروں پہ آگے بڑھنا تھا۔

چھٹا باب ۶

وہ اسکی عورت تھی

درختوں کی پتیوں سے چھن چھن کر خنک چاندنی گرنے لگی، اور اس کی نرم لطیف روشنی میں لمبی گھانس کی پتیاں دھیرے دھیرے جھولنے لگیں، ہر طرف پیڑے، مکوڑوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ زرد، زرد گیندے جیسے پھولوں کی مہک سے ہوا بوجھل ہو گئی تھی۔ کیونکہ اسی مہک میں رات کی نم آلود باس بھی دلدوز طریقے سے گھل مل گئی تھی، ذرا ذرا دیر بعد کوئی جھینگر نظر کے سامنے اچھلتا اور بے پروائی سے ٹرٹرانا شروع کر دیتا، جو پودے ٹوٹ ٹوٹ کر رد ہوئے تھے، اور بڑے بڑے درختوں کی ٹہنیاں جو ٹوٹ گئی تھیں ان میں سے کچھ نیچے گر گئی تھیں، اور زمین پر کس مپرسی کی حالت میں پڑی تھیں، اور کچھ شاخیں ٹوٹے ہوئے درختوں سے لگی رہ گئی تھیں۔ کیونکہ ریشوں نے انھیں سنبھال رکھا تھا، رات کی تاریک چمک میں درختوں کی ٹوٹی ہوئی لکڑیاں، اور شگاف دیکھنے میں ایسے خوفناک معلوم ہوتے تھے جیسے بھوتوں کے ڈھانچے ہیں جن کی ہڈیاں کھلی پڑی ہیں، ٹوٹی ہوئی شاخوں

ابھی تک پتیاں زندہ رہنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

بیوہ بہن نے بوائل تانگ کے جسم کو دیکھا جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر پڑا تھا۔ اس کی ٹوپی سر سے ذرا دور پڑی تھی .... تنا نے ابھی تک جوتے تھے .... اور ٹانگیں پوری طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کی بندوق ایک طرف پہلو میں پڑی تھی، اور بندوق کے برابر کارتوس کی پیٹی تھی۔

بچے پر کیا گذری تھی؟ اب اسے یہ بھی یاد نہیں رہا۔ کہ اس نے خود اپنے بچے کو پتھر پر پٹخ دیا تھا، یا کسی اور نے یہ ظلم ڈھایا۔ مگر اب اسکا دماغ بالکل صاف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بچہ حقیقتاً مر چکا ہے، اور اسکا چاہنے والا نوجوان بھی دم توڑ چکا ہے۔ وہ کیسے مرا؟ ۔۔۔ اُسے رہ رہ کر وہ وقت یاد آیا جب جاپانی سپاہی ادھر کے آدمیوں پر حملہ کرتے ہوئے جنگل میں گھس آئے تھے، تانگ کُود کر گیا کہ اپنی رائفل اٹھا لائے، اور وہیں آدھے درجن گولیوں نے فوراً اسکا جسم چھلنی کر دیا سر اور دماغ سے گولیاں آر پار ہو گئیں ۔۔ گولیاں کھاتے وقت نہ وہ چیخا اور نہ کراہا، اور ایسا معلوم ہوا جیسے اسکا آخری سانس ایک لمبی سی آہ تھی اور بس۔ اسکے بعد جیسے ہی فولادی لشکر سے نے اپنا پستول اس طرف گھمایا تو سب ساتھی پاگلوں کی طرح اس کی لاش کو روندتے ہوئے ایسے دوڑے کہ انھیں لاش کا خیال تک نہ آیا۔ یہ دیکھتے ہی وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔

اب وہاں کوئی نظر نہ آتا تھا، نہ نوجاپانی تھے، نہ اپنے ساتھی تھے نہ فولادی لشکر تھا ...... کچھ نہ تھا ۔۔ اور اگر کچھ تھا تو رات کی مبہم سی غم انگیزی ۔۔۔!

پہلو میں زمین کے اندر ۔۔۔ اس کی انگلیاں گڑ گئیں۔ اور پھر وہ اپنے خیالات کی گرفت میں پہونچ گئی ۔۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ فصلِ خزاں کا ایک ناتواں

پتہ ہے جو زبر دست سمندر کی لہروں میں دور تک بہا چلا جا رہا ہے۔ اگر ایسے میں ہوا کے جھونکے اور طوفان کا ہنگامہ بھی بند ہو جائے اور سمندر میں سکون بھی پیدا ہو جائے تو کسے خبر ہے کہ کبھی کنارہ نصیب ہو گا یا نہیں؟ وہ رائفل کی طرف رینگتی ہوئی بڑھی۔ اگر اسے خود کو ختم کرنا ہے تو رائفل اٹھانا کیا مشکل ہے، اور پھر کارتوس بھی موجود ہیں اس نے کوشش کی کہ اپنے آپ کو سہارا دیکر کسی طرح بٹھا لے، یہ کام زیادہ مشکل نہ تھا، اس کے بعد اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی، مگر اس کوشش میں اسے شکست ہوئی، اور وہ پھر زمین پر گر پڑی۔ اس کی ٹانگیں بالکل بیکار ہو چکی تھیں، ٹانگوں میں جان نہیں تھی۔ کپکپانے اور تھرانے لگیں۔

کسی خواہش نے اسے آگے بڑھایا، آخر کار وہ کئی بار کوشش کرنے کے بعد اس قابل ہو گئی کہ ایک تنے کا سہارا لیکر سیدھی کھڑی ہو سکے۔ اس نے دانت بھینچ لئے۔ جسم کی ہر ایک حرکت نہایت تکلیف دہ اور دشوار تھی۔ ہر چیز اُسے پھر سے گرانے پر مائل تھی کہ وہ پھر زمین پر لیٹ جائے اور موت کا انتظار کرے۔ مگر اسمیں ابھی جینے کی خواہش تھی، اور یہ خواہش اسے بار بار پکار کر کہہ رہی تھی کہ جتنے مصائب آئیں، جتنی بلائیں ٹوٹیں، سب سہہ جاؤ، تاکہ تم زندہ رہ سکو۔

پاجامے کے پائینچے اتنے پھٹ گئے تھے کہ وہ اس کے حرکت کرنے میں حائل ہونے لگے۔ اس نے پاجامہ بالکل اتار پھینکا، اور دور ڈال دیا۔ اس برہنگی کے عالم میں وہ سرکتے سرکتے اپنے چاہنے والے کی لاش تک آگئی۔ اور مرنے والے کے سینے کو تکیہ بنا لیا، کیا سینہ تھا۔ بھرا ہوا۔ سخت اور چوڑا سینہ...... وہ اس سینے سے کتنی مانوس تھی۔ کیسا قوی سینہ تھا؟ آج بھی تانگ کا سینہ اسے بہت مانوس معلوم ہوا......مگر — خدایا! یہ کتنا سرد ہو چکا ہے۔ جب کبھی وہ ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو کے پھنس جاتے تھے

تو تیز تیز سانس کی آمد و رفت اور تھوکا ڈالنے والی حرکتوں سے یہ سینہ کیسے مدّو جزر لیا کرتا تھا ــــ جن سے وہ گھبراتی بھی تھی، اور چاہتی بھی تھی، اس نے چوڑے سینے کو سوں سے بوسہ دیا کہ کسی طرح اس میں گرمی آجائے ــ اسے معلوم تھا کہ بوسوں کی حرارت سے اس لاش میں جان نہیں پڑ سکتی کہ وہ پھر ایک بار اٹھ کر اپنی رائفل سنبھال لے۔ اور دشمن سے لڑنے کے لئے نکل جائے۔ اور وہ ایسا دلیر، اور ایسا جاں باز ثابت ہو جیسے اس کے اور ساتھی ہیں۔ جیسے فولادی تنکرا ہے اور ان سبھوں کے ساتھ وہ سمندر کی لہروں کی طرح دشمن پر ٹوٹتے ....؟؟ جانتی تھی کہ یہ امید ایسی ہے جسے دیر تک باقی رکھنے کی اسمیں ہمت نہیں ہے ..... مگر پھر بھی وہ اسی طرح امید باندھتی رہی جیسے اس کے اندر تمام تر یہی امید کا خزانہ بھرا ہوا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ مردہ لاش کو بوسے دیتی رہی ــــ لاش بڑی تیزی سے اکڑتی جارہی تھی۔

"سو جا، لڑکے سو جا۔ اپنی ماں کے سپوت .... بڑی پیاری جگہ ہے یہ .... یہاں خوب نیند آئے گی ..... تیرے ساتھی تجھے یاد کیا کریں گے۔ تیرا خیال ان سے بھلایا نہ جائے گا .... تیرے بھائی تجھے یاد کیا کریں گے۔ اور تیرے گوشت اور خون سے اس جنگل کے درخت سیراب ہوں گے ......"

مردہ جسم کی پیاری محبوب کے آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

بیوہ عورت نے تانگ کے کپڑے اتارے اور انھیں سے خود اپنا جسم ڈھانک لیا، اور کارتوسوں کی پیٹی اپنی کمر میں لگالی۔ اس کی رائفل اٹھا کر وہ اس کے پہلو میں پھر ایک بار جھکی۔ "انتظار کرو۔ کچھ اور انتظار کرو۔ ماما تمہارا انتقام لے گی ــ انھیں جھاڑیوں میں، اسی جنگل میں سوتے رہو ...... تمہارے ساتھی ضرور تمہارا خیال کریں گے۔ اما تمھیں نہیں بھول سکتی .... سو جاؤ، آرام کرو ــــ ہم تمھیں

بھلا نہیں سکتے"

جما کے اس نے پہلا قدم رکھا، ایسا قدم جس میں کافی مشقت کرنی پڑی۔ اور وہ جنگلی جھاڑ جھنکاڑ میں سے سنبھلتی ہوئی چلی۔ گری ہوئی ٹہنیاں اس کے پیروں کے نیچے کچلی گئیں، اور وہ نہایت نفیس جا بجا چھنکی ہوئی چاندنی میں چلتی گئی، چاندنی جو بے پناہ رات کے سینے پر سوار تھی، اور پہاڑیوں کی بلند ترین چوٹیوں پر بھی پھیلی ہوئی تھی۔ بوائل تانگ تن تنہا پڑا رہ گیا۔ اور لمبی لمبی گھاس میں کیڑے مکوڑے ترّاتے رہے۔ چاندی جیسی ڈھلی ہوئی روشنی میں جھینگروں کا بے ہنگم شور برپا رہا، وہ چپ ہوتے اور پھر کرّ کرا: شروع کر دیتے۔ سانولی بیوہ جس گھاس پر پیر جما کر گزرتی وہ دبنے کے بعد بھی سر اٹھا لیتی۔

اب جائے تو کہاں جائے؟ اس نے بوائل کی بندوق کاندھے پر رکھ لی تھی۔ کیا سچ مچ وہ بوائل تانگ کے خون کا بدلہ لے سکے گی؟ چوٹی سے ایڑی تک پسینہ آ گیا۔ پاؤں دکھنے لگے، اور وہ نڈھال ہو کر رہ گئی۔ یہاں پیٹ میں غذا ڈالنے کی بھی کوئی امید نہ تھی، اگر کھانے کا سامان ملنے کی کچھ امید تھی تو لنگ چاؤ کانگ پہونچنے کے بعد تھی۔ مگر اسے ادھر جانے کا راستہ بھی معلوم نہ تھا۔ ایک ایک قدم چلنا دشوار تھا۔ وہ رینگتے رینگتے پہاڑیوں کی بلندی پر چڑھتی گئی۔ اور وادیوں میں اترتی گئی۔ جنگلوں اور کھیتوں کو اس نے طے کیا...... ساری دنیا، اس نے سوچا کہ لگاتار پہاڑیوں اور وادیوں سے، اتاہ جنگلوں اور کھیتوں سے بھر پور ہے اور ان سب سے مل کر دنیا بنی ہے، وہ اتنی نڈھال ہو چکی تھی کہ بس بیٹھ کر چیخنے اور پکارنے اس کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ چیختی رہے یہاں تک کہ ذرا سکون ہو جائے اس کے بعد رائفل پھر بازو میں اٹھالے۔ جیسے رائفل نہیں بلکہ وہ اسی کا بچہ ہے اور پھر اپنے ناتواں جسم کو راستے پر کھینچنا شروع کر دے۔ اسکا چاہنے والا جو جنگل

میں آخری نیند سو رہا ہے۔ اب اُسے پکار کر نہیں روکے گا۔ وہ اپنے بچے کا انتقام لینے کیلئے جتنی مصیبتیں آئیں گی سب اٹھائے گی۔

تھکن سے چور قدم اُسے رُکتے رُکاتے ایک بہت ہی تنگ، پیچدار پہاڑی راستے پہ لے آئے۔ چاند بالکل اوپر تھا۔ صاف اور خنک تھا۔ اور ستاروں کی چمک دمک اس کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔ بیوہ عورت کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اسے تو صرف اپنے مصائب کا انتقام، اپنے چاہنے والے اور اپنے بچّے کا بدلہ لینے کی فکر تھی۔ اس میں اتنا دم کہاں سے آ گیا کہ وہ ساری چوٹیاں پار کر آئی، راستے کے جھاڑ جھنکار اور کھیت طے کر لیئے اور بس اب اپنی منزل چاؤ کانگ پر پہونچنے والی ہے، ان باتوں کے علاوہ اسکے دماغ میں اور کوئی خیال ہی نہ تھا۔ اسوقت وہ پرانی داستان اُسے یاد نہ آئی کہ تی بھائی سے اس کی شادی کیسے ہوئی۔ یا بوائل تانگ کے ساتھ پہلی ملاقات کیسے گزری، یا وہ وقت، کہ گاؤں میں انقلاب کیسے آیا، بوائل تانگ کیسے اس کے سامنے اپنی ہمت اور دلیری کا اظہار کرتا تھا جیسے کوئی بچہ سپاہی بن کر اکڑتا پھرتا ہے۔

"ادھر دیکھو — تی بھائی کی بیوی! یہ میرے پاس بندوق دیکھ رہی ہو؟ میں جاپانی سپاہیوں سے لڑنے جا رہا ہوں۔ ارے معلوم ہے تمھیں؟ میں انقلابی فوج میں شامل ہو گیا ہوں! اب کے میں اُن کے ہاتھ سے مارا گیا تو تم دوبارہ بیوہ ہو جاؤ گی۔ تمھیں اس سے ڈر نہیں لگتا۔ وہ ہمیشہ ایسی باتیں کرتا تھا۔ جیسے گانا گا رہا ہے۔ تی کی بیوہ اسکے کاندھے پہ ایک دو ہتڑ رسید کر دیتی۔ اور اس کی آنکھیں محبت کی گرمی سے مسکرانے لگتیں، کبھی کبھی وہ اپنے انداز سے یہ یقین کرانے کی کوشش کرتی کہ اسپر سخت ناراض ہو رہی ہے، تاکہ وہ کسان لونڈا گھبرا جائے۔

وہ گاؤں میں امن چین کے دن تھے، ابھی جاپانیوں کا وجود نہیں آیا تھا۔

ڈاکوجنھیں عام طور پر لوگ "ہوشو" کہہ کر پکارتے تھے، وہ بھی ایسے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور ان میں اور غریبوں میں فرق ہی کیا تھا؟ اسکا پہلا شوہر لی توان سب لوگوں سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، اکثر ڈاکو بھی ان کے الگ تھلگ چھوٹے سے گھر میں آیا کرتے تھے، عام طور پر رات کا کھانا کھانے، اور وہ خود ان سب کو جاننے پہچاننے لگی تھی، اکثر انھیں چھیڑ دیا کرتی تھی۔ سرکاری فوج والے اور ڈاکو ایک ہی چیز تھے، بس فرق صرف اتنا ہی ہوگا کہ ڈاکوؤں کا برتاؤ عام طور ذرا بہتر ہوتا تھا۔

جب کبھی بوائل تانگ اس کے سامنے اپنے انقلابی فوج میں شریک ہونے کی شیخی بگھارتا تو وہ ہمیشہ اس سے ایک چبھتا ہوا مذاق کرتی — "بہتر یہ ہے کہ تم اپنی بندوق ماما کو دیدو، اور دیکھو وہ اس بندوق سے جاپانی سپاہی کو کیسے نشانہ بناتی ہے۔ ابھی تو تمہارے منہ سے دودھ کی بو آرہی ہے، اور تم سچ مچ کی بندوق سے کھیلنے چلے ہو، ذرا ہوشیار رہنا، کہیں دھوکے میں بندوق چل جائے، اور تم دھڑام سے نیچے آؤ۔ پھر تم روتے پھروگے، اور ماما کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ تمھیں اٹھائے اور دھو دھلا کے ٹھیک کرے، گھر میں تمہارا ایک اور چھوٹا بھیا بھی ہے جس کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے"

واقعہ یہ ہے کہ بوائل اپنے گاؤں میں نشانہ بازی میں مشہور تھا۔ وہ اڑتی چڑیا کے بازو پہ نشانہ مارتا تھا، یا سو قدم کے فاصلے پر کارتوس کا ڈبہ دیوار میں لگا کر اس پر نشانہ چلاتا تھا۔ اسکا نشانہ اتفاق سے کبھی خطا کر جائے تو کر جائے ورنہ ہمیشہ ٹھیک بیٹھتا تھا۔

تی کی بیوہ انقلابی فوج کو اس کے جھنڈے کے سائے میں گانے گاتے ہوئے یا اپنے نعرے لگاتے ہوئے دیکھ چکی تھی، جنرل ان کے سامنے

زور دار تقریر کیا کرتا تھا، ایک ہاتھ سے اپنی بیٹی دبلے رہتا تھا، اسکا چہرہ لال، اور آواز نہایت بھاری، کرخت اور گلوگیر ہوتی تھی۔ گاؤں بھر کی عورتیں اس کی باتیں سننے کے لئے جھانکا کرتی تھیں۔ بغیر یہ جانے ہوئے کہ وہ خوش ہیں یا غمگین، اس زمانہ میں اکثر اُسے خیال آیا کہ اگر میری گود میں یہ بچہ نہ ہوتا جس کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے تو میں بھی بوائی تانگ کی طرح اپنے کندھے پر رائفل سنبھال لیتی۔ یا جس طرح فوج کے اور لوگ بندوق لئے پھرتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی بندوق اٹھاتی اور جاپان کے خلاف بغاوت کا جھنڈا اٹھانے میں سب کے ساتھ رہتی۔

وہ چھوٹا سا آدمی جب بولتا تھا تو اس کی آواز ایسی اچھی نہیں تھی کہ سننے میں مزا آئے، اور نہ اس کے الفاظ و محاورات اس طرح ادا ہوتے تھے جس طرح ایک فاضل آدمی انھیں پیش کر سکتا ہے۔ مگر ہاں ایک بات تھی کہ وہ اپنی تقریر سے اپنے سننے والوں کا دل موہ لیتا تھا۔ اور انھیں اپنے خیالات کی طرف مائل کر لیتا تھا۔ تمام عورتوں کے گالوں پہ آنسو رواں ہو جاتے تھے۔

"ساتھیو! ..... مرد اور عورتو۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کے زمانے سے یہاں رہتے چلے آ رہے ہیں۔ اس درخت کو دیکھو، اس کنوئیں کو دیکھو، اس دیوار کے پتھر کو دیکھو، ان مکانوں کی بنیادیں، ان کے شہتیر — یہ جو کچھ بھی ہیں اس لئے ہیں کہ ہمارے باپ دادا نے ان کو یہاں تیار کرنے میں محنت کی تھی، مشقت اٹھائی تھی — ہمارے پرداداؤں پہ، ہمارے آباؤ اجداد پہ چنگ خاندان کے حرام خوروں کا گٹ حکومت کرتا رہا، ہم نے انھیں لگان ادا کیا، پیداوار میں سے محصول ادا کیا اور انھیں اپنے اوپر شاہنشاہی کرنے کے موقعے دیتے رہے۔ بھلا ہمیں شہنشاہ کی ضرورت کیوں پڑتی تھی؟ اس کے بعد چانگ زولن باپ اور اسکا بیٹا ہم پر حکومت جتانے لگے۔ انھوں نے سپاہیوں کو تیار کیا، لڑائیاں لڑیں۔ ہتھیار گھر بنائے

...... صرف اس لئے کہ خدا کی زمین کا جو گوشہ اُن کے ہاتھ پڑا ہے اُسے دبائے رہیں۔ انھوں نے ہمیں فریب دیا۔ اور ہمیں بتاتے رہے کہ یہ سب قوم کی حفاظت کے لئے کیا جا رہا ہے۔ انھیں جاپانیوں سے لڑنا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ جاپانی آ گئے اور چانگ خاندان کے پورے ٹَٹ میں سے کسی نے جاپانیوں کے مقابلے میں بندوق تک نہیں اٹھائی، بلکہ خود بھاگ نکلے، کیونکہ ان کی جیبوں میں روپیہ چھن چھنا رہا تھا وہ جہاں کہیں بھی جائیں گے، عیش و عشرت میں بسر کریں گے۔ اور اپنی ساری رقم غیر ملکی بینکوں میں بھر دیں گے ......"

بولتے وقت جنرل اپنے مکّے سے فضا پر ہاتھ مارتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اور اس کی آواز میں اتنا غصّہ تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسی طرح مکّے مار مار کر زمین کا سینہ شق کر دیگا، اور انھیں گھونسوں سے ایک ایک جاپانی کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا...... جو لوگ اس کی تقریر سُن رہے تھے وہ بالکل سیسے کی گانٹھیں بن گئے تھے جنھیں اپنی جگہ سے حرکت ہی نہ ہوتی تھی، اور نہ وہ وہاں سے حرکت کرنے والے تھے۔ اور وہی بھدی اور کرخت آواز اُسی طرح خطاب کئے جاتی تھی۔

"اب روزانہ جاپانی چلے آ رہے ہیں، اور روز بروز جاپانی سپاہیوں کی درندگی اور بے دردی بڑھتی جاتی ہے، اور کوریا والے بھی ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم کو قطعی طور پر نکال باہر کریں۔ ہمارے گھروں میں وہ خود رہیں اور ہمارے کھیتوں کو کاشت کریں، بوڑھے جانوروں اور گھوڑوں کو یہ لوگ مار ڈالیں گے۔ ہمارے بیٹے اور پوتے پھر یہاں نہیں رہ سکیں گے" ___ جب جنرل نے بیٹے اور پوتے والا جملہ ادا کیا تو حاضرین میں تمام بوڑھے آدمیوں کے دل پر چوٹ لگی اور ان میں سے ہر ایک نے آہ بھری۔

"کیوں؟ ـــ آخر یہ حرام خور جنھیں جاپانیوں سے لڑنا تھا، کیوں بھاگ گئے ـــ؟ اب یہ تباہی کس پر نازل ہوگی؟ بس ہمیں غریب عام آدمیوں پر مصیبت ٹوٹے گی نا؟ کیا ہم اسکا انتظار کریں گے جاپانی سپاہی آئیں اور ہمیں یہاں سے نکال باہر کریں ـــ کیا ہم انھیں اتنی مہلت دیدیں کہ وہ ہمیں پانی کے جانوروں کی خوراک بننے کے لئے سمندر میں پھینک دیں؟ ـــ کیا ہم اپنی موت کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے ـــ؟"

"نہیں نہیں! یہ نہیں ہوسکتا ہم ان کے مقابلے میں اپنی جانیں لڑادیں گے۔ ہم لڑیں گے!"

سارا ہجوم بیک وقت چلاّیا۔ یہ ان کے عزم کا ناگہانی مگر متحدہ نغمہ تھا جو پہاڑیوں سے ٹکرا کر پلٹا۔ دیوار کی جڑ میں اونگھتے ہوئے کتے جو زبانیں نکالے ہوئے ہانپ رہے تھے شور سن کر نیند سے چونک پڑے اور دہشت کے مارے نکل بھاگے۔

مجمع کے پیچھے دو ایک شرارتی نوجوانوں نے کتوں کو ہنکادیا، اور اس قسم کے تیور دکھائے جن سے کسی شریفانہ سلوک کی امید نہیں ہوسکتی تھی۔ "ہاں! تو ہمیں یقیناً ہمیں اپنی جانیں لڑانی ہوں گی۔ ہم لوگ جاپانیوں کے خلاف انقلابی فوج ہیں! تم میں سے ہر ایک جو ایڑیاں رگڑ کر مرنا نہیں چاہتا ہم میں شریک ہو جائے ..... ہم اپنی قوت سے اپنی حفاظت کریں گے، ہمارے ساتھی منچوریا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، سارے چین میں پھیلے ہوئے ہیں، اور عنقریب وہ دن آنیوالا ہے جب کہ ہم سب متحد ہوجائیں گے۔ اور اس قسم کی حکومت بنائیں گے جیسی حکومت ہمیں چاہئیے! ہمیں ان چینگ خاندانوں میں کسی کی ضرورت نہیں ہے، ان چانگ گھرانوں کی ضرورت نہیں ہے، ان کے منچوکو، سپاہیوں کی ضرورت نہیں، ان میں سے کوئی بھی ہمیں انسان سمجھ کر سلوک نہیں کرتا، بلکہ ہمیں تو یہ اپنا غلام سمجھتے ہیں، ہم سب کے سب

مر بھی جائیں تو انھیں ذرا فکر نہیں، اور اب جاپانی سپاہی زنداں تنگ کو دتہ سے مشرقی علاقے کا شہنشاہ بنانے کے لئے لا رہے ہیں۔ یہی ثبوت کافی ہے۔ ہم آخر غلام بن کر کیوں رہیں؟ غلام رہنا ہم نہیں چاہتے، اور نہ یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ جاپانی سپاہی ہمیں مار مار کر نکال دیں۔ .... ان کے ہاتھ سے ہم قتل کئے جائیں۔ ہم اپنی حکومت خود بنائیں گے، لیکن اس سے پہلے جو چیز ہمیں کرنی ہے وہ یہ کہ ایک ایک جاپانی سپاہی کا خاتمہ کردیں، جو یہاں ہمارا قتل عام کرنے آرہے ہیں! ایک ایک جاپانی جنگ پرداز کو صاف کر دو، اور ان کے پالتو کتوں کو بھی! انکا اس طرح خاتمہ کرو کہ ایک بھی نہ بچنے پائے۔ صرف اسوقت جبکہ ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچے گا، ہماری زندگی یقینی ہوگی۔ اور پھر ہمارے بیٹوں کی ـــ بیٹوں کے بیٹوں کی زندگی یقینی ہوگی ...... "

نوجوان کسان سب کے سب اپنے گھر چلے گئے۔ تاکہ اپنی اپنی بندوقیں ٹھیک کرلیں، بوڑھوں نے ان سے آسرا لگایا، اور اس دن کے بعد سے گاؤں کی عورتیں دل سے تمنا کرنے لگیں کہ ان کے مرد "عوام کی جاپان دشمن فوج" میں شریک ہوجائیں۔ لی کی بیوہ رات بھر سوچتی رہی یہاں تک کہ دن چڑھ گیا، بچے کا سوال اس کے پاؤں پکڑ لیتا تھا۔ اگر بچے کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ بھی جنگی فوج میں بھرتی ہوجاتی جس طرح گاؤں کے مرد گئے تھے، اور انھی کی طرح پہاڑیوں پر رینگا کرتی اور جاپانیوں کو وہ اور اس کا چاہنے والا دونوں مل کر کاٹ ڈالتے ......

مگر یہ سب باتیں گئی ہوئی کل کا خواب تھیں۔ ماضی کی ایک تصویر جسے اس کی یاد نے پھر تازہ کر کے نقش ابھار دیئے تھے، بچّہ تو اب ختم ہوچکا، اور چاہنے والا بھی موت کی نیند سوچکا، عجیب بات ہے کہ اسوقت اس کے کاندھے پر بندوق

بھی دھری ہوئی ہے، وہ بندوق جو اسکا چہیتا بوائل اپنے بعد اسکے لئے چھوڑ گیا تھا۔ اور اسوقت وہ بالکل مردوں کی طرح بنی ہوئی تھی۔ اب سے پہلے عام دنوں میں تو کبھی اس کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا ہو گا کہ ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے۔ یہ واقعہ بھی پیش آجائے گا۔

درختوں میں سے تھوڑے فاصلے پر دھندلا سا نظر آیا کہ کیمپ میں جیسی آگ جلا کرتی ہے، اس قسم کی آگ جلنے کی روشنی آرہی ہے۔ اور یہ روشنی دیکھتے ہی اس کی ساری محویت غائب ہو گئی۔

اس کی ناک عقاب کی طرح آگے کو نکلی ہوئی تھی، اور آنکھیں اندر حلقوں میں دھنس گئی تھیں، دونوں بازوؤں میں لکڑی کے تنکے اور کاٹ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ آگ کو پھونکتے پھونکتے اسکا چہرہ کسی قدر بے رنگ لالی سے تمتما رہا تھا۔ گالوں کی ہڈیاں جبڑے اور ہونٹ الجھی ہوئی مونچھوں سے ڈھکے ہوئے تھے قمیض کی ایک آستین بالکل پھٹ چکی تھی اور اس سے ایک چیتھڑا ابھی جھول رہا تھا، اس کے سر کی چندیا بالکل سپاٹ تھی اور چاندنی میں خود پرچھائیں دے رہی تھی، پشت پر سے ہائے وائے اور کراہ کی ملی جلی آوازیں آرہی تھیں، یہ آوازیں ان میں کچھ لوگوں کی تھیں جو کئی درجن کی تعداد میں زمین پر پھیلے پڑے تھے، اور درد کی شدت کو خاموشی سے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

فولادی تنکرے نے فکر مندی کے ساتھ اپنا سر اٹھایا تاکہ کراہ کی آوازوں پر ایک نظر ڈال سکے "کیوں ساتھیو! درد بہت سخت ہے کیا؟" ذرا اپنی پٹیاں کس کر باندھ لو۔ تھوڑی دیر تک اور تکلیف برداشت کرنی پڑے گی، ہسپتال والا دستہ بہت جلد یہاں پہونچ جائے گا۔ جس ساتھی کو اسپتال والا دستہ بلانے کے لئے بھیجا تھا اسے گئے ہوئے بھی کافی دیر ہو چکی ہے۔ کیا حالت زیادہ خراب ہوتی جارہی

ہے؟ تم تو جانتے ہو کہ مستقل طور پر یہ انعامات ہمیں حاصل ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

ایک دم وہ چپ ہو گیا کیونکہ اُسے خیال آیا کہ منہ سے ایسی بات نکل گئی ہے، جو نہیں نکلنی چاہیئے تھی۔ یعنی ڈاکوؤں سے لڑائی میں جو زخم آجائے اُسے انعام کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا، جیسے انھوں نے ہماری یہ عزت افزائی کی۔ مگر ہاں اس نے خود ہی تو انقلابی فوج والوں کو منع کیا تھا کہ ڈاکوؤں سے جھپٹ، کا لفظ استعمال نہ کریں۔ یہ تو جاپانیوں کا محاورہ تھا وہ چینی عوامی فوج کو جوان کا مقابلہ کرتی تھی ہمیشہ ڈاکو اور لٹیرے کہا کرتے تھے، اور ڈاکوؤں کی زبان استعمال نہ کرنے کا یہ اصول فوج کے ضابطے میں شامل کر لیا گیا تھا تاکہ انقلابی فوج اور جاپانی فوج کے الفاظ میں نمایاں فرق نظر آئے۔ اسے خود ہی یہ اصول نہیں توڑنا چاہیئے تھا۔ اس نے اپنی تار تار لٹکتی ہوئی آستین کو دیکھا، اور اُسے خیال آیا کہ جو جاپانی سنگین یہاں لگی تھی اور جس کی زد سے یہ آستین اڑ گئی، اگر زرا اور نشانہ پر بیٹھتی تو اس وقت اسکا بازو سالم نہ بچتا۔ بازو ہی غائب ہو گیا تھا۔

زخمیوں کی کراہ جاری تھی۔ زخم خوردہ سپاہی چاہتے تھے کہ برداشت کریں مگر زخموں کی شدت انھیں چپ نہیں رہنے دیتی تھی۔ اور وہ اس کی تاب نہ لا سکتے تھے، اگرچہ شروع میں ہائے وائے کی آوازیں بہت دبی دبی تھیں، مگر جنتا جتنا وقت گذرتا گیا آواز بڑھتی گئی۔ اور اب تو آہ و فغاں کا شور بہت تلخ ہو چکا تھا۔

"ہائے ری میا! یہ سارے اسٹیچر والے کیا مر گئے جواب تک نہیں آئے۔؟"

"اگر گھنٹہ بھر یہ جسان لیوا درد اور ہوتا رہا تو میں اپنے آپ

گولی مار کے مر جاؤں گا "

"میں بھی تمہارے ساتھ ہوں ۔ جینا ویسے بھی اب بیکار ہے میرا بایاں ہاتھ تو کٹ گیا "

ایک دوسرے کے زخموں کے بارے میں آپس کی یہ باتیں، یہ چیخ پکار یہ گریہ وزاری، یہ بے بسی کی آہیں، فولادی سشکرے کے دل میں جاکر لگتی تھیں ان سب واروں کا نشانہ اسی کا زخم خوردہ دل تھا۔ فولادی شکرے نے اپنے برابر رکھی ہوئی بندوق پر ہاتھ پھیرا، اور پھر بے خودی کے ساتھ اُسے دُور ڈال دیا۔ نگاہیں آگ کے الاؤ پر جما لیں، الاؤ میں چنگاریاں بجھتی جا رہی تھیں، اور شعلے اتنے دھیمے تھے کہ ان میں بلند ہونے کی بھی قوت نہ تھی بلکہ آہستہ آہستہ دبتے جا رہے تھے اور ان پر راکھ بڑھتی جا رہی تھی۔ بھوری رات کی بڑھتی ہوئی یخ اور سخت سردی نے ان سبھوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ ایسا گھیرا جو کسی طرف سے ٹوٹا ہوا نہ تھا۔ اور رات کی سخت سردی انھیں گھیر کر ہر طرف سے وار کر رہی تھی۔

آہیں اور کراہیں ایک سی نہ تھیں، ہموار نہ تھیں بلکہ جیسے سمندر میں طوفان کے وقت لہروں کا زور ہوتا ہے، اسی طرح آہیں بلند ہوتی تھیں اور تھمتی تھیں۔ ان کا مدّ و جزر ناہموار بھی تھا، اور ایک دوسرے سے بے تعلق بھی، مگر ہر بار جب کراہوں کا شور اٹھتا تو فولادی شکرے کے دل پر اس کی سیدھی چوٹ پڑتی ایسی چوٹ کہ شاید کسی سنگین کے زخم سے بھی نہ پڑتی۔

اُسے پورے دن کے واقعات یاد آنے لگے، تانگ پر جو کچھ گذری اسکا خیال آیا، اور اس عورت کا واقعہ! جاپانی فوج جو پیچھے سے آ پہونچی تھی۔ شاید اس نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا ہوگا؟ یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں کو اگر یہ نہیں ہوا ہوگا تو انھوں نے کوڑے ضرور لگائے ہوں گے تاکہ وہ زبان کھولے

اور جو وہ پوچھے جائیں وہ بتاتا جائے ۔اتانگ اس قسم کا سپاہی نہیں تھا، جس پر بھروسہ کیا جا سکے ۔ اگر اس پر ستم توڑا جائے تو جتنی باتیں اسے معلوم ہیں سب اُگل سکتا ہے ۔ چنانچہ خطرہ ہے کہ ہمارے فوجی ہیڈکوارٹر کا پتہ نشان بھی انھیں معلوم ہو گیا ہوگا، اور نہ جانے کیا کیا معلوم ہوا ہو گا ۔ کہ اب تک اسٹیچر والے یہاں نہیں آسکے ۔؟

اب شعلوں نے بلند ہونا چھوڑ دیا تھا ۔ سلگتے ہوئے انگاروں میں سانس کی آواز کے ساتھ آگ جل رہی تھی ۔ زخمیوں میں سے ایک شخص جب زخموں کی تاب نہ لا سکا، اور نیچ بھی نہ سکا تو اس نے ایک دم گانا شروع کیا ۔ اس کی آواز ایسی بجھی ہوئی تھی جیسے کمبل کے اندر ٹارچ ڈال دی جائے، یا ٹھہرے ہوئے پانی کے تالاب میں کوئی پتھر پھینک دیا جائے ۔ اس کے گاتے ہی سارے زخمیوں میں وہ گانا پھیل گیا، اور ان سے ہوتا ہوا یکے بعد دیگرے وہ لوگ بھی اس میں شامل ہو گئے جو زخمی تو نہیں تھے، مگر تھکن سے چور، زمین پر پڑے سو رہے تھے، پہلے تو یہ لوگ گانے کی آواز سن کر کسمساتے ہوئے نیند سے چونکے مگر بعد میں آنکھیں ملا کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور گانے کی آواز میں آواز ملا کر تالیاں بجانے لگے ۔ اس کے ساتھ ہی ہر آدمی آواز ملا کر گانے لگا ۔

"ہمارے بھائی مارے گئے،
ان کے سر قلم کر دیئے گئے،
سنگینیں اُن کے سینوں میں آر پار ہو گئیں ۔
ہم جو ابھی تک زندہ ہیں،
ان شہیدوں کو یاد رکھیں گے
جو لڑائی کے میدان میں کام آ گئے ۔

ہمارے جینے کا، ہمارے لڑنے کا،
اگر کوئی مقصد ہے تو صرف ایک
کہ اپنے ملک کو غلامی کے بندھن سے آزاد کرالیں۔
اپنے بھائیوں کے سامنے ہراول کی طرح ڈٹ جانا
یہی اصلی دلیری ہے، یہی سچی قربانی ہے!
بھائیو! جتنی مصیبتیں پڑیں، سہہ لو،
جتنے زخم لگیں، برداشت کر لو،
مصائب اٹھائے بغیر کبھی جیت نہیں ہوتی
غلامی سے بچنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں،
کہ اپنا خون بہادو — خون بہادو!
تمہارے مصائب کی کوئی حد نہیں
تمہاری لڑائی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔
اے میرے تھکے ہوئے، بھوکے بھائیو.....؟

نولادی شکنجے کے بدلے میں یہ گانا سن کر جان آگئی، اور جسم میں ایک لہر سی دوڑ گئی چاندنی کی پرچھائیں جیسی تاریکی میں اس نے اپنی آنکھوں سے فخر و ناز کے آنسو پونچھ لئے۔ لی کی بیوہ کو جو گھاس میں تھوڑی ہی دور پر چھپی ہوئی تھی، ہائے وائے کی آوازوں نے الجھن اور دہشت میں مبتلا کر دیا تھا، مگر جب گانا شروع ہوا تو وہ رک گئی، اور اس کے جی میں آیا کہ دوڑ کر خود بھی اسی گانے میں شریک ہو جائے مگر وہ پھر پیچھے کو دب گئی۔ اتنے میں گانا بند ہو گیا، اور بجھتی ہوئی آگ کے آس پاس پڑے ہوئے لوگ بھی چپ ہو گئے، رفتہ رفتہ پھر وہی آہ و فغاں بلند ہونے لگی، رونے چلانے کی آواز سے وہ اتنی پریشان ہوئی کہ وہ صرف سننے

خاموش نہ بیٹھ سکی۔ وہ اٹھی۔ رائفل ہاتھ میں لے کر۔ نرم نرم جھاڑیوں میں سے ہوتی ہوئی سیدھی ان نوجیوں کی طرف تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔ لمبی گھاس میں کھڑبڑ سن کر فولادی شکرا چونکا، آواز کے ساتھ ہی ایک دھندلا یا ہوا بھورا سا سایہ نظر آیا، جو چند ہی قدم کے فاصلے پر صاف اور واضح شکل میں تبدیل ہو گیا، وہ جلدی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کون جاتا ہے؟" اس نے اپنا ریوالور ہاتھ میں سنبھالتے ہوئے خود ایک آڑ لے لی۔ "اگر ایک قدم اور آگے بڑھایا تو گولی پڑے گی کون ہو تم؟"

"میں ... میں ہوں ......" جلدی میں وہ یہ بھی بھول گئی کہ اپنا نام بتائے تو کیا بتائے۔ اگر وہ کہہ بھی دے کہ میں ہوں ساتویں بھائی لی کی بیوہ، تو کون پہچانے گا؟ یا کنوارپن کے زمانے کا نام بتائے "ہیرے کی انگوٹھی" تو کسے معلوم وہ کون ہے؟ وہ جواب تلاش کرنے میں پس و پیش بھی نہیں کر سکتی تھی، اور جب اسکے منہ سے یہ جواب نکلا تو اسکا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ "میں ہوں لی کی بیوہ۔ وانگ والے گاؤں سے آرہی ہوں ...... بوائل تانگ میرا دوست تھا...... فولادی شکرے کو جانتی ہوں......" یہ الفاظ ادا ہونے کے بعد فضا صاف ہو گئی، خوف و خطر اور اضطراب کا دھندھ چھٹ گیا۔ لوگوں میں اضطراب و سکون کی حرکت ہوئی۔ مگر ابھی تک ان کی رائفلیں تنی ہوئی تھیں، اور دوسری دنیا سے نازل ہونے والے خاکی سائے پر ان کی بندوقوں کے گھوڑے تیار تھے۔

"ارے تم لی کی بیوہ ہو!...... وانگ خاندان کے گاؤں سے آرہی ہو؟ ہاتھ اوپر اٹھاؤ! کامریڈ لی ذرا باہر آؤ۔ دیکھو پہچانو۔ ہائیں تم! ذرا اور قدم

آگے بڑھاؤ۔ ہاتھ مت ہلاؤ۔"

تیسرا بھائی تی جواب تک چت پڑا تھا، اٹھا اور زمین پر دبے دبے تی کی بیوہ کے پاس پہونچ گیا۔ اس نے دیکھا تو واقعی وہی تھی، مگر اسکا چہرہ دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ یہ تو مسلح سپاہی کی پوشاک تھی۔ پوشاک بھی وہ جسے تی پہچان سکتا تھا۔ عورت کے پیچھے زمین پر بندوق پڑی تھی۔

"ہاں! یقیناً یہ ساتویں بھائی تی کی بیوہ ہے" اور پھر اس نے بآواز بلند پوچھا۔ "تم یہاں کیسے آپہونچی؟ تم تو جھاڑیوں میں پڑی رہ گئی تھیں ..... وہاں سے کیسے نکلیں؟ اب ہاتھ اوپر کئے رہنے کی ضرورت نہیں ہے ہاتھ گرالو۔ ٹھہرو۔ میں تمہاری بندوق اٹھالوں" بیوہ عورت کو خیال آیا کہ وہ تیسرے بھائی کو کسی قدر جانتی ہے۔ ارے یہ تو وہی شخص ہے جو اُسوقت بوائل تانگ پر چلاّیا تھا۔ جب وہ اُس کے بچّے کو گود میں سے چھین کر گاؤں کی طرف بھاگا جا رہا تھا"

زخمیوں نے چیخنا چلاّنا بند کر دیا۔ کچھ لوگوں نے تو اٹھنے کے لئے کافی زور لگایا، تاکہ رینگ کر لی کی بیوہ کے قریب پہونچیں، اور جو قصہ اب وہ سنائے گی اسے اچھی طرح سن سکیں۔ یہ لوگ سمٹ آئے اور انھوں نے عورت کے چاروں طرف حلقہ بنا لیا۔ ذرا دیر کے لئے تی کی بیوہ بالکل اس بچے کی طرح ہوگئی جو گم ہوگیا تھا، اور اب ناگہاں گھر والوں کو مل گیا ہے۔ اسے اپنے دل پر قابو نہیں رہا۔ اسکا دل زخمی۔ جو ایک لمحہ پہلے مدتوں کا مرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک دم جاگ اٹھا، اور وہ اپنے دل کی تڑپ نہ روک سکی۔ آخر یہ سب کے سب اپنے ساتھی، اپنے رفیق ہی تو تھے۔

وہ سب سمجھ گئے کہ بوائل پر کیا گذری، اور انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ

تانگ کی محبوبہ کا اسطرح ہمت اور دلیری کا روپ دھار لینا کیا معنی رکھتا ہے، اسکی جتنی بھی تعریف کی جاتی کم تھی، اور ان سب نے اپنی ہمدردی اور محبت و رقابت کی گرمی پہونچا کر لی کی بیوہ کے سینے سے سردی کا بوجھ ہلکا کر دیا جوش و خروش اتنا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر چلے، تاکہ زخمیوں کی طرف بھی ایک چکر ہو جائے۔ ہر ساتھی نے اُسے زخموں کی آپ بیتی سنائی جن لوگوں کے پاؤں میں اٹھنے کی طاقت باقی رہ گئی تھی وہ اٹھے، اور سب مل کر گانے لگے۔ فخر و ناز سے وہ گیت کی لے اوپر اٹھائے جا رہے تھے، جیسے گیت میں اتنی قوت آگئی ہے کہ وہ انھیں رات کی تاریکی سے، رات کی شبنم اور نمی سے، اور کہرے کے بادلوں سے اوپر اٹھا لے گا۔ سب کو بلند کر دے گا۔

فولادی سشکرا ایک طرف بیٹھا ہوا اپنے ہی اندر محو تھا، اور اپنے دل کی آغوش میں ان سب شکلوں کو تہہ کر رہا تھا۔ لی کی بیوہ جو رائفل اپنے ساتھ لائی تھی، وہ اس نے اپنے ہاتھوں میں لیکر سہلائی اور دل میں ایک ہوک اٹھی۔ بس نہیں تھا کہ ذرا دل کا خروش نکال لے۔

لی کی بیوہ کے لئے یہ تمام حرکتیں ایک الجھا ہوا خواب معلوم ہوتی تھیں، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ میرا خیر مقدم ہو رہا ہے، یا کیا ہو رہا ہے، تھکن کی وجہ سے اسکا دماغ بالکل خالی تھا، اور وہ ہر چیز بھول چکی تھی۔ گانے کی آواز کی رَو اپنے ساتھ ماضی کی ہر شے بہالے گئی تھی، اور جیسے ہی گانا تھمنا شروع ہوا تو اس کے دل و دماغ میں تھکن اور بے حالی کی وجہ سے پھر درد اٹھنا شروع ہوا، ایک چیز اس نے صاف طریقے پر پہچان لی اور وہ یہ کہ آج سے وہ بھی مردوں کی طرح ہے جیسے یہ آس پاس اور لوگ ہیں ایسے ہی وہ بھی ہے اب کوئی کسی قسم کی بندش اس پر نہیں رہی۔ نہ اب اسکا بچہ باقی ہے، نہ گھر باقی ہے، اور نہ چاہنے والا ہی

زندہ بچا ہے۔ دوسروں کی طرح اب اگر کوئی چیز اس کی ملکیت ہے تو ایک بندوق اور بس۔ اب جاپانی کا مقابلہ کرنے میں وہ کبھی اکیلی نہیں رہے گی کہ کوئی اور اس کی مدد کو دوڑے، آئندہ اسے کوئی زحمت نہ ہوگی۔ جب اس کے جی میں آئے گا دشمنوں پر گولی داغ دے گی۔

اُسے یاد آیا کہ اکثر بوائل تانگ کوریائی لڑکی اناّ کی تعریف کیا کرتا تھا جو جنرل کا کام کرتی ہے ۔۔۔ "ایک لڑکی ہے وہاں ۔۔۔۔۔ کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے وہ سمجھتی نہ ہو ۔۔۔۔۔۔ جنرل کی طرف سے خط و کتابت وہی کرتی ہے اکثر ہمیں لکچر دیا کرتی تھی ۔ اور تفصیل سے بتایا کرتی تھی کہ اس کی اصلیت کیا ہے کہ اگر ہم بغاوت نہ کردیتے تو ہمارے جیسے چین کے کسان آہستہ آہستہ اپنی زمینوں سے محروم کردیے جاتے اور بے حد مفلس و قلاّش کردیے جاتے تاکہ وہ غیر ملکی حکومت کی حمایت کریں۔ سب سے پہلے یہ چیز کیوں ضروری اور لازمی ہے کہ جاپانیوں کو نکال باہر کیا جائے۔ کیونکہ اگر ہم انھیں نکال باہر نہیں کرتے تو ان کی منچوریا والی حکومت اس سے زیادہ مظالم ڈھائے گی جتنے کوریا میں ڈھائے گئے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسی کم عمر لڑکی نے ہم لوگوں کو پڑھنا لکھنا بھی سکھا دیا ہے، اس نے کہا کہ انقلابی فوج کے آدمی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی معلومات بڑھانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دے، اگر اسے اپنے ملک سے، اپنے ملک کے عوام سے سچی اور حقیقی محبت ہے اسی راہ پر چلنا ہوگا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور تو باتیں خیر ہیں ہی لیکن بندوق کا نشانہ خوب لگاتی ہے "۔۔۔ جب کبھی بوئل تانگ نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابی زبان میں اناّ کا تذکرہ کرنے بیٹھتا تو اس کی آنکھوں میں گرمی اور چمک پیدا ہو جاتی تھی، اور بات کرتے کرتے وہ اپنا گھونسہ بار بار زانو پر مارتا تھا۔

کسی غیر عورت کا تذکرہ، اور وہ بھی اس طرح کہ بیان کے تاثر سے کہنے

والے کی آنکھیں سکنے لگیں، اسی بات پر آتی کی بیوہ کو غصہ آجاتا تھا، اور وہ اس پر کہتی ہے کیا کہا؟ - مرد ہو کے شرم نہیں آتی، عورت سے سبق سیکھتے ہو؟ اور پھر تم اسی منہ سے مجھے یہ سنانے چلے ہو؟ "

" مگر تم توانائی ہی نہیں ہو۔ جلد یا بہ دیر جب خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگی اسوقت تم میری رائے سے اتفاق کر دگی ۔ " یہ کہتے کہتے وہ اپنی شرارت بھری آنکھوں سے اُسے دیکھتا اور قہقہہ لگاتا۔

" ارے میں وہ کرکے دکھا دوں جو کوئی عورت نہ کر سکے۔ ابھی کیا ہے ابھی تم دیکھو گے! " جب اس نے اس قسم کا وعدہ کیا تو اسکے چہرہ پر سنجیدگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور ایسے عزم کی طاقت کی پرچھائیں اس پہ نمودار ہوئی تھی۔ جسکا کبھی گمان بھی اس کے متعلق نہیں ہو سکتا......،

فولادی تنکرا پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا، اس آگ کے بجھتے ہوئے انگاروں کے قریب جو بالکل ہی ختم ہونے والے تھے، اب بھی وہ بار بار بوائل کی بندوق کو مل رہا تھا اور دماغ نہ معلوم کیا کیا سوچتا ہو گا۔ آسمان کے ایک سمت سے ہوتی ہوئی ایک ملگجی سی پھیکی پھیکی معمولی روشنی دکھائی دی، گویا وہ ساری پہاڑی چوٹیوں کو باندھ کر ایک بنڈل بنا ڈالے گی، اس کے بعد گہرے سرخ رنگ کا ہالہ نمودار ہوا جو روئی کے گالوں کیطرح تھا، اور اصلی نظر نہیں آتا تھا، جیسے کسی شرابی کی گرفت میں ہو، رات کی اترتی ہوئی لباس کو پار کرکے بارش کی طرح جسم پر پڑنے لگی اور یخ کا اثر ہڈیوں تک پہونچنے لگا۔ زخمیوں کی آہ وبکا بے وقت کی راگنی، یا کھڑکھڑ کرنے والے باجے کی طرح بے ہنگم ہو چکی تھی۔

بھورے رنگ والوں کی ایک قطار پہاڑی کی ڈھلوان پر راستہ کاٹتی ہوئی آہستہ آہستہ نیچے اتری اور پھر دامنِ کوہ کے جنگل میں گم ہو گئی۔

درختوں کی پتیاں خاموش تھیں۔ تمام پیڑوں کے پتے دم بخود تھے۔
پہاڑی کی اس کھوہ کے دامن میں گھاس کے چھوٹے سے شاداب ٹکڑے پر لوگ
بے ڈھنگے طریقے سے لیٹے ہوئے تھے بغیر کسی خاص ڈھنگ یا ترتیب کے جیسے
پڑے تھے، ویسے ہی آنکھ لگ گئی تھی، یہ جگہ پہاڑی کے کاندھے پر تھی، اور
نیچے دیکھنے سے ہر طرف بے شمار جنگل ہی جنگل نظر آتا تھا۔ اور ان گنت دریا چلے گئے
تھے جن کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کہاں سے نکلے، کدھر گئے، البتہ پانی کے بہنے
اور گرنے کی آواز ہر شخص سن سکتا تھا۔ "ساتویں بہن" نے وہ راستہ معلوم
کرنے کی کوشش کی جس سے وہ شام چل کر یہاں تک پہونچی، اور اسے یقین نہیں
آیا، ایسا بے ڈھب راستہ اس قدر اطمینان سے اس نے طے کر لیا، اور اس
چھوٹی سی جگہ پر آ پہونچی۔ وانگ والوں کے گاؤں کو جانے والی سڑک دوسرے
پہاڑی سلسلے سے ہوتی ہوئی اس پار چلی گئی تھی۔ یہاں ایک بار بیٹھ کر دم لیا جا سکتا
ہے، یہاں سے اژدہا پنجہ پہاڑی تک جانے کے بہت سے راستے ہیں۔
اور غالباً اس فوج کے آدمیوں میں کوئی نہ ہوگا جسے یہ تمام راستے اچھی طرح
معلوم نہ ہوں۔

"ساتھی لوسٹریچر والا دستہ آ گیا!" زخمیوں نے رونا چلاّنا بند کر دیا۔
اور جو لوگ سو گئے تھے، وہ ایک دم کود کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سے زیادہ
وہ کسی معالج کا استقبال نہیں کر سکتے تھے، اور اسٹریچر والا دستہ بھی کس قسم کا۔ اس
دستے کا کام یہ تھا کہ جو ساتھی یا فوجی زخمی ہوں انھیں لاد کر لے جائے، زخمیوں
یا بیماروں کو لٹانے کے لئے اسٹریچر (ڈاکٹری ہلکے پھلکے پلنگ) بھی نہایت اعلیٰ درجہ
کے تھے یہ سب جاپانیوں سے چھینے گئے تھے۔
اتنا بھی آ گئی تھی۔ اس نے اتنی بھی مہلت نہیں لی کہ اپنے چہرے سے

پسینہ پونچھ لے۔ بلکہ آتے ہی فوراً زخمیوں کے باندھنے، پینے میں لگ گئی۔ زخموں پر پٹی باندھتی جاتی تھی، اور لوگوں سے کہتی جاتی تھی۔ "کیوں ٹھیک ہے ساتھی؟ بہت کس گئی؟ خیر برداشت کر لو، اگر اتنی نہیں کسی تو راستے میں کھسک جائے گی" قدرتاً اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں ہوتے تھے مگر ان الفاظ کے پیچھے جو لطافت، جو نرمی، اور ہمدردی کی شدت تھی، وہ ایک زخمی کے دل پر مرہم کا کام کرتی جاتی تھی۔

فولادی شکرا دوڑ کے اس کے پاس پہونچا "اناد یکھو یہ نئی ساتھی ہے جو حال ہی میں ہمارے آدمیوں میں شامل ہوئی ہے۔ یہ ساتویں بھائی کی بیوہ ہے پٹی وغیرہ بندھوانے میں تمہاری مدد کرے گی" انانے اپنا ہاتھ نہیں روکا، بلکہ مسکرا کر نئے سپاہی پر ایک نظر ڈالی۔ یہ عورت کسی سپاہی کی وردی پہنے ہوئے تھی، جو اس کے جسم پر ٹھیک نہیں آتی تھی اور ویسے بھی اس کے قد وقامت پر بہت ہی بھدی معلوم ہوتی تھی۔

"بہت اچھا کامریڈ آپ مہربانی کرکے ادھر میرے قریب آجائیے، تھوڑی ہی دیر میں آپ کی بیوہ کئی قسم کی پٹیاں باندھنا سیکھ گئی۔ جو انا باندھتی جارہی تھی، اور بعد میں اس کے منھ سے بھی یہی الفاظ نکلنے لگے "کہو کامریڈ ٹھیک ہے؟ کچھ زیادہ کس گئی کیا؟ کوئی بات نہیں برداشت کر لو......"

یہ لوگ جنگل سے ہوتے ہوئے، پہاڑی کی چڑھائی کو پار کر گئے ــ اور سناٹے کے عالم میں "شیر منچیہ" پہاڑی کی طرف چلدیئے، آسمان ہر طرف بادلوں سے گھرا ہوا تھا، اور کہیں کسی طرف سے بھی سورج کی کرنوں کا گذر نہ تھا، مجبوراً سورج کو تاریکی اور دھند کے اس پار چمکنا پڑ رہا تھا، فولادی شکرا آگے آگے بڑھتے ہوئے دستے کے آگے آگے چلا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں تیزی سے آگے کی طرف دیکھ

رہی تھیں، اور ریوالور اپنے غلاف میں پڑا ہوا تھا۔

"ساتویں بہن آتی کی بیوہ" انا کے برابر برابر چل رہی تھی۔ اسکا دھیان کو ڑائی لڑکی کی مضبوط ٹانگوں کی طرف تھا جو بظاہر اسے بغیر کسی زحمت کے پہاڑی کی ڈھلان پر اوپر کی طرف لئے جا رہی تھیں۔

"انا تم تھکتی نہیں ہو؟" ساتویں بہن نے معذرت کے انداز میں انا کی انگلیاں کھینچیں۔ کیوں کہ اسے خود یہ محسوس ہو رہا تھا کہ بس اب آگے چلنے کی ہمت نہیں رہی۔

"ہاں ہے تو" انا نے کسی قدر شرما کر اور مسکرا کر جواب دیا، اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ساتویں بہن کو راستے پر کچھ جنگلی پھول ملے، اسنے توڑے اور انا کی ٹوپی میں لگا دیئے۔ انا نے اس تحفے کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔

فولادی شکرے کو، جس کی نظر اپنے زخمی ساتھیوں کے پیلے اور دکھی چہروں پر تھی، چلنا اور بھی دشوار اور تکلیف دہ معلوم ہو تا تھا۔ کیونکہ صبح کا وقت ہوتے ہوئے بھی آسمان پر دھوپ نہ نکلنے کی وجہ سے بھدا سا بھورا پن پھیلا ہوا تھا، بعد میں اسکا دھیان انا اور اس کی نئی ساتھی کی طرف ہٹ گیا، جو رستے کے آگے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھیں، ان دونوں کے نظارے نے اسے تکلیف پہونچائی، اور اسے شرم کا احساس ہونے لگا۔ کیا دن آ گئے ہیں کہ عورتوں نے بھی رائفلیں اٹھالیں، وہ ہمیشہ یہ سوچا کرتا تھا کہ عورتوں کے لئے صرف یہی ایک کام ایسا ہے جو انھیں کرنے نہیں دینا چاہئے، دشمن سے لڑنا اور فتح پانا، مردوں کا کام ہے، وہ اب تک عورتوں کی جنگی صلاحیت کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ اور یہ بات بھی اسے نفرت انگیز معلوم ہوتی تھی کہ مردوں کو لڑائی کے لئے بھی عورتوں کی امداد لینے کی ضرورت پیش آگئی۔

اس نے اپنے بارے میں جب کبھی تصور کیا تو یہ کیا کہ وہ بے انتہا دلیر اور باہمت مرد ہے، اور اگرچہ اسکے لئے آدمی کا اپنے دشمن کو قتل کر دینا، بڑی معمولی اور روزمرہ کی بات ہے مگر آج تک اس نے کسی عورت، یا بوڑھے آدمی کی جان نہیں لی۔ اس نے آج تک کسی ایسے وجود کو ختم نہیں کیا جو اس کے مقابلے پر نہ آیا ہو۔

اسے زندگی بھر کبھی کسی عورت سے محبت نہیں ہوئی جب وہ خود ایک ڈاکو تھا، تو دوسرے ڈاکوؤں کی طرح عورتوں کے ساتھ ہم بستر ضرور ہوا مگر یونہی اتفاقاً اور اب تو وہ انقلابی سپاہیوں کا کمپنی کمانڈر تھا، جو لڑائیاں اس نے لڑیں پوری سوچ سمجھ سے لڑیں۔ آجکل جاپانیوں کے مقابلے میں ڈٹا ہوا ہے جنرل نے اسے خوب سمجھا کر یہ بات محسوس کرادی تھی کہ ڈاکو بننے میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اس سے صحیح معنوں میں جاپانیوں کو مدد ملتی ہے، اسکا قصور نہیں ہے کہ وہ ڈاکو بن گیا اور جب یہ باتیں فولادی سٹکرے کی سمجھ میں آگئیں، تو اس کے دل میں نرمی اور گداز پیدا ہو گیا، اسکا جسم اتنا ہی سخت، تنا ہوا تھا، جتنا پہلے کبھی رہا ہو گا، اور اب بھی وہ دوسروں سے آگے بڑھ کر زیادہ ہمت و جرأت کے ساتھ لڑتا تھا، مگر ہاں اسکا دل بدل چکا تھا، وہ جانتا تھا کہ سوچنا کس طرح چاہئیے، اور یہ بات کس قدر اہم اور ضروری ہے کہ جاپانیوں کو نکال باہر کیا جائے، اسکے علاوہ یہ کہ جو لوگ جاپانیوں کے خلاف لڑنے میں اس کے ساتھی تھے، اسکے رفیق کار تھے، وہ اسکے لئے دوستوں اور سگے بھائیوں سے بھی زیادہ قریب، زیادہ بے تکلف اور زیادہ اپنے تھے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ انقلابی فوج کے ضابطے اور اصول کی پابندی کس قدر ضروری ہے........ اسکا کیا مقام ہے........

جب کبھی اسکا کوئی ساتھی لڑائی میں کام آیا تو اس کے دل پر ایک کاری

زخم لگا، اور کسی کو خبر نہ تھی کہ فولادی شکرے کے دل میں کتنے زخم نہاں ہیں۔ اور لوگ تو بس اتنا ہی جانتے سمجھتے کہ وہ بڑا بہادر کمانڈر ہے، ایسا کمانڈر جو فوجی اصول اور ڈسپلن کو برقرار رکھتا ہے، اور انقلابی فوج کے احکام کا پورا پورا احترام کرتا ہے جو گروہ اس کے ساتھ انقلاب کی لڑائی میں شامل ہوا تھا، اس میں سب ہلاک ہو چکے تھے، اور وہ اپنے گروپ میں تنہا بچا تھا، اس کے زندہ بچے رہنے کا سبب بھی غالباً یہی ہوگا کہ ابھی اس کے مرنے کا مناسب اور مقسوم وقت آیا ہی نہیں، اس کے جسم پر جگہ جگہ گولیوں کے نشان تھے۔ ایسے "تمغے اور انعامات" تو اُسے آئے دن ملتے ہی رہتے تھے۔

پہاڑی کی بلندی پر ہوا کا جھونکا آیا تو اس کے کاندھے میں جو زخم کا دہانہ تھا، اور جسے بہت دیر ہوئی وہ بھول چکا تھا، وہاں درد کی ٹیس ہوئی، جس جگہ سے یہ لوگ چلے تھے، اس جگہ تک جہاں اب یہ لوگ پہونچے، پہاڑی راستہ نیچے جاتا ہوا نظر آتا تھا۔ دوسرے راستوں کے مقابلہ میں ممکن ہے یہ راستہ زیادہ ناہموار نہ ہو، مگر جب راستے سے گزر رہے تھے تو یہ اتنا نیچا اونچا تھا کہ بعض اوقات خطرہ ہونے لگتا تھا کہ جاپانیوں کے بمبار ہوائی جہاز کہیں گذرنے والے کو تاک نہ لیں۔

"آپ لوگ بہتر ہو اگر یہ بٹیا پکڑ لیں، اور اسی پر ہو کر داہنی طرف سے ہم لوگ پہاڑی پر پہونچ جائیں گے" جیسے ہی اس کے سپاہیوں کا اگلا سرا اس نقطے پر پہونچا، جہاں سے دو راستے پھٹتے تھے، تو پیچھے سے کسی نے پکار کر اطلاع دی کہ "زخمی اس کی تاب نہ لا سکیں گے، چھوٹی ڈگر پر ہمیشہ کنکر پتھر بہت ہوتے ہیں، اور جھاڑ جھنکاڑ بھی بہت ملیں گے اس پر بوجھ اٹھانے والے ساتھی پہلے راستے کی دشواری سے شکستہ ہو رہے ہیں۔ یہ بڑا راستہ ہی آسان

رہے گا۔"

"نہیں نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں چھوٹے راستے سے ہی چلنا چاہئے۔"

درختوں کی جڑیں اس راستے پر پھیلی ہوئی تھیں، اور بارش کی وجہ سے جو پانی رفتہ رفتہ جمع ہوگیا تھا، وہ راستے پر بہہ نکلا، اور راستے کے نشیب کو گڑھا بناتا ہوا اُسے نکیلے پتھروں سے بھر چکا تھا، اسٹریچروں نے جا بہ جا کئی جھٹکے کھائے۔ کئی جھکولے لئے مگر زخمیوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ اس تکلیف پر چیخ پڑتے کئی اسٹریچروں کے باریک باریک کپڑے سے چھوٹی چھوٹی سیاہی مائل بوندیں اس طرح ٹپک پڑیں کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ نہ یہاں اتنی جگہ تھی، نہ اتنا وقت تھا کہ زخمیوں کی پٹیاں بدلی جاسکتیں۔ اتا اور ساتویں بہن کی فکر و پریشانی کا کوئی حاصل نہ تھا۔ ساتویں بہن تو اپنے سارے جسم میں اتنی کمزوری محسوس کر رہی تھی جیسے جسم میں لہو کی بوند نہ رہی ہو۔ اتا اسے سہارا دیئے ہوئے لئے جا رہی تھی اور فولادی تحیہ نے اس کی بندوق سنبھال رکھی تھی۔

اس دستے کے ہر آدمی کو بھوک نے بالکل نڈھال کر رکھا تھا۔ یہ لوگ تھکی ہوئی خاموشی سے پہاڑی راستوں پر رینگ رہے تھے۔ ان کی منزل "اژدھا پنجہ" پہاڑی ابھی کئی میل فاصلہ پر تھی۔ اب ساتویں بہن میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ آگے چل سکے ایک گول چٹان کے کنارے جھکنے کے لئے اسکے قدم رک گئے، او نے خون تھوک دیا، اتا اس کے پیچھے کھڑی ہوگئی، فولادی شکرے نے آئی کو حکم دیا کہ تم ان دونوں کے ساتھ ٹھہر جاؤ۔ اور باقی لوگ آگے بڑھ گئے۔

فولادی شکرا بڑی دقت سے آگے قدم اٹھا رہا تھا۔ اور بوائل تانگ کی بندوق کو ہاتھ سے ملتا جا رہا تھا یہ سوچ کر تازہ حادثہ، یعنی عورتوں کا راستے میں

ٹھہر جاتا کہیں ادر مصیبت کا سبب نہ بن جائے۔" اتودہانچہ "پہاڑی کے اوپر اُس نے انقلاب چین کا علم لہراتا ہوا دیکھا۔ پرچم پر نظر پڑی تو اسے تکالیف اور نقصانات کی پوری داستان سنانے کو جی چاہا۔

ہیڈ کوارٹر پہ پہونچکر فولادی شکرے نے جنرل چن چو کو لڑائی کی پوری تفصیل سنائی، ہمیشہ یہی ہوتا کہ جب کوئی اسکا ساتھی شکست کھاکر لوٹتا تو جنرل اس کی رپورٹ بڑی خاموشی سے سنتا، اور اُس کے جبڑے اور سختی سے بھینچ جاتے تھے۔

آخر میں اُس نے اپنے تیوریا چہرے کا رنگ بدلے بغیر سیدھے طریقے سے کہا۔" جب کبھی ڈسپلن یا ضابطے کی پابندی میں خلل آئے گا تو اس کا نتیجہ ہمیشہ ناکامی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اس بار ہمیں جو نقصانات اٹھانے پڑے وہ بوائل تانگ کی وجہ سے اٹھانے پڑے جو اپنا فرض بھی بھول گیا، اور انقلابی فوج کا ڈسپلن بھی بھلا بیٹھا"۔

ہر بار انھیں جب شکست ہوتی، یا فتح ہوتی تو رپورٹ سن کر جنرل چن چو "ڈسپلن" کا لفظ ضرور استعمال کرتا تھا، جیسے ڈسپلن اور ضابطے کی پابندی اس کے لئے مقررہ غذا تھی، یہ کوئی ایسا اصول تھا جو بالآخر تمام عالم تخلیق پہ اپنا کنٹرول رکھتا ہے۔

"جی ہاں ! بالکل صحیح ہے۔ اس دفعہ ہمیں ڈسپلن کی کمی کی وجہ سے ہی نقصان اٹھانا پڑا" فولادی شکرے نے پوری طرح اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا ان کے سامنے والی چٹان پہ نیا ڈ منگ اور دوسرے کمانڈر بیٹھے ہوئے تھے اور معلوم ہو رہا تھا کہ وہ پورے غور دخوض سے یہ تمام باتیں سن رہے ہیں۔

"جنرل ! تانگ سمیت اس لڑائی میں جاپانیوں نے ہمارے سات آدمی

مارے ہیں۔ اور کئی آدمی زخمی بھی ہوئے ہیں۔ مرنے والوں کے لاشے اور ان کے ساتھ ہی ان کی بندوقیں اور ہتھیار وغیرہ بھی رہ گئے۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ اتنی طاقت تو ہمارے پاس ہے نہیں کہ یہیں رہیں اور دشمن سے پھر ایک مقابلہ مول لیں۔ ہمیں تھوڑے دن کے لئے کوئی پوشیدہ جائے پناہ تلاش کر لینی چاہئے۔ "

"ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں کچھ عرصہ کے لئے آرام کرنا ہوگا، تاکہ اپنی قوت پھر بنالیں، اور زخمیوں کو صحت مند ہونے کا موقع بھی مل جائے" دوسرے کمانڈروں نے بھی تیاؤ منگ کی تجویز پر صاد کر دیا۔

فولادی ٹکڑا بالکل خاموش بیٹھا تھا، اور بیٹھے بیٹھے اپنے بوٹ کی باریک نوک سے زمین کھرچ رہا تھا۔ جنرل چن چو کے ہاتھ ایک دوسرے سے بہت سخت گھسے ہوئے تھے، اور وہ بھی خاموش تھا۔ پہاڑی کے دامن میں درد اور کرب کی شدت سے زخمیوں کے چیخنے چلانے کی آواز برابر آرہی تھی، اور ان کے باقی بھائی صبح کا ناشتہ تیار کرنے میں لگے ہوئے تھے، اور لوگ اس سرسبز و شاداب خطے میں جس جگہ بھی لیٹے وہیں سو گئے، یہاں سے بہت فاصلہ نہیں ہوگا کہ دو آدمی کسی چیز کو اٹھاتے ہوئے پہاڑی کے بلند سرے سے نیچے کی طرف رینگتے ہوئے دکھائی دیئے۔ جب وہ اور قریب آرہے صاف نظر آنے لگے۔ کہ یہ دونوں اسٹریچر اٹھانے والے تھے جو کسی اور زخمی کو اٹھائے لا رہے تھے۔

"ہمیں کچھ عرصہ آرام کرنا ہوگا۔ کامریڈ یانگ تم کوئی نہایت عمدہ سا مکان تلاش کر کے بتاؤ۔ بہتر ہوگا کہ وہ مکان بڑی سڑک سے کافی فاصلے پر ہو اور اسی عام علاقے میں ہو، آج رات کو ہی اس پر قبضہ کر لیا جائے، وہ پہاڑی چوٹی کی طرف جو مکان نظر آرہا ہے جس پر توپ چڑھی ہوئی ہے وہ نہایت مناسب جگہ ہوگی ـــ کامریڈ یانگ، کامریڈ ہُو، تم دونوں اس پارٹی کی قیادت کروگے۔ اپنے علاوہ

کوئی تیس آدمی اور چن لو، جو تمہارے ساتھ جائیں" ـــ جنرل چن چو جب یہ ہدایت دے رہا تھا، تو اسٹریچر اٹھانے والے اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے اسکے سامنے سے گذرے۔ سٹریچر پر پڑے ہوئے زخمی کا دردناک چہرہ دیکھ کر جو خون نہ رہنے کیوجہ سے بالکل سفید پڑ گیا تھا، اور ابھی تک خون تھوک رہا تھا، سب لوگ سرد پڑ گئے، اسکے بال بھی خون میں لت پت تھے، اور ایک وحشت کے ساتھ سارے سر پہ لپٹے ہوئے تھے۔

"کامریڈ فوتا دی شکرے!" انا اس کے پاس ہی ایک پتھر پر ہانپتی کانپتی بیٹھی اور اس نے پکارا۔

وہ پہاڑی کی سیدھی ڈھلان پر اپنی جان عزیز بڑی مصیبت سے کھینچ کھینچ کر یہاں تک پہونچی تھی، اس نے دھڑسے ـــ پہلی طبی امداد (فرسٹ ایڈ) کا تھیلا زمین پر ڈالا، اور بندوق اتار کر رکھی، جب اس نے سینے میں ذرا دم ٹھہرانے کے لئے مہلت لی، اور کہنے سے پہلے کچھ پس وپیش کیا تو ہر شخص متوجہ ہوا کہ دیکھئے وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"مجھے خطرہ ہے کہ ساتویں بہن مرنے والی ہے، اگر ہمیں اسی طرح بھاگنا ہے اور دشمن کے خلاف جیسے ہم لڑتے رہے ہیں، ایسے ہی لڑنا ہے تو وہ مر جائے گی۔ دوسرے زخمیوں کا بھی یہی حال ہوگا، ہمیں ایک گھر تلاش کر لینا چاہئے جہاں ہم ذرا آرام کر سکیں"

اس طرح سے آرام کر لینے اور مہلت پانے کی تجویز قطعی طور پر طے ہو گئی۔ اسکے بعد اصل چیز جس کے لئے فوری جد وجہد کرنا تھا، اور جواب قطعی ضروری تھی ـــ وہ یہ کہ ایسی جگہ تلاش کی جائے جہاں سب آرام کر سکیں۔

"کامریڈ شاؤ، یانگ ہو ـــ ہم اس خاکے پر عمل کریں گے۔ آج رات

توتم اس بڑے مکان کو مستعار لینے کا انتظام کرو۔ اگر وہ یوں نہ ملے تو طاقت کے زور سے لے لو۔"

پہاڑی سے انھوں نے چینی جھنڈا اتار دیا اور اس کے بعد سب مل کر نیچے کی شاداب زمین کی طرف صبح کا ناشتہ کھانے چلے گئے۔ جنرل ایک ایک زخمی کو دیکھتا جاتا تھا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کو بھی چاول کے بنے ہوئے کیک دے دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ سبھی فوجیوں کو اس موقع پر کھانے کے لئے یہی ملنے تھے، کچھ زخمیوں نے تو اپنے حصے کے کیک کتر لئے تھے، مگر باقی لوگوں نے کیک لے کر اپنے پاس رکھ لئے تھے اور اسطرح پڑے تھے کہ ان کا سر پیچھے کی طرف ڈھلکا ہوا تھا، اور رُخ آسمان کی طرف تھا، جو لوگ زیادہ زخمی ہوئے تھے، ان میں سے ایک زخمی کی حالت یہ تھی کہ گولی اس کے پیٹ میں آر پار ہوگئی تھی، مگر عجیب بات ہے کہ اس کے ہضم کرنے والے اعضا، اور آنتیں بالکل صحیح سالم تھیں، یہ زخمی مزے لے کر کیک بھی کھاتا رہا، مگر ہائے ہائے بھی کرتا رہا۔ جو چاول یہ لوگ کھا رہے تھے وہ اپنے ساتھ باندھ کر لائے تھے۔ ہر شخص اپنا حصہ دانگ والے گاؤں سے لیکر چلا تھا۔

اتنے پیالے نہیں تھے کہ وہ تقسیم کئے جا سکتے، اسلئے زخمیوں کو کھلانے کے لئے کئی کئی بار دَور کرنا پڑا، جو لوگ زخمی نہیں ہوئے تھے وہ خود چشمے کا تازہ پانی پینے کے لئے پہاڑی کی تلی میں چلے گئے۔ اس کے بعد چن چو اس جگہ آیا جہاں ساتویں بہن بے ہوش پڑی تھی، اور سانس کی رفتار بھی بہت کمزور اور نامحسوس تھی چنانچہ اسکا سینہ بہت معمولی اور آہستہ آہستہ حرکت کر رہا تھا۔ عورت کی آنکھیں بند تھیں اور بال اس کے سر کے چاروں طرف زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ جو وردی اس نے پہن رکھی تھی، اُسکا جھُجھتا ہوا بے تکا پن پہلے سے کہیں زیادہ پُر درد،

رقت خیز نظر آ رہا تھا۔ اناّ اس وقت اِس کوشش میں لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح بھی تھوڑا سا گرم پانی لاکر اسکے منہ، ہونٹ، اور چہرے سے خون کے چپکتے صاف کردے خون جم کر سیاہ اور سخت ہوچکا تھا۔

"اس کے متعلق کیا رائے ہے اناّ۔؟ میرا تو خیال ہے کہ معاملہ زیادہ خطرناک نہیں ہے ؟"

"مجھے ابھی یقین کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اِس نے خون بہت تھوکا ہے"

"اور دوسروں کا کیا حال ہے ؟"

"دوسروں کا حال ؟" اناّ جس طرح گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی ویسے ہی بیٹھی رہی، مگر اس نے ایک نظر زخمیوں کی طرف گھمائی، زخمیوں میں سے کچھ لوگ اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے، اور اپنے ساتھیوں کو مدد کے لئے بلا رہے تھے۔ کچھ لوگوں کو جو کیک کا راشن ملا تھا، وہ ختم کرچکے تھے، اور بڑی بے چینی سے دُور نظر جمائے ہوئے تھے، ان کے کاندھے آگے کو نکلے ہوئے تھے، دونوں کہنیاں بڑھی ہوئی تھیں، اور بازو ایک دوسرے کو عبور کر رہے تھے۔ ہنستے جاتے تھے، اور غالباً اپنی بندوقیں صاف کرتے جاتے تھے۔ کمپنی کمانڈروں کا ایک گروپ، ایک بڑی سی چٹان کے نیچے سر جوڑے کھڑا تھا۔ اور کسی اسکیم پر بحث ہو رہی تھی۔ لال بھبھوکا، الگ تھلگ، ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا اپنے پائپ سے کھیل رہا تھا اسکے برابر تیسرا بھائی لی اپنے اُبلے ہوئے چاول کھانے میں مصروف تھا۔ نیاڈمنگ یونہی ہری ہری دُوب پر آگے پیچھے ٹہل رہا تھا۔

"اس سے پہلے کہ ہم لوگ ان میں سے کچھ لوگوں کے لئے کوئی کارروائی سوچ سکیں، ہمیں تھوڑا وقفہ مہلت اور آرام کے لئے دینا ہوگا، یہ دوائیں پٹیاں

وغیرہ تمام چیزیں تو بہت جلدی بنٹ جائیں گی " اتا نے اپنے دوائیوں کے تھیلے میں ایک چھوٹی سی بوتل تلاش کی اور اس میں سے تھوڑی دوا ایک پیالے میں الٹی جس میں پہلے سے آدھا پانی بھرا ہوا تھا۔

"ادھر آؤ! اس کے دانت الگ ہٹا کر دیکھتے ہیں ذرا میری مدد کرو۔ مدد کرو گے؟ میں اسے دوا پلانا چاہتی ہوں " اتا نے چمچہ لگا کر سا نویں بہن کے دانت کھولے، جنرل چن چو اس چمچے کا دستہ پکڑے رہا۔ اُسے ڈر تھا کہ وہ اس کام کیلئے نامناسب آدمی ہے چنانچہ جب اس نے اپنے بھدے سخت اور کھردرے اور بالوں سے بھرے ہوئے ہاتھوں کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی تو ان کے مقابلے میں اُس نے اتا کی سُبک اور پھرتیلی حرکتوں کو بھی دیکھا۔

"بہت اچھا " کہہ کر اتا نے چن چو کے ہاتھ سے چمچہ لے لیا، اور اسطرف چلی گئی، جدھر زخمی لیٹے ہوئے تھے، چن اپنے ہاتھ کے انگوٹھے پٹی میں اڑا کر اُٹھ کھڑا ہوا، اور بغیر کسی خاص خیال کے، وہ اس چھوٹے سے مصروف سائے کو غور سے دیکھتا رہا، جو اس سے ذرا فاصلے پر جا رہا تھا، گو یا اسے صرف اسی وقت وہ بات یاد آئی جس کو بہت دن سے جانتا تھا، اس نے با آواز بلند کہا۔" عورتیں ہم سب کی ان تھک مائیں ہیں "۔ اور یہ کہہ کر بڑی خاموشی سے غریب کی بلی کی طرح کسی طرف چل دیا۔

لال بھبھوکا اپنے قریب ان لوگوں کے جھگڑے کو دیکھ رہا تھا جنھیں بہت دیر سے بھوک لگی تھی اور جو نہ معلوم کس طرح جاپانیوں کی اندھا دھند گولی بارسے موت کے پنجے سے بچکر نکل آئے تھے۔ گھاس پر پڑے ہوئے ساتھی جب اپنے زخموں کی شدت سے چلاتے تو اسے پھر ایک بار وہ باتیں یاد آئیں جو وہ وانگ پانے گاؤں کی سڑک پر سے گذرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"کیا وہ دن کبھی آئے گا" اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔ "جب مجھ کو کھیت پر کام کرنے کی آزادی ملے گی؟ جب میرے ہاتھوں میں ہل کا دستہ ہوگا، اور منہ میں پائپ دبا ہوگا، ایک بیوی ہوگی...... بچہ ہوگا ..... چھوٹے چھوٹے پاجی جن سے محبت کئے بغیر چارہ نہیں......... اور بیوی بھی نہایت اچھی ہوگی۔ ...... مجھے وہ کس کس طرح گرم اور آسائش رکھنے کی سوچے گی...... جب ذرا دل میں آئی فوراً کھانا مل گیا..... صرف اتنا کرنا پڑیگا کہ بیوی سے کہہ دیا، اور فوراً وہی چیز حاضر"

چن چو کے سائے نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔ جنرل اسکی طرف چلا آرہا تھا، اور اس کی آنکھیں کسی خاص آدمی کو تلاش کر رہی تھیں۔ "پائپ کے کش لینا مت بند کرو وانگ۔ بس صرف اتنا بتا دو کہ تیا ؤ منگ کدھر گیا ہے؟۔ ابھی ذرا دیر پہلے میں نے اسے ادھر آتے دیکھا تھا"

"کامریڈ تیاؤ؟" لال بھبوکا کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ اپنا پائپ منہ سے نکال لے، یا جہاں ہے وہیں رہنے دے۔ بہتر یہی ہے کہ مت نکالو۔ بہر حال ہمارا جنرل کوئی پرانے زمانے کی فوج کا سرکاری افسر نہیں ہے۔ اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ، اور نہ القاب و آداب کے ساتھ گفتگو کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔

"آپ تیاؤ منگ کی تلاش میں نکلے ہیں؟"

"ہاں" چن چو نے مختصر سا جواب دیا"

"وہ ــــ وہ تو ابھی ذرا سی دیر ہوئی یہیں تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرف دُور ضروریات سے فارغ ہونے نکل گئے ہوں۔ تی بھائی تمھیں خبر ہے تیاؤ منگ کدھر گئے؟ اس نے تی کو اٹھانے کے لئے جوتے کی نوک استعمال کی

تی اس کے برابر ہی زمین پر پڑا سو رہا تھا۔

"نیچے دیکھو جا کے، غالباً وہ اس سمت نیچے گئے ہیں"

"میں اسطرف چلا جاؤں گا" —— اور یہ کہکر چن چو خاموش قدموں سے چلا گیا۔ لال بھبوکا جنرل کے جانے کے بعد بھی اپنے خیالات کا سلسلہ دوبارہ شروع نہ کرسکا۔ وہ کیفیت ہی جاتی رہی تھی۔ لیانگ زنگ دوسری طرف سے ادھر ہوتا ہوا گذرا۔ اسکی ٹوپی اسکے سر پر نہیں بلکہ گدّی پر اسطرح پڑی ہوئی تھی جیسے ٹوپی گر جائے گی مگر پھر بھی سر پر باقی رہے گی۔ اور قمیص کے بٹن سینے پر سے کھلے ہوئے تھے، وہ ایسا خوش مطمئن اور بے فکر نظر آتا تھا جیسے اس پر تو کبھی مصیبت کی گھڑی گذری ہی نہیں۔

"زبردست خبر لال بھبوکا، سنی خبر تم نے! آج شام پھر نشانہ بازی ہونے والی ہے۔ وہ جو پہاڑی کے سرے سے نیچے مکان ہے —— حرام کا اڈّا! دیکھو میرے پاس کتنی گولیاں ہیں۔ میں تم سے اپنے کارتوس بٹواؤں گا، بولو کتنے کارتوس چاہئیں؟" لیانگ زنگ نے اپنی کارتوس کی پیٹی کو پیار سے تھپکا۔

"مجھے بالکل نہیں چاہئے۔ تم اپنے کارتوس اپنے ہی لئے رکھ چھوڑو"

لال بھبوکا اس لڑکپن کے چہرے پر مسکرا دیا۔ لڑکپن کا چہرہ جو ڈھل چکا تھا، اور دھندلا گیا تھا۔ اس نے کہا "کیا ابھی تک تمہیں کارتوس گنوانے میں مزا آتا ہے؟ یہی حال ہے تو دیکھتے رہو! کچھ دن میں ان کی کمی پڑ جائے گی۔ بڑا خطرناک وقت ہوگا —— اور اسوقت کارتوس روز کی خوراک سے بھی زیادہ قیمتی اور نایاب ہو جائیں گے"

لیانگ زنگ کو اس تقریر میں زرا بھی حقیقت محسوس نہیں ہوئی۔ اس نے لال بھبوکا کے اس انداز پر حقارت سے منہ بنایا، کہ وہ ادھر اُدھر بیٹھا ہوا بیکار اپنا

پائپ اڑایا کرتا ہے۔ اور نہ جانے کہاں کہاں کے فضول خواب دیکھا کرتا ہے۔ جیسے اس کے جسم میں زندگی کی رمق بھی باقی نہیں رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنے دل میں اپنے بچاؤ کے لئے ایک دلیل بھی سوچ لی۔ بتاؤ کیا یہ جھوٹ ہے کہ ہر بار جب تم ایک دشمن کا خاتمہ کرتے ہو تو تمہیں کارتوسوں کی تازہ مقدار استعمال کرنے کے لئے مل جاتی ہے۔؟

اسے خود تو کبھی اس صورت حال سے گذرنا نہیں پڑا کہ دشمن نے اس پر گولی چلائی ہو۔ اُسے جنرل پر اور فولادی شکرے پر بڑا پکا مضبوط یقین تھا، مگر تیاؤمنگ اسے زیادہ پسند نہ تھا کہ اسکے خیال میں تیاؤ بہت کٹر اصول پرست آدمی تھا۔

"کوئی بات نہیں چاہے آج ہمیں کتنی ہی شکستوں کا سامنا کرنا پڑے یا کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں، لیکن یہ قطعی لازمی امر ہے کہ ہماری انقلابی فوج آخر میں فتح مند اور کامراں ضرور ہوگی، ہمارے بھائی جو کچلے ہوئے دوندے ہوئے ہیں ان کی خاطر ہم ساری دشواریاں سہیں گے۔ ساری قربانیاں پیش کریں گے۔ ہم ان کے آگے۔ ان کے آگے بڑھکر لڑنے والے (ہراول) سپاہی ہیں، اگر ہم قربانی دینے سے ہچکچانے لگے تو پھر کون اسکے لئے تیار ہوگا۔ ساتھیو ہمیں جس چیز کی کمی پڑے گی۔ وہ تو دشمن فراہم کردے گا۔ ہمارے دشمن ہمارے لئے رسد لانے والے دستے کا کام کرتے ہیں" جب کبھی انقلابی فوج کے آدمی جاپانیوں، یا ان کے چینی کٹھ پتلی منچوکو، والو ... مقابلے میں ۔لڑنے جاتے تھے، تو جنرل ہمیشہ اسی قسم کی تقریر کرتا تھا، اور گفتگو میں بات یوں چلتی تھی کہ "رسد کے دستے" کا مقابلہ کرنے جانا ہے یا مثلاً ایسا ہو کہ دشمن کی فوج اتنی قریب ہو کہ جو گالیاں یا سخت الفاظ انھیں کہے جائیں اور وہ ان کے کانوں میں پڑ سکتے ہوں تو وہ ہمیشہ چھیڑ خانی کے لئے اپنے دشمنوں کو تحقیر سے پکارتے تھے" رسد کے دستے، رسد کے دستے"

ہاں، دشمن کے سپاہی بھی ان طعنوں پر قہقہہ مار کے ہنس پڑتے ــــ اور جواب دیتے تھے کہ "رسد کے دستے" کہنا ہمیں ناگوار نہیں ہوتا، اصلیت یہ ہے کہ وہ اس طرح سے ہمیشہ کافی سروساماں مہیا کر جاتے تھے اور اکثر یوں بھی ہوا کہ انھوں نے اپنے کارتوس انقلابی فوج کے ہاتھ بیچ دیئے۔ یہ بہت کھرا لین دین تھا۔

"جنرل نے ایک ذرا پہلے تم سے کیا کہا تھا؟" لیانگ زنگ نے یہ سوال کرتے کرتے زمین سے ایک کنکر اٹھا لیا، اور اُسے یوں ہی کسی طرف گھما کر پھینک دیا۔ پھر ایسے ہی دوسرا کنکر اٹھا لیا، اور اسے بھی ایک کھیل بنا لیا۔

"جنرل کو شیاؤ منگ کی تلاش ہے"

"کیوں شیاؤ منگ سے کیا کام ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ شیاؤ منگ سے اس اسکیم کے متعلق گفتگو کرنی ہو کہ پہاڑی کے دامن میں جو وہ جگہ ہے، اُس پر آج رات کیسے حملہ کیا جائے"

"تو تم نے بتا دیا کہ شیاؤ منگ کدھر گئے ہیں؟" لیانگ زنگ نے دانت نکال دیئے۔ سر ایک طرف کو بڑے تمسخر انگیز طریقے سے گرایا۔ اور چہرے پر شرارت اور چوکا دینے والی کیفیت طاری کر لی، کنکر کو لے کر اوپر اچھالا اور پھر لپک لیا۔

"تھوڑی ہی دیر ہوئی شیاؤ منگ اِدھر سے گذرے تھے، اس کے بعد نظر نہیں آئے، جنرل خود ان کی تلاش میں اسی طرف گیا ہے"

"ہشت، تم سمجھتے ہو وہ جنرل کو ملجا ئیں گے؟"

لیانگ زنگ کا لب و لہجہ کچھ اس قسم کا تھا کہ لال بھبھوکا سُن کر جل گیا،

اس نے بڑے اطمینان سے اس چھوکرے کی شکل پر نظر ڈالی اور پوچھا۔ "اب تمہاری اس ٹر ٹر کا مطلب کیا ہے، گومڑی کے بچے؟"

"ارے اس کی ماں کی .... تمہارے جی میں جو کچھ آئے، مگر عورتیں تو خوبصورت آدمی کو ہی پسند کرتی ہیں۔ مجھے طعنہ مت دو، میری ابھی عمر ہی کیا ہے صرف ۱۸، اٹھارہ سال۔ جتنی باتیں ہوتی ہیں سب مجھے معلوم ہیں۔ ساری فوج میں آجکل شیاؤ منگ کا چرچا ہے۔"

لال بھبھوکا نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اور زور زور سے کش لینے لگا۔ لیانگ زنگ اپنی اس تحقیر پر بد داشتہ خاطر ہوگیا، ہاتھ میں جو کنکر رہ گیا تھا وہ بھی اس نے اچھال دیا، اور سیٹی بجاتا ہوا دوسری ٹولی سے باتیں بنانے چل دیا۔ ٹوپی اب بھی اسی طرح گدّی پر جمی ہوئی تھی۔

جنرل چن چو پہاڑی سے نیچے اترتا ہوا خوب بھری ہوئی گھاس اور شکر قند کے پودوں کی طرف چلا گیا جب وہ پہاڑی دھارے کے بالکل قریب پہونچا تو اُسے کوئی آواز سنائی دی، جو انا کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھم گیا، اور بڑے بڑے درختوں کی شاخوں کے پیچھے لمبی لمبی گھاس کی آڑ میں ذرا دیر کے لئے چھپ رہا۔

شیاؤ منگ اور انا دونوں ایک گرے ہوئے درخت کے تنے پر چشمے کے کنارے کاندھے سے کاندھا ملائے بیٹھے تھے۔ انا کے ہاتھ میں کسی درخت کی توڑی ہوئی لمبی ٹہنی تھی اور وہ بے خیالی کے عالم میں بہتے ہوئے پانی سے جو ہلکی ہلکی لہریں سطح پر ابھر رہی تھیں ان پر وہی کوڑا بجا رہی تھی۔ پانی پر کوڑا مارنے سے چھوٹے چھوٹے چمکیلے جھاگ ابھر آتے تھے۔ انا کا ڈاکٹری تھیلا، اور ریوالور دونوں اس کے پیچھے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ شیاؤ منگ اپنی ٹوپی اتارے بیٹھا تھا۔

اور اسکے بال نہایت ڈھنگ سے سنورے ہوئے تھے۔

" ۹، نو ساتھیوں میں سے چار مر گئے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تو ہونا ہی تھا اور میں بھی ان سے کوئی علاحدہ یا مختلف نہیں ہوں۔ مگر اب تک مجھے انکا خیال آتا ہے اگرچہ میں نے یہ بات سوائے تمہارے کسی سے کہی نہیں ہے۔ مجھے احساس ہوتا ہے کہ مجھ جیسا آدمی اب تک اس معاملہ میں ناقص ہے، کہ چینی انقلاب کے ایک ممبر کی ضروریات اور لوازم کا صحیح صحیح اندازہ کر سکے۔ ہمارے انقلاب کے سچے سپاہی کو کسی صورت بھی ڈگمگانا یا دل گرفتہ ہونا نہیں چاہئے۔"

تیا ڈمنگ کی آواز اس طرح رواں تھی جیسے چاندنی میں گہرے پرسکون دریا کی روانی، آواز میں ایک نہایت ہمواری تھی، جو نہ کہیں بلند ہوتی تھی اور نہ کہیں گرتی تھی۔ اور نہ اس کے حرکات میں کوئی اونچ نیچ تھی۔

جب وہ اپنے متعلق تھوڑی دیر تک بات کر چکا تو انا کی طرف متوجہ ہوا۔
"کبھی تمھیں اپنے اصلی وطن کی یاد نہیں ستاتی ؟"

" میرا اصلی وطن ؟ ہاں میرے دل سے اس کی تمنا نہیں جاتی، مگر میں چین میں ہی پیدا ہوئی، یہیں پلی، بڑھی،— اور اصلی وطن کے متعلق مجھے جس قدر علم ہے وہ سب باپ سے سنا ہوا ہے "

" تمہارے باپ شنگھائی میں کیسے گذار رہے ہیں ؟"

" وہاں کے حالات بہت ہی خطرناک اور ہیبت انگیز ہیں " — انا نے یہ کہتے ہوئے ٹہنی کو زور سے پانی پر مارا۔ اور گفتگو جاری رکھی۔ " بچپن کی بات ہے کہ میرے ماں باپ اپنے ملک کی تباہ حالت کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ کہ جاپان کی حکومت نے کس کس طرح سے کوریا کے گورنر جنرل کو مجبور کیا، اور کوریا والوں پر کیسی کیسی مصیبتوں کے پہاڑ تڑوائے، اسی ذکر پر میں نے انھیں رات رات بھر روتے دیکھا ہے

اور جب میرے باپ کے دوست آیا کرتے تھے تو وہ بھی مل جل کر بیٹھتے، اور یہی باتیں کیا کرتے تھے، وہ بھی ذکر کرتے جاتے تھے اور آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگرچہ بچپن میں یہ باتیں میری سمجھ میں اچھی طرح نہیں آتی تھیں، پھر بھی میں رونے لگتی تھی۔ جب سے شعور مجھے ہوا ہے اسی دن سے مجھ میں جاپانیوں سے اپنے باپ اور اپنے لوگوں کا انتقام لینے کی تمنا پیدا ہو گئی "

"چین کی انقلابی پارٹی میں تم کب شریک ہوئیں ؟"

"بہت کم سنی میں۔ ابھی میری عمر کوئی چودہ سال ہو گی کہ مجھے اس کے لئے تیار کیا جانے لگا۔ اب تو پاپا کی ڈاڑھی بھی لمبی ہو گئی ہے، اب وہ مادرِ وطن کا ذکر نہیں کرتے، نہ اس کے لئے روتے ہیں۔ آجکل وہ بہت کام کرتے ہیں، اور یہ بھی خطرہ ہے کہ موجودہ چینی حکومت انھیں گرفتار نہ کرلے"

"تم منچوریا میں جاپانیوں کے خلاف کام کرنے آئی تھیں ؟"

"ہاں یہی میرے پاپا کی بھی رائے تھی۔ جب میں اِدھر آنے کے لئے ان سے رخصت ہونے لگی تو وہ بولے "جاؤ بیٹا، اتا منچوریا جا کر یہ لڑائی وہاں جاری رکھنا، جب سارے چینی عوام جاپان کیخلاف بغاوت کریں گے تبھی ہمارا ملک بچ سکتا ہے، اور کسی چیز پر ایمان مت لانا۔ اتا بیٹی۔ منچوریا جا رہی ہو۔ وہاں ہمارے سیکڑوں ساتھی ہیں، اور دشمن بھی ہیں، جاپانیوں کے خلاف اصلی انقلاب کا جھنڈا اٹھنا چاہئے، ان حرامزادوں کے خلاف آگ اور خون کی لڑائی چھڑنی چاہئے...... اور یہ آخری موقع تھا جب میرے باپ نے مادرِ وطن کا ذکر کیا۔

اتا صرف پچھلے واقعات کہہ رہی تھی مگر جنرل چن چو پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ اس کے قریب ہی آنکھیں کھڑے کھڑے اس نے پاس کے ایک درخت کا سہارا لیا، اور کوشش کی کہ وہ بالکل دم سادھے رہے، اُسے اتا کے باپ پٹنگ

کا خیال آگیا۔ کیسا باہمت آدمی ہے کہ انقلاب کی خاطر اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔

"شیاؤ منگ تم اپنے شکوک وشبہات پر قابو پانے کے لئے انتہائی کوشش کرو، یہ جو تمہارا ڈھیلا پن ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آخر میں تمہیں لے ڈوبے ..."

تھوڑی دیر کے بعد ان کی آواز مدھم پڑ گئی، اور چن چو کو ان کی گفتگو سننا مشکل ہو گیا۔ وہ بہر حال اب اور دیر ٹھہر کر یہ گفتگو سننا بھی نہیں چاہتا تھا، چنانچہ آہستہ آہستہ اس نے پھر پہاڑی کے اوپر کی طرف واپسی اختیار کی تاکہ وہاں سے کسی کو فیاؤ منگ کو بلانے بھیجے، اور پھر "بدمعاشی کے اڈے" پر رات کو حملہ کرنے کی اسکیم تیار کی جا سکے۔

پٹر تک : اوپر آہٹ سے ایک پتھر پانی میں گرا، اور پانی کی چھینٹیں اس جوڑے پر پڑیں۔ ایک دم حیرت زدہ ہو کر ان دونوں نے اس آدمی کی تلاش میں نظریں دوڑانی شروع کر دیں، جس نے یہ پتھر پھینکا تھا، اور وہ آدمی ناگہانی نظر آ گیا۔ یہ تھا یانگ زنگ، اس کے چہرے پر شرارت اور مذاق اڑانے کی کیفیت طاری تھی، اور ٹوپی کھسکتے کھسکتے بالکل گدی پر آ گئی تھی۔

"اب او چور! ۔۔۔ تم ہو" شیاؤ منگ نے اپنا ریوالور نکال کر اسکی طرف حرکت کی مگر اس فنت جو پشیمانی کا ہلکا سا رنگ اس کے چہرے پر پھوٹ پڑا تھا، وہ اُسے چھپا نہ سکا۔

"میں چور نہیں ہوں ۔۔۔ میں ہوں جنرل کا قاصد۔ وہ تمہیں فوراً بلاتے ہیں کامریڈ شیاؤ منگ سن لیا تم نے؟"، یانگ زنگ اور اس کی عجوبۂ روزگار ٹوپی دونوں اکڑتے ہوئے غائب ہو گئے۔ اور فوراً ہی شیاؤ منگ اور اآنا نے پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا۔

سورج پہلے ہی چھپی آسمان پر لٹک رہا تھا، اسکاؤٹ آ گئے تھے اور

ہوئے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھ رہے تھے ، جنرل ایک درخت کے سائے بیٹھا تھا اور اس کے چاروں طرف اور لوگ تھے ۔ کچھ کھڑے ہوئے ، کچھ ہوئے ۔ اور کچھ لوگوں نے اپنی کلائی کے سہارے سے ٹھوڑی اٹھا کر سارا جسم رکھا تھا ۔ نیا ؤ منگ اور انا ایک دوسرے سے الگ الگ آئے ، انا تو اُدھر کی طرف زخمیوں کو اور ساتویں بہن کو دیکھنے چلی گئی ۔ اور نیا ؤ منگ سیدھا ہجوم کی طرف چلا آیا ۔

" جنرل " نیا ؤ نے چین چو کو فوجی سلام کیا ، اور ایک بڑا سا پتھر ہٹ کر اس پر بیٹھ گیا ۔ چند منٹ بعد انا بھی آ گئی ، مگر اس کی آنکھوں میں کرب بے چینی کا ایسا منظر تھا جس سے نیا ؤ منگ کی آنکھیں بھی سلگ اٹھیں ۔

" ساتھیو ! .... " جنرل چین چو نے ان تمام لوگوں کی طرف نظر اٹھائی سے گھیرے کھڑے تھے ، اور اس امید میں تھے کہ اب کوئی چیز انھیں بتائی جانے ہے ۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں ، اور ذرا ٹھہرنے کے بعد اس نے بتایا ج رات ہمیں اس فصیل دار احاطے پر حملہ کرنا ہے ۔ تم سب لوگ یہ اچھی طرح ذہن ن کر لو کہ یہ معاملہ جاپانیوں سے جو مقابلہ ہوتا ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ ہو سکتا ہے ، ان دیواروں کے اندر کئی درجن بندوقیں اور رائفلیں موجود ہیں ہمارے اسکا دٹوں کا بیان ہے کہ یہاں بہت زبردست طریقے سے بچاؤ نظام کیا گیا ہے ۔ بندوقیں نصب کرنے کی جگہیں کافی مضبوط ں گئی ہیں "

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا ، آہیں اس نے اپنا گھونسہ تانتے ہوئے ے عزم اور یقین کے ساتھ کہا ، " کوئی بات نہیں ۔ جو کچھ بھی ہو ہمیں اسے نہ کرنا ہی ہے ۔ یہ بات بے انتہا دشوار ہے کہ ہم ان سے کہیں اور وہ یہ مکان

ہمیں استعمال کرنے کی اجازت دیدیں۔ اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ اُسے حملہ کرکے چھین لیا جائے۔ بہرحال یہ جاگیرداروں کا خاندان ہے۔ جو جاپانیوں کے ہاتھ بک چکے ہیں "

یہ تھی اسکیم جو انھیں نے تیار کی، سب لوگ چار حصّوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ ایک گروہ یا دستہ پر اتا کو مامور کر دیا گیا، اور اس کو فولادی شکرے کے سپرد کیا گیا۔ اس دستے کا کام یہ تھا کہ وہ زخمیوں کو لے کر اور سامان وغیرہ سنبھال کر ریزرو فوج کی طرح پیچھے ٹھہریں، دوسرے تین دستوں کو خود چن چو، تیاؤ منگ اور یانگ کی قیادت میں تقسیم کیا گیا، ابھی چاند پہاڑی کے اس طرف پر آیا نہیں تھا کہ یہ لوگ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے، اور اس طرح دھیرے دھیرے دبے دبے چل رہے تھے جیسے نئی نئی سرزمینوں کا سراغ لگانے والے کسی انجانی سرزمین پر نکل آئے ہیں۔

ٹھیک اسی وقت پہاڑی کی وادی میں ساتویں بہن نے اتا کی آغوش میں دم توڑ دیا، جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے، وہ اور فولادی شکرا مرتے وقت اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اور بوائل تانگ کی رائفل اس کے پہلو میں رکھی تھی۔

ساتواں باب

کیا انھیں گولی سے اڑا دیا جائے؟

جس طرح موسم خزاں کی چاندنی میں مچھر ہر آدمی کو اپنے تیز ڈنکوں کا شکار بنانے پھرتے ہیں، ایسے ہی یہ خبر تیزی سے باہر بھی پھیل گئی، اور خبر کے ساتھ ساتھ بدمزگی اور بے چینی بھی پھیل گئی۔ جیسے مچھر کے کاٹنے سے ملیریا پھیلتا ہے۔ فلاں فلاں قصبے ہیں۔ فلاں فلاں گاؤں میں بے ضابطہ فوجیوں کا قبضہ ہو گیا فلاں فلاں جگہوں پر کسانوں نے "خود حفاظتی دستے" بنا لئے، یا اپنے بچاؤ کے لئے "لال رائفل سوسائٹی" بنا ڈالی یا مثلاً "سیاہ رائفل سوسائیٹی بن گئی اس سلسلے میں یہ حقیقت زیادہ تکلیف دہ ہے کہ کسان اپنی ان کمیٹیوں اور دستوں کے ذریعے سے جاپانیوں کا مقابلہ کرتے ہی ہیں، مگر ساتھ ہی ساتھ خود اپنے گاؤں کے بڑے بڑے دولتمند گھرانوں کے مقابلے پر بھی آتے ہیں۔ یوں کہ تقریباً ان بڑے گھرانوں میں سب کے لئے بس دو ہی راستے تھے یا تو پوری طرح جاپانیوں کا ساتھ دیں، ورنہ اپنی زمینوں اور جاگیروں سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اس طرح سے ایک "عوام کی انقلابی فوج" تیار ہو گئی۔ عوام کے جذبات کی رَو ایسے سیلاب کی طرح بڑھتی چلی جا رہی تھی

تھی جس کے لئے کوئی روک نہ ہو، جاپانی ایک دن کے اندر اپنی توپوں کے زور پر پورے کے پورے گاؤں کا صفایا کر دیتے تھے۔ دوسرے دن اور منچوکو (دیسی) فوجیں اپنے جاپانی کمانڈروں کو مت کے گھاٹ اتار دیتی تھیں، اور خود وہاں سے نکل کر مختلف رنگ کے دستوں میں سے ایک نہ ایک کے ساتھ مل جاتی تھیں۔ پانی کی طرح یہ روانی مختلف دھاروں میں مل کر راستے اختیار کر لیتی تھی لیکن اس تمام تحریک سے مل جل کر ایک ہی شور بلند ہوتا تھا۔ ہر طرف سے ایک ہی نعرہ لگتا تھا "جاپانیوں کو سرزمین وطن سے نکال دو"

نوجوان وانگ سوئم نے جس دن سے یہ سنا تھا کہ لوگوں نے اس قسم کے دستے بنا لئے ہیں، اور وہ پہاڑی کی چوٹیوں پر شہد کی مکھیوں کی طرح اکٹھے ہو گئے ہیں، اسی دن سے وہ کچھ بے قرار رہنے لگا تھا جیسے اسے بخار آ گیا ہو۔ نہ معلوم کیا زمانہ آ گیا ہے؟ یہ لوگ بے ضابطہ فوجی ہیں کیا؟ یا ڈاکو ہیں؟ دونوں میں فرق کرنا اور فیصلہ کر سکنا دشوار تھا، مگر بے ضابطہ فوجی تو یہ کبھی نہیں کرتے کہ لوگوں کو اغوا کر کے لے جائیں، اور انھیں تاوان ادا کرنے کیلئے قید رکھیں۔ انھیں رائفلوں کی گولی بارود کی، افیم کی اور سگریٹ کی بھی ضرورت ہے۔ اور یہ چیزیں تو ان کے لئے بھی عام ہیں، پھر یہ لوگ جاپانی سپاہیوں کی طرح بھی نہیں ہیں۔ جن عورتوں اور لڑکیوں پر وہ آسانی سے ہاتھ ڈال سکتے تھے۔ اُن کے ساتھ بھی ان لوگوں نے زنا بالجبر نہیں کیا۔

حال ہی میں جنوبی چوٹی کے اس پار کی گھاٹی سے ایک اور گروہ پہلے گروہ میں شامل ہونے آیا تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں انقلابی جھنڈے تھے، خود اپنے ہاتھ سے اپنا کھانا تیار کرتے تھے، سب کے پاس رائفلیں تھیں، اور عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لئے ہوئے آئے تھے، اسی صبح کو چرواہے کا لونڈا وانگ سوئم کے پاس یہ واقعہ سنانے آیا۔ چنانچہ واقعہ سنتے ہی وہ اٹھا، اور اس نے اپنے باغات

کی اندرونی دیواروں کا معائنہ کیا۔ اور کونوں پر جو بندوق لگانے کی جگہیں بنی ہوئی تھیں انھیں دیکھا۔ لڑائی کے کام کی رائفلیں ضرورت سے زیادہ اور کافی تعداد میں تیار تھیں، مگر ہاں ایک سوال بہت ٹیڑھا تھا کہ ان بندوقوں کو داغنے والے آدمیوں کی کمی تھی۔ خاندان بھر کے روپئے، زیورات اور قیمتی اشیاء کی تو کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ یہ چیزیں تو پہلے ہی سے شہر کے بنکوں میں جمع تھیں۔ بڑے اور منجھلے بھائی بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ شہر میں زندگی گذارنے چلے گئے تھے، البتہ وانگ سوئم (چھوٹے بھائی) کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ایسا عالی شان مکان کرایہ پر اٹھا دے۔ یا اسے ڈاکوؤں کے رہنے کے لئے خالی چھوڑ دے، اس نے قسم کھائی تھی کہ یہ یہیں رہونگا اور اس محل کی حفاظت کروں گا۔ اس کے دماغ میں یہ خیال پوری طرح بس چکا تھا کہ اتنا زبردست مکان بنانا جو ہزار ماؤ (بیگھہ) میں پھیلا ہوا ہو۔ اس کے باپ کے لئے کوئی آسان یا معمولی بات نہیں ہوگی۔ انھوں نے ایسا عالی شان قصر تعمیر کرایا، اور اپنی اولاد کے لئے چھوڑ گئے۔ یقیناً یہاں راحت کا دور کبھی آئے گا۔ اسے اپنے بڑے بھائیوں کی ان حرکتوں پر سخت غصہ آتا تھا کہ وہ افیم کھاتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں۔ اور ان کی عورتیں گانے بجانے والی عورتیں ہیں، وہ خود بڑا سادہ مزاج اور سیدھا سادھا آدمی تھا روپیہ ضائع کرنے سے قطعی بے نیاز، اور کبھی اپنے کسی مزارع کرایہ دار، یا کاشتکار پر ایک پیسہ نہیں چھوڑتا تھا۔ اس کے آسامی ہمیشہ اسے "سفید فام ولیم" کے بڑے نام سے یاد کرتے تھے، یہ اور بات ہے کہ جب کسی سے آمنا سامنا ہوگیا تو وہ "چھوٹے سرکار" کہہ کر وہیں تعظیمی سلام بجالاتا تھا۔

اب "چھوٹے سرکار" (وانگ سوئم) کو فکر ہوئی کہ اس معاملہ کا کیا بندوبست کیا جائے، ظاہر ہے کہ اتنا وقت نہیں تھا کہ شہر سے سپاہی بلوانے کا انتظام ہوسکے اور پھر یہ بھی کہ یہ لوگ جو اسوقت پہاڑ کی چوٹی پر ٹھہرے ہوئے ہیں جلد یا بہ دیر اسپر

دھاوا بول دیں گے۔ اور یہ معاملہ ایسا ہے کہ علاقے کے غریب آدمیوں کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ اس ضلع کا سب سے بڑا جاگیردار تھا، اور اس لئے بھی مدد میں آنے سے بچ نہیں سکتا۔ شام کا وقت ہوگا کہ اس نے آس پاس کے کرایہ داروں اور اپنے کاشتکاروں، آسامیوں کو بلوانے کا فیصلہ کیا، اور راستے میں چرواہے کے لونڈے کو چپکے سے بھیجا کہ وہ "ڈاکوؤں کو کچلنے والے ہیڈ کوارٹر" میں خبر پہونچا دے۔

جو آسامی بالکل قریب ہی رہتے تھے ان میں سے کچھ اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر چھوٹے سرکار" کا حکم سننے کے لئے چل دیئے۔

"چھوٹے سرکار اپنے احاطے کے بیچ میں اِدھر اُدھر ٹہلتے جاتے تھے ان کی انگلیاں لگاتار جنوبی چوٹی کی طرف اٹھتی تھیں۔ اور ان کی زبان سے ایسی اعلیٰ درجہ کی تقریر ابل رہی تھی جس کا ان غریب آسامیوں کو کسی طرح یقین نہ آتا تھا۔ بات یہ ہے کہ "چھوٹے سرکار" بڑے چرب زبان آدمی تھے۔ ان کا فارغ البال چکیلا سر تقریر کے آہنگ کے ساتھ ساتھ خود بھی حرکت کرتا تھا، ان کی چھوٹی چھوٹی مگر گہری آنکھیں سوئیوں کی طرح آدمی کے بدن میں تیزی سے چبھ جاتی تھیں، مسکرانے کے لئے چھوٹے سرکار کو اپنے اوپر بڑا جبر کرنا پڑا۔ کیونکہ مسکراتے وقت انکی آنکھوں کے گوشوں پر موٹاپے کی کئی سی تہیں چڑھ گئیں۔ ان کے مسکرانے کا انداز ہی یہ تھا۔ اور اسی انداز سے وہ اپنی فکر، پریشانی اور غصے کا اظہار کیا کرتے تھے۔

نوجوان کاشتکاروں اور آسامیوں کے سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بوڑھا اور پوپلے منھ کا آدمی ان سے یہ کیسے کہہ رہا ہے کہ وہ اس کے ساتھ اپنی مہربانی، اور عنایت کا ثبوت دیں، اور یہ بات کہ وہ اسکے وفادار آسامی ہیں۔ آج اس کیلئے

خاص توجہ اور احترام کا باعث کیسے بن گئی۔ آسامیوں نے سوچا کہ اسوقت "چھوٹے سرکار" پر کوئی بپتا آ پڑی ہے اور اگر اسوقت ان کے جذبۂ رحم کو مہمیز دی جائے تو کچھ نہ کچھ فائدہ ہی رہے گا۔ اگرچہ وہ ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ وہ اصل میں "چھوٹا سرکار" نہیں ہے بلکہ "سفید فام ولیم" (کنجوس مکھی چوس) ہے۔

"سرکار ٹھیک فرماتے ہیں" بوڑھے کسانوں میں سے ایک نے کہا "ہم سب بوڑھے بچے سرکار کا نمک کھاتے رہے ہیں، انھیں کے دیئے ہوئے کپڑے پہنتے رہے ہیں۔ اور سرکار ہی ہمارے جیون کا آسرا ہیں ...... اس وقت سرکار پر وقت پڑا ہے، اگر ہماری جانیں بھی کام آجائیں تو ہم نا نہیں بول سکتے" اور چونکہ بوڑھے کونگ کو ان الفاظ میں جو کمی رہ گئی تھی اس سے آگے بڑھ کر خاص طور پر زمیندار کی خیر خواہی جتانی تھی اس لیئے کونگ نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر مارے اس کی چھوٹی سی کلغی اس کے سر کی آخری بلندی پر فخر و غرور سے ہلی، گردن پر گیں ابھریں اور باریک موچھیں لرز گئیں۔

"یہ بڑے میاں کونگ بیٹھے ہیں جو بہت پکے آدمی ہیں" چھوٹے سرکار" نے بڑے میاں کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "ہر برے بھلے میں ہم زمیندار اور کاشتکار برسوں سے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ کبھی ہم دونوں میں سے ایک نے غلطی کی اور دوسرے نے حق کی بات کی۔ دونوں ہی طرح کام چلتا ہے اور اسی طرح انجام بھی ہوتا ہے۔ فرض کرو آج تم لوگوں نے میرے گھرانے کی مدد کی جبکہ ہم لوگوں کو مشکل درپیش ہے۔ تو کیا تم سوچ بھی سکتے ہو کہ کل اگر تم پر کوئی مصیبت کا وقت آپڑا تو تمہارا جاگیردار اطمینان سے بیٹھا دیکھتا رہے گا۔ اور تم مصیبت اٹھاتے رہو گے؟ کیا ہم ہر کام کے معاملے میں اسی ایک گھرانے کے آدمی نہیں ہیں؟"

ہر ایک کو معلوم تھا کہ اسی سال شروع گرمی کے دنوں میں جب کونگ

کی بیوی مری ہے تو اس کی لاش ایک پھٹی پرانی چٹائی میں پڑی سڑتی رہی، اور ایک گڑھے میں ویسے ہی دبا دی گئی ۔ چھوٹے سرکار" کو سب خبر تھی، مگر اس سے یہ نہیں ہوا کہ کونگ کی بیوی کے اچھے خاصے کفن کے لئے روپیہ اپنی جیب سے نکال دے، اور اس نے زبان تک نہیں کھولی۔ ایک چیز تھی جسے بوڑھے کنگ نے کبھی غور سے سوچا ہی نہیں ـــــ وہ یہ کہ کسان، عوام کا وہ طبقہ ہے جو یہ بھی نہیں جانتے کہ اپنی عداوتوں کو کیسے یاد رکھیں۔

ہر آدمی کو رائفل دیدی گئی، اور چھوٹے سرکار نے ہر شخص کو یہ سمجھا سمجھا کر کارتوس دیئے کہ "گولیاں ضائع مت کر دینا۔ آج کل ان کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے ایک ایک گولی کا بھاؤ دس سنٹ (ڈھائی آنے) ہو چکا ہے، اور گولی چلاؤ تو دیکھو خالی کارتوس مت پھینک دینا، بچا کے رکھنا تاکہ ان میں جو تانبا ہے وہ بازار میں بیچ دیا جائے۔ اچھی خاصی قیمت لگ جائے گی۔"

آج چھوٹے سرکار غیر معمولی طریقے سے روپیہ بہانے پر تلے ہوئے تھے انھوں نے ایک سور ذبح کیا، اور بڑی سی دیگ کے ابلتے ہوئے پانی میں اسکا گوشت پکوایا۔ کاؤلیانگ کی شراب (تاڑی یا سیندھی) سے بھرا ہوا ایک مٹکا، اسکے قریب رکھ دیا، جس پر کوئی ڈھکنا نہ تھا۔ شراب کی مہک کھلے ہوئے مٹکے سے اڑ کر ہر طرف پھیل گئی، اور ہر شخص کو ترغیب دینے لگی۔

چھوٹے سرکار کے ملازم، نوکر اور آسامی کُل ملا کر ۲۷، آدمی ہوئے ۲۷ر بندوقیں بھی مختلف قسم کی نکالی گئیں۔ "چھوٹے سرکار" جب بندوق ٹکانے کی جگہ کا معائنہ کرنے چلے تو انھوں نے اپنے لئے کئی فائر کرنے والی، اور خود سے چلنے والی بندوق ـــ اسکے علاوہ ایک ریوالور لے لیا۔ جدھر وہ معائنہ کرتے ہوئے گئے انھوں نے ہر ایک کو یہی ہدایت کی۔ اگر وہ لوگ خود سے شروع نہ کریں تو

ہم بھی اپنی طرف سے چھیڑ کرنا نہیں چاہتے!"

بندوق کے ٹکانے کی جگہ سے نیچے بارود کے بھرے ہوئے برتن رکھ دیے گئے۔ تاکہ بڑے منہ کی چھوٹی بندوق میں استعمال کیا جا سکے۔ یہ بڑے منہ کی چھوٹی چھوٹی بندوقیں تھیں تو پرانی، مگر بڑی خطرناک، ان میں بڑے بڑے بارود کے ڈبے بھرے جا سکتے تھے، جو بم کے گولے کی طرح ہوتے تھے، اور شروع سے آخر تک سیخ کی طرح یک ساختی تھے۔ اس طرح سے تہائی میل کے فاصلے تک سارے علاقے پر ان کی مار پڑ سکتی تھی۔ اور اگر گھڑسوار ڈاکوؤں کا حملہ ہو تو اس کا بہترین جواب ان سے دیا جا سکتا تھا۔

نوجوانوں کے ہاتھوں میں رائفلیں آئیں تو انھوں نے حیرت اور جوش کے ملے جلے احساس کے ساتھ رائفلوں سے کھیلنا شروع کر دیا۔ بندوقوں کی دیکھ بھال کے لیے وانگ کے گھرانے نے جو لوگ اُجرت پر رکھے تھے وہ ان نوجوانوں کو بتاتے پھر رہے تھے کہ گولی کس طرح چلائی جائے، نئے کارتوس کیسے ڈالے جائیں اور گولی چلانے کے بعد بیکار کارتوس کیسے نکالے جائیں......... بے خوف وخطر آج انھوں نے اُبلے ہوئے سور کا گوشت خوب جی بھر کے کھایا، اور بڑی معصومیت اور سادگی سے کاؤلیانگ کی شراب پی۔ ان معاملات میں وہ ابھی کتنے کچے ہیں انھیں اس کی کیا خبر۔ بندوق رکھنے کی جگہ کے انھوں نے کئی پھیرے کئے تاکہ باہر باغ پر اچھی طرح نگاہ رکھی جائے۔ جس طرح شوقین بچے بے چینی سے نئے سال کے تہوار یا کسی بڑی چھٹیوں کا انتظار کیا کرتے ہیں، وہ بھی پر امید ہو کر جنوبی پہاڑی کی چوٹی کے پیچھے چھپے ہوئے لوگوں کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ جتنی جلد وہ سامنے آئیں اچھا ہے۔

مگر چھوٹے سرکار کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا، وہ اپنے جی ہی جی

میں خدا سے دعا کر رہے تھے۔

"اے آسمانوں کے مکیں! اے قادر مطلق۔ اگر یہ ڈاکو صفت لوگ یونہی ٹل جائیں تو اچھا ہے۔ یہ سارے بے ضابطہ فوجی، یہ انقلابی فوج والے کمبخت نفرت انگیز ہیں، یہ بُت سے بے سر و پا، اور جاہل گندے لوگ۔ زندگی کی جو نعمتیں تو نے انسان کے لئے مقدر کی ہیں، انھیں صبر و شکر سے قبول نہیں کرتے، خدایا، امن چین سے زندگی گذر وادے۔ اگر کوئی شہنشاہ بن جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ اگر یہ جاپانی بدمعاش ہی سارے ملک کو قبضا کر بیٹھ جائیں تب بھی غنیمت ہے۔ آسمانوں کے نیچے خدائی کرنے والے ہمارے محصول اور ٹیکس تھمی کو ادا ہونے چاہئیں۔ یہ بے ضابطہ فوجی یہ دس دس ہزار کی بے ایمان فوجیں، کیا یہ ان فلک شگاف چیزوں کا بعید از عقل خواب نہیں دیکھتے کہ امیروں کی دولت اور رئیسوں کی جاگیر کا بٹوارہ کر ڈالیں؟ زمین و آسمان کے درمیان دولت خدا کی دی ہوئی ہے۔"

کاؤ لیانگ کی شراب نے نوجوانوں کی آنکھوں میں آگ لگا دی تھی اور وہ سرخ انگارہ بن چکی تھیں، دلوں میں آگ پھونک دی تھی، اور دل جوش و خروش سے تپنے لگے تھے، ان کے رواں خون میں آوارہ خیالات کے بلبلے اٹھتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے۔ بلند آواز سے یہ لوگ چلا رہے تھے، اور جنوبی پہاڑی کی چوٹی پر جو ہجوم آنے میں دیر کر رہا تھا۔ اُسے دیر کرتے میں اندھا دھند گالیاں دیتے تھے، انھوں نے فحش اور غلیظ گیت گانے شروع کر دیئے، نوجوان بڈھوں سے ذرا ہٹ کر قریب قریب بیٹھے تھے، چند دہقان نشان گاہوں پر جا کے ہوئے یہ لوگ عورتوں کی باتیں کرنے لگے۔ اور اسی بیچ بے ضابطہ فوجیوں اور انقلابی فوج والوں کا ذکر آ گیا، باتیں کرتے کرتے ان میں سے کچھ لوگ جو نگہ شراب بہت چڑھا گئے تھے نیند میں ڈھلک گئے، آخر میں گفت گو ہوتے ہوتے

چھوٹے سرکار تک آگئی۔

چھوٹے سرکار اِدھر سے اُدھر، اس طرف سے اس طرف دوڑتے پھر رہے تھے، ہر طرف وہ یہی ہدایات دے رہے تھے۔ "ابھی تم اطمینان اور صبر سے بیٹھے رہو، اصل میں وقت آگے کا ہے۔"

محل کے تمام کتے باندھ دیے گئے تھے کیونکہ خطرہ تھا کہ اگر انھوں نے بھونکنا شروع کر دیا تو گڑبڑی ہو سکتی ہے۔

"اگر باقی دن بھی آج کی طرح گزرے تو پھر مزے ہیں، کھانے کو گوشت اور پینے کو شراب ملا کرے۔" ان میں سے ایک آدمی نے آہِ سرد جیسی آواز نکالتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ چھوٹے سرکار بڑا ہوشیار آدمی ہے جب یہ دریا پار کو جائے گا تو پل توڑ ڈالے گا۔" دیوار کے ایک تاریک کونے میں سے دوسرے نے گفتگو آگے بڑھائی۔

"ارے دیکھو۔ وہ کہیں سن نہ لے" ایک اور شخص نے سب کو خبردار کیا۔

"سن لے گا تو کیا — میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ فکر مت کرو، اگر تم اس کی آٹھ پشتوں کو بھی گالیاں دو گے تب بھی وہ یہی ظاہر کرے گا کہ جیسے کچھ سنا ہی نہیں، اور اگر سن بھی لے تو کیا کر لے گا۔ ہم بجائے اس کے کہ ادھر منہ کر کے گولی چلائیں، اِدھر رخ کر دیں گے، اور خود بھی پہاڑی والوں کے ہجوم میں مل جائیں گے۔ کیا مزے کا وقت ہے۔ اس وقت بیوی نہ ہوتی ورنہ پاگل ہو جاتا۔"

"آج کل جو تم کاشتکاری کا کام کرتے ہو اسے دیکھتے ہوئے کیا تم

سمجھتے ہو کہ ڈاکوؤں میں شامل ہو سکتے ہو؟ تمھیں کیا اتنی خبر بھی ہے کہ بندوق کس طرف سے چلتی ہے۔ ارے واہ ۔ اس پر بھی تم ہمیں سبق دینے چلے ہو!"

"کیوں کیا بندوق چلانے میں تین دن محنت کرنی پڑتی ہے؟ تم اوپر کی ڈھبری اسطرح کھولو اور یہاں جھٹکا دے کر دبا دو۔ ......" ابھی یہ الفاظ مشکل سے ادا ہوئے ہوں گے کہ ایک دم تڑاق سے آواز ہوئی، اور گولی چل گئی۔ ہر شخص گھبراہٹ اور اضطراب میں ادھر اُدھر دوڑنے لگا، جو لوگ دیوار کے ایک کونے میں سو گئے تھے وہ پریشانی میں اپنی بندوق کو تلاش کرتے ہوئے دوڑ بھاگ کرنے لگے۔

"کسی چھوکرے کی بندوق اتفاق سے چل گئی کیا؟" باہر سے بندوق چلانے والے نے پوچھا، ہر آدمی کے کان میں دھاتوں کے ٹکرانے کی موسیقی نواز آوازیں گونجنے لگیں۔ جیسے فولاد کا ہتھوڑا بجنے سے ٹھن ٹھن پیدا ہوتی ہے۔ اس ہڑبونگ میں کوئی کسی کی بات نہ سن سکا۔

"کیا ہوا؟ تم نے باہر کوئی کھٹکا محسوس کیا تھا؟ یا اتفاق سے بندوق چل گئی۔" یہ چھوٹے سرکار تھے جو اپنے ایک ہاتھ میں بیڑی دبائے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں پستول دبائے ہوئے دوڑ کر آئے۔ ان کے پستول کا گھوڑا تیار تھا، اور گھوڑے پر انگوٹھا رکھا ہوا تھا۔ نوجوان کسان جس سے گولی چل گئی تھی، ویسے ہی دم بخود کھڑا رہا اور اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئیں، منھ سے اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ قطعی احمق اور کندۂ ناتراش ہے۔ بندوق کی نال سے لطیف اور ہلکے دھوئیں کی نرم سی لہر بہت دھیرے دھیرے ہوا میں گھل مل رہی تھی۔

"تم نے ڈھبری کھولی تھی؟" دوسرے چھوکروں میں سے ایک نے اس کے ہاتھ سے رائفل لے لی۔ رائفل لینے سے پہلے اس نے کافی زور لگا کر ڈھبری پر جھٹکا دیا اور جلا ہوا کارتوس مشکل باہر نکالا۔ چھوٹے سرکار پہلے چونکہ سمجھ چکے تھے کہ

تانبے کے دام لگتے ہیں" اس لئے ان کے ارشاد کی تعمیل کے لیے کسی شخص نے خالی کارتوس اٹھا لیا، اس ہنگامے کے بعد پھر ایک بار سکون ہوگیا، ایسا سکون، ایسی خاموشی جس میں جنگل سے رات کے عقابوں کی اونچی چیخیں سنائی دینے لگیں۔

ان کے سامنے گہرے اور پائیدار امن وسکون کے ساتھ جو گھونٹی دیوار کھڑی تھی، یہ دیوار ایسی ٹھوس اور مضبوط تھی جیسی چھوٹے موٹے شہر کی فصیل ہوتی ہے اور دیوار کے باہر کی خندق بھی ویسی ہی تھی کونوں پر پہونچکر یہ دیوار کچھ اور اونچی اٹھ گئی تھی۔ کیونکہ یہاں بندوق جمانے کے لئے پشتے لگے ہوئے تھے، جہاں بندوق ٹکانے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ اگرچہ وہاں سرسری نظر میں تو نہیں، لیکن اگر ذرا تلاش کی نظر سے دیکھا جائے تو بڑے بڑے منہ کی چھوٹی بندوقوں کے سیدھے نشانات اور نکلیں بنی ہوئی تھیں جو تاریکی میں ایک طرح سے خواہش انگیز بھی تھیں۔

موسم خزاں کے کیڑوں مکوڑوں کی ٹرٹراچر چر کا شور اور بڑھ چلا تھا، اور اس شور کو سن کر ایسی وحشت طاری ہوتی تھی جسے کسی طرح الفاظ میں بیان نہ کیا جاسکے درختوں کی ٹہنیوں پر شکاری پرندے اپنے پر پھڑپھڑا رہے تھے۔ اور اسی کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کمزور چڑیوں کی دہشت زدہ آواز بھی برابر سنائی دے رہی تھی۔

شیاؤ منگ نے آسمان کو دیکھا اس انداز سے گویا اُسے کسی چیز کا انتظار ہے، اور اسے آج سارے دن کے واقعات اور ان واقعات کے لمحے یاد آنے لگے اسے اس وقت کا تصور ہوا جب کہ اتنا اس کے پاس بیٹھی ہوئی پانی کی دھار پر تھپنی مار رہی تھی جس سے فضا میں بار بار چمکیلے، سنہرے چھینٹے اڑنے لگتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد

اس لڑائی کا خیال آیا جو اسوقت درپیش تھی۔

لوگوں کو قتل کرنے سے گریز یا درگذر کیا جائے۔ یہ بات ممکن نہیں تھی۔ اسے یاد آیا کہ چیگ شنگ اس سے باصرار پوچھا کرتا تھا۔

"سچ مچ وہ دن کب آئیں گے جن کا تم ذکر کرتے ہو" اور اسوقت یہی سوال اس کے ذہن میں بھی اٹھا، وہی بوڑھے چیگ شنگ کا سوال، جس کا کوئی جواب نہ تھا۔

وہ دن کب آئے گا جب آدمی کے ہاتھ سے آدمی کا قتل ہونا ضروری نہ ہو۔ ؟"

اس کے ستّرہ ساتھی وہیں قریب زمین پر بالکل چت اور بے حس پڑے تھے، اسی طرح خاموش اور اسی کی طرح انھیں بھی اسوقت کا انتظار تھا جبکہ لڑائی کا لمحہ شروع ہوگا۔ اور اس کے سوا اور کسی بات کی نہ فکر تھی نہ خیال۔ ان ستّرہ آدمیوں میں ایک لال بھبھو کا ساتھی بھی ہے۔ ایسے ہی ایک گھنٹہ وہ بھی تھا جبکہ وہ کسی طرح اپنا پائپ سلگا ہی نہیں سکتا تھا۔

ان کی آنکھیں بندوق جمانے کے سیاہ سوراخوں پر لگی ہوئی تھیں، اور کان پوری طرح گولی چلنے کی آواز پر تھے کہ اب چلے اور تب چلے۔ کبھی کبھی دیوار کے اندرونی جانب سے، اور کبھی بندوق جمانے کی جگہوں سے انھیں قہقہوں کی آواز اڑتی ہوئی سنائی دیتی، اور ان کے پیچھے جو فضا کھلی پڑی تھی وہاں پہ گونج جاتی۔

"سنو دیکھو! [illegible] نقل [illegible] ہے" فوجیوں میں سے ایک نے کہا۔

مگر آواز اس [illegible] کی نہیں تھی جیسے باہر کی طرف گولی مارنے پر ہونی چاہئے

یقیناً بندوق ویسے ہی اتفاقاً چل گئی ہے،" سفیا ومنگ نے بتایا۔ گولی کی آواز رکنے کے بعد جب کتوں کے بھونکنے کی آواز بند ہوگئی، اور احاطے میں بالکل خاموشی ہوگئی تو نیا ؤمنگ نے اشارہ دینے کے لئے ہاتھ ہلایا، اور اس کے ساتھ ہی ایک اور مختصر اور چھوٹے راستے سے جو دیوار کے کونے تک جاتا تھا۔ کنارے کنارے ہو لئے۔ دیوار پر چڑھنا کوئی آسان کام نہ تھا، اور اس طرف ایک خندق بھی تھی۔ گہری اور بڑی کھلی ہوئی خندق جس پر سے کوئی شخص پھلانگ نہ سکے۔ اور پھر دیوار پر بھی خاردار تار لگے ہوئے تھے۔ خندق کے باہر کی طرف کا کنارہ درختوں کی ٹہنیوں سے بھرا ہوا تھا، جو زمین تک لٹکی ہوئی تھیں۔ ان کے نوکیلے سرے ہر طرف کو نکلے ہوئے تھے۔

دستے کے بائیں بازو پر بھورے اور خاکی سائے رینگنے شروع ہوگئے تھے۔ نیا ؤمنگ جانتا تھا کہ یہ وہ دستہ ہے جس کی رہنمائی جنرل چن چو کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ دستہ بڑے دروازے پر حملہ کرنے چل دیا ہے، اور فوراً ہی عام گولی بار کی آواز بے اختیارانہ پھٹ پڑی۔

سب سے نزدیک جو بندوق لگانے کا مقام (مورچہ) تھا وہاں سے جواب ملنا شروع ہوا، اور دستے کے مورچے پر لگے ہوئے آدمی مضطرب اور بے قرار ہو گئے۔ بڑے منہ والی بندوق نے آس پاس کے کھیتوں میں بگل میں دھواں دھار گولی برسائی اور دور دور تک اپنا نشانہ بنایا، نیا ؤمنگ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فوراً خندق کے اس پار کی ٹہنیاں توڑ توڑ کر اکٹھی کر لیں، اور ان سے خندق کو پاٹ دیں۔ ان ٹہنیوں سے جو راستہ بنا وہ لوگ پار اتر گئے۔ اور اب یہاں سے انھوں نے بائیں طرف کے مورچے سے قریب والے مورچے پر قبضہ کرنے کی تیاری شروع کر دی تاکہ وہاں تک ہاتھ پہونچ سکے اور وہ پیچھے رکھے

ہوئے بارود کے پیپوں کو آگ لگا دیں،

سامنے کے بڑے دروازے پر سپئی کا شور بہت سخت تھا۔ خاص طور پر شمالی مشرقی کونے پر گولی چلنے کی آواز زیادہ تھی۔ اور وہیں سے لوگوں کے چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

"تم نے ان بدمعاشوں کو تاک لیا ...... تم کوئی ڈاکو نہیں ہیں ....."

کس کو پرواہ ہے تم بدمعاشوں کی! دیکھو دیکھو ہوشیار رہو انھیں دیوار مت چڑھنے دینا۔ چلاؤ گولی! چھوٹے سرکار کارتوس! ہمیں کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ اس کی ماں کی .... اب یہ تھوڑے سے بچے ہیں۔ ان سے ہم نہیں لڑ سکتے، چھوٹے سرکار کدھر نکل گئے؟ چار مورچے بالکل بیکار ہیں، ایک لمحے میں یہ لوگ اندر گھس جائیں گے، اگر یہ اندر گھس آئے تو پھر ہمارا کیا ہو گیا؟ ارے ہم کسی غیر کے لئے کیوں گولی کھائیں؟ وہ ذلیل بے ایمان اب کہاں گیا۔ اب یہ کیوں نہیں کہتا پھر رہا ہے کہ خالی کارتوس میں چونکہ تانبا ہوتا ہے اس لئے وہ بھی قیمتی ہیں؟"

جلدی جلدی بمشکل انھوں نے پچاس فائر کئے ہوں گے کہ اپنی خالی بندوقیں اٹھالیں اور باغوں میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ تاکہ چھوٹے سرکار کا پتہ لگائیں جو شخص مورچے سے اس وقت باہر کا منظر دیکھتا اسے سوائے اس کے اور کچھ بھی نظر نہ آتا تھا کہ بھورے رنگ کی فضا پھیلی ہوئی ہے۔

ایک دم سے ٹھیک اس لمحے جبکہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ باہر کی گولی بار ٹھنڈی پڑنے والی ہے تو جنوبی مشرقی کونے کے مورچے پر ایک زبردست دھماکا ہوا جس سے زمین تک دہل گئی۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ آسمان پھٹ جائے گا جو لوگ احاطے کے اندر تھے ان پر تو یہ دھماکا ایسا شاق گذرا کہ وہ سمجھے بس

اب ساری دنیا تباہ ہوگئی ـــــ یا شاید سورج پھٹ کے گرا۔

بندوق رکھنے کی ساری کی ساری جگہ غائب ہو گئی، اور محل کی فصیل پھٹ گئی، شہتیروں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے، اور انسانی جسموں کے شکستہ اعضاء ہوا میں اڑے، اور پھر زمین پر دھم سے آپڑے، دھوئیں کے تاریک اور ناقابلِ تنفس پردے سے گندھک کی بہت سخت اور تیزابی بدبو آرہی تھی۔ سارے احاطے میں شعلوں کی روشنی پھیلی اور جس طرح بوتل کے منہ پر ڈاٹ لگائی جاتی ہے، اسی طرح دھوئیں کے کمبلوں میں ہر شخص کا دم گھٹنے لگا......... وہ لوگ جو دوسرے مورچوں پر ابھی تک ڈٹے ہوئے تھے وہاں سے ایسے بھاگے جیسے چوہے اپنے بل کا منہ بند ہونے پر سراسیمہ بھاگتے ہیں، اور خوف و دہشت کے مارے سارے باغات میں پاگلوں کی طرح گھومنے لگے۔

بندوق کا مورچہ تباہ ہونے سے دیوار کا جو حصہ شق ہو گیا تھا وہاں سے کچھ لوگ بھڑکتے ہوئے شعلوں کے سُرخی مائل سایوں میں بھوتوں کی طرح اندر داخل ہو گئے۔

ساری دیوار پر ایک ہی شور سنائی دیتا تھا ـــ "بندوقیں پھینک دو ـــ ہاتھ اوپر اٹھاؤ....."

"گولی مت مارو! ہم تو سب کے سب جاگیردار کے آسامی ہیں۔ ہمیں اس گھر کی دیکھ بھال کے لئے بلایا گیا تھا۔"

ان میں سے ہر ایک نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا لئے سامنے کا بڑا دروازہ زبردستی کھول دیا گیا تھا اور اب چھوٹے سرکار کی تلاش ہو رہی تھی۔ انھوں نے جا بجا اُسے تلاش کیا، مورچوں پر جا کر دیکھا، اِدھر اُدھر ڈھونڈھا کہیں پتہ نہ چلا۔ کسان جو اب تک گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے ان کو جن چھو

نے کھڑے ہوجانے کا حکم دیا۔

"بھائیو کھڑے ہوجاؤ۔ ہم کوئی ڈاکو نہیں ہیں" اس نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو بتایا کہ فلاں کمرے میں جمع ہوجائیں۔ اور ایک سپاہی کو حکم دیا۔

"کامریڈ جاؤ ان لوگوں کو اس کمرے میں لے جاؤ۔ اور تم اس کمرے کی پہرے داری کرو۔ یہ لوگ کوئی گڑبڑ نہ کرنے پائیں"۔ اس کے بعد اپنے اور ساتھیوں کو لیکر وہ آگے بڑھ گیا۔ کسانوں نے ذہنی الجھن کے ساتھ اس چھوٹے سے آدمی کو جاتے دیکھا جس نے ان کی نگاہ کے حیرت و استعجاب کو دھوکے میں ڈال دیا۔ اور وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے ـــ "یہ کون سی فوج ہے؟ یہ لال رائفل والے تو نہیں ہیں کہیں؟ یا پھر وہ موں کے بے ضابطہ فوجی؟ کیا ہم سب کو یہ موت کی سزا دیں گے؟ اور اگر سزائے موت دے دیں تو جو کام انھوں نے سنبھال رکھا ہے وہ ہم خود بھی اختیار کرلیں گے۔ اسے بھی ایک اچھا موقع سمجھو......"

فوج کی پشت پر انقلابی فوج کے آدمیوں نے چھپتے سرکار اور اس کی بیوی کو پہلے ہی پکڑ لیا تھا اور وہ دونوں ان لوگوں کے سامنے میں اس طرح کھڑے ہوئے کانپ رہے تھے جیسے دو سؤر جن کو ذبح کرنے کے لئے خوب موٹا تازہ کیا گیا ہو۔ چہرے بالکل سفید، حالت یہ تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ یہ دونوں جانیں جو اس وقت اپنے عالی شان باغ کے درمیان شعلوں کی روشنی میں چمک رہی تھیں انھیں بچانے کے لئے دنیا میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو پیش نہ کر دیتے، جان عزیز پر قربان نہ کر ڈالتے۔

چن چو نے ان سے سوال کرنا بھی مناسب نہ سمجھا، اور سیدھے سادے طریقے سے شیاؤ سنگ کو حکم دیدیا کہ ان کو کہیں لے جا کر ختم کر دو۔ ان کی لاشیں

مٹا دو۔ اور یہ کام منٹ اکرمیچو اجب اس نے سنا کہ مجھے موت کی سزا دی جانے والی ہے تو چھوٹا سرکار، جس جگہ زمین پر پڑا ہوا تھا وہاں سے کھینچ نہ سکا، اور اس کی بیوی رونے اور بین کرنے لگی۔ بالکل اسی طرح جیسے اس کے آسامی اور کاشتکار رویا کرتے تھے، اور فریاد کرتے تھے جب وہ لگان ادا کرنے کی دھمکی دیتے دیتے ایک دم سے حکم دیا کرتا تھا کہ لے جاؤ اس کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالو۔

شیا ڈمنگ ایک بار جنرل چن چو کی طرف مڑا اور پوچھا!

"کیا انھیں گولی مار دی جائے؟" یہ بات اس نے نہایت آہستہ سے پوچھی تھی مگر سب ساتھیوں کی نظریں اسوقت اسی پر تھیں، اور وہ اس کی گفتگو سننے کیلئے ہمہ تن گوش بنے کھڑے تھے

ہاں یہ تو ضروری ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان لوگوں کو زندہ رہنے دیا جائے اچھی بات ہے کسی اور کو ہم اس کام کے لئے بھیجتے ہیں"

اس بات پر لوگوں کو ذرا ہلکی سی ہنسی آئی کچھ حرکت ہوئی آخر میں طے ہوا کہ کمانڈر یانگ ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دے، شیا ڈمنگ اس بات پر بہت ہی کھسیانا ہوا، اسے کچھ دلی تکلیف ہوئی، اور شرمندگی محسوس ہوئی، چن چو نے اسکی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ ویسے ہی گشتی دستے تقسیم کرنے میں لگا رہا اور اس دوران میں کچھ لوگوں کو اس نے حکم دیا کہ تم پہاڑی کی چوٹی پر جا کر زخمیوں کو لے آؤ۔"

دیوار کے باہر تھوڑا فاصلے پہنچ ہوا ہوگا کہ دو ڈبی آوازیں آئیں، جیسے کوئی سپنی گسٹی آہ ہو، دو گولیوں کے چلنے کی آواز ہوئی، اور شیا ڈمنگ سمجھ گیا کہ وہ دونوں ختم ہو گئے، اس احساس سے شیا ڈمنگ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ گویا اس کے اندر ایک طرح کا ٹکراؤ تصادم جو ہو رہا تھا اسکا حل نکل آیا، فیصلہ کن

راز میں اس نے اپنے دل میں کہا "چلو اچھا ہوا، یہ جاگیردار جو جاپانیوں کی سرپرستی، اور ان کی حفاظت قبول کرتے ہیں ان کو ختم ہونا ہی چاہئے۔

لوگ جس طرف بھی گئے انھیں کھانے پینے کا کافی مسالہ ملا۔ اس سے انھیں اتنی خوشی ہوئی کہ باقی سب کچھ بھول گئے، اور انتہائی بے تکلفی اور سادگی سے انھوں نے باورچی خانے کا رخ کیا، اور یہ ذمہ داری خود ہی سنبھال لی کہ انھیں جتنے ذائقے معلوم ہیں ان کی تسکین کا سامان بہم پہونچائیں۔ چین جو آگے بڑھا تاکہ دیوار میں جہاں جہاں شگاف آگئے ہیں ان کی درستی کرائی جائے، اس نے احکام دینے شروع کئے کہ یہاں دیوار درست کی جائے گی۔ یہاں مرمت ہوگی، ان سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ان کسانوں اور بندوقچیوں کا معائنہ کیا جنھیں اس مکان کے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ انھیں قطعی طور پر پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کہ چھوٹے سرکار کو گولی مار دی گئی۔ چنانچہ جب تک جنرل بولا نہیں اس وقت تک ان لوگوں پر دہشت سوار رہی۔

"بھائی دیکھو جو کچھ ہوا ہے اس سے تم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تم دن دہاڑے اطمینان سے اپنے گھروں کو واپس جا سکتے ہو۔ اگر تمھیں یہ معلوم ہو کہ اور رائفلیں اور ہتھیار کہاں کہاں چھپے رکھے ہیں تو ہمیں بتاتے جاؤ کہ انھیں کدھر تلاش کیا جائے ہمیں اور کچھ نہیں چاہئے۔ جب ہم یہاں سے جائیں گے تو اگر تمہارا جی چاہے تو یہ سامان لے لینا۔"

بڑے خلوص اور فرماں برداری کے ساتھ دو بندوقچی انھیں لے کے چلے تاکہ ان جگہوں کا کھوج نکال دیں جہاں وانگ کے خاندان نے اپنا اسلحہ اور سامان جنگ چھپا کر ذخیرہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ غالباً ہم وہ پوشیدہ جگہیں بھی بتا سکتے ہیں جہاں افیم اور قیمتی سامان، زیورات وغیرہ حفاظت سے رکھی

ہوئے ہیں، ان کی اصل جگہ چھوٹے سرکار کا خاص کمرہ ہی ہو سکتا ہے۔ اسی ایک کوٹھری میں ہو گا جس کی چابی ہمیشہ چھوٹے سرکار کی بیوی کے پاس رہتی تھی۔

"ہمیں کسی اور چیز کی قطعی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو صرف ایک چیز چاہئے سامان جنگ، رائفلیں، گولی بارود۔"

صبح ہونے تک چھوٹی چھوٹی دس ہزار چیزیں ایک جگہ سلیقے سے لگا کر رکھ دی گئیں، باورچی خانے سے لگا تار لوہے کے برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ آرہی تھی۔ اور ایسا شور مچا ہوا تھا جیسے رات کا کھانا تیار ہوتے وقت ہوٹلوں میں پلیٹوں کی صدا بلند ہوتی ہے۔ ہر طرف اعلیٰ درجہ کے کھانوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف میزیں آراستہ کی جارہی تھیں، اور ان پر پیالے اور گلاس لاکر رکھے جارہے تھے، نوجوان فوجی بڑی سرگرمی سے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر دوڑ رہے تھے، اور ساتھ ہی سور کی بھنی ہوئی ہڈیاں چباتے جارہے تھے۔

لال بھبھوکا ایک بڑے سے کمرے کے کونے میں بیٹھ گیا، وہاں بیٹھ کر اس نے بڑی راحت و مسرت کے ساتھ اپنے پائپ کے کش لینے شروع کئے اور یہ عجیب منظر دیکھتا رہا۔ جو عام طور پر دیکھا نہیں تھا۔ جو لوگ فدائی کئے گئے تھے، ان پر جو نشہ چڑھا تو انھوں نے دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں کے فریم اور شیشے توڑنے شروع کر دیئے، اس کے بعد سگریٹوں کا ایک ذخیرہ ہاتھ آگیا۔ جسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ سگریٹ پیا کیسے جاتا ہے وہ بھی سگریٹ پینے کی مشق کرنے لگا بعض لوگوں کو سگرٹ سے اپنے بے تعلقی دکھانے پر مذاق جو سوجھا تو انھوں نے منہ میں سگرٹ لگانے کے بجائے ناک کے نتھنوں میں سگرٹ لگا لئے اور ہر شخص ہنس پڑا۔

جنرل چن چو اسوقت سامنے کے دروازے کی طرف آگے چلا گیا تھا اور دروازے کے باہر کی سیڑھی پر پیر رکھے ہوئے جنوبی چوٹی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ خزاں کی نکھری ہوئی صبح میں ہر چیز صاف و شفاف دکھائی دے رہی تھی۔ پہاڑی چوٹی کے قریب فضا میں بہت سے ہلکے ہلکے نرم بادل بے حس و حرکت کھڑے تھے بالکل نزدیک رات بھر برسی ہوئی شبنم کی بوندوں سے پتیاں بوجھل ہو گئی تھیں، اور کچھ تو پیلی پڑنے لگی تھیں، اب تک سلگتی ہوئی آگ سے جس نے جنوبی مشرقی مورچے کی دیوار کو بالکل اڑا دیا تھا مسلسل تازہ دھواں نکل رہا تھا، اور ابھی تک ناگوار چراند چلی آ رہی تھی، گوشت کی بوٹیاں، اور ہڈیوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے اس طرح خلط ملط ہو گئے تھے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آگ کے اوپر جو شہتیر جل رہا ہے اس کے ساتھ انسانی لاش بھی جل کر کباب ہو رہی ہے یا نہیں۔ جلتے ہوئے گوشت سے برابر آگ میں قطرے ٹپک رہے تھے۔

ٹوٹی ہوئی رائفلیں اور خالی کارتوس سارے احاطے میں بکھرے پڑے تھے، ایک کتا باغ کے کونے میں بیٹھا ہوا کسی عورت کا زرد دوزی کا جوتا چچیر رہا تھا۔

چن چو بندوق جمانے کے مورچوں میں سے ایک مورچہ پر چڑھ گیا تاکہ وہاں سے آس پاس کی سرزمین کا نقشہ دیکھ کر یہ اندازہ لگا سکے کہ حملہ اگر ہو تو کدھر سے ہو سکتا ہے۔ خود اسی کی فوج کا جھنڈا مشرق کی طرف کے پہاڑی سلسلے پر لہرا رہا تھا، ان چوٹیوں کی بلندی بیرونی چوکیوں کے لئے بہترین جگہ کا کام دے سکتی ہے۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ جاپانی اور چینی نمک خوار نیچو کو "سپاہی فوراً ہی اس مضبوط قلعے پر حملہ کرنے نہیں آئیں گے۔ یہ جگہ زرا زیادہ محفوظ ہے۔

بہت دور فاصلے پر آسے وہ لوگ نظر آئے جو آخری بلند چوٹی کو دھیرے دھیرے نیچے اتر رہے تھے۔ اور جو انھوں نے سنبھال رکھے تھے وہ بار بار انھیں ادھر سے ادھر دغا دے جاتے تھے۔ وقتاً فوقتاً یہ لوگ جنگلوں اور جھاڑیوں میں نظر سے اوجھل ہو جاتے تھے، مگر پھر سامنے نکل آتے تھے جنرل نے غور کرنا شروع کیا تو وہ اس دستے کے ایک ایک آدمی کو پہچان گیا۔ اور جنھیں اچھی طرح پہچان نہ سکا ان کے بارے میں اس نے خیال آرائی کی۔ اوروں کے مقابلے میں جو آدمی ذرا اونچا نظر آ رہا ہے، وہ دستے کے پیچھے پیچھے، غالباً فولادی سنگرا ہے۔ اس کی نظر خاص طور پر اتا کو تلاش کر رہی تھی، اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ کر سائبان بنایا، اور سارے گروہ پر ایک بار پھر اتا کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ مگر بے کار اتنی تلاش کے باوجود اسے پتہ نہ چل سکا کہ اتا ان میں سے کون ہے اور ہے بھی یا نہیں۔

اس کے بعد ذرا اور پیچھے ایک اسٹریچر نمودار ہوا۔ دو آدمی اسے اٹھائے ہوئے تھے اور تیسرا آدمی اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ آخری آدمی کے خاکی مائل سفید کپڑوں پر نظر آکر اٹک گئی۔

"یقیناً وہی اتا ہے۔ کیا اس اسٹریچر پر جو آدمی ہے وہ زیادہ زخمی ہو گیا ہے؟ یہ لوگ اتنے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے ہیں؟"

پہاڑی پر آتے ہوئے دستے میں اتا کو پہچاننے کے بعد جنرل کو سکون محسوس ہوا، اور اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ آ گئی۔ چن چو کے چہرے کی یہ اس وقت کی مسکراہٹ ایسی تھی جیسے موسم بہار میں صبح کے وقت زمین کا وہ سینہ جو سخت سردی سے جکڑا ہوا تھا، شق کر کے نرم و نازک گھاس کی پہلی کونپل نمودار ہوتی ہے۔

چند سیڑھیاں وہ اور نیچے اترا، اگرچہ تیار کھانے کی مہک نے اس کے خیالات کا دامن کھینچا۔ کھانے میں ابلے ہوئے چاول تھے، بھنا ہوا گوشت تھا، اور ترکاریاں تھیں۔ احاطے کے کنارے کنارے کمروں ہی سے کسی ایک کمرے سے لیانگ زنگ دوڑتا ہوا آیا، اسکا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ اور بازو برہنہ تھے، اس کے پیچھے پیچھے کوئی اور شخص اسکا تعاقب کر رہا تھا، اور اسے گالیاں دیتا جا رہا تھا۔ اس کی نظر سامنے جنرل چن چو پر پڑی اور قریب تھا کہ وہ وہیں سے پلٹ پڑے اور بھاگ نکلے کہ چن چو نے اسے روک لیا، اور ایسی نظر ڈالی جس میں یہ سوال پوشیدہ تھا کہ۔

"تم لوگ کیا مذاق کر رہے ہو؟ کیا شراب دماغ پر چڑھ گئی ہے؟"

"جی ہاں: پی گیا ہوں۔ اگر میں ان بدمعاشوں کی شراب نہ پیتا تو مجھے اور کون پلاتا؟ آپ بھی پی کر دیکھئے جنرل صاحب!"

لیانگ زنگ بے پرواہی سے کمرے کے دروازے میں کھڑا ہو گیا اور اس نے جنرل کو بھی جام شراب کی پیش کش کر دی۔ وہ بہت ہی بدتمیز اور اکھڑ معلوم ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ روزمرہ کی تمام تازہ بہ تازہ گفتگوؤں میں کافی چرب زبان ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس نے کبھی یہ سوچنے کی فرصت بھی نہ نکالی ہو گی کہ جب یہ چیزیں اپنی اصلی شکل میں آتی ہیں، اور مسائل واقعات کی صورت اختیار کرتے ہیں تو انکا "کیا" طلب ہوتا ہے۔ وہ صرف زبان دراز، اور بدتمیز ہو گیا تھا، اور نئی نئی نامعقول گالیاں گڑھنے کی صلاحیت کافی بڑھ گئی تھی، تاکہ ان کا ذخیرہ اکٹھا کر لے اور جو کوئی اس کے کام میں رکاوٹ ڈالے اسی کے سر پر اپنی نئی لعنتوں اور گالیوں کا انبار دے مارے۔ یہی حال اسکا لڑائی کے معاملے میں بھی تھا۔

چن چو نے اس تذبذب میں کہ اس کے لبوں پر ابھی مسکراہٹ تھی

لیانگ زنگ کو ذرا دیر خاموشی سے دیکھا، اور پھر آگے بڑھ گیا، لیانگ زنگ نے ادنٰی درجے کی شکل وصورت کے جنرل کو غور سے دیکھا، اسکا انگوٹھا حسب دستور پیٹی میں ہی اٹکا رہا۔ اور آہستہ آہستہ اسی مقام کی طرف چل دیا جدھر لال بھبھوکا بیٹھا ہوا اپنا پائپ کھینچ رہا تھا، لیانگ نے بار بار اپنی پلکیں جھپکائیں اور جب وہ مڑا تو سارا جسم ترچھا ہو گیا، اور ایک طرف جس کمرے سے وہ نکلا تھا: اسی کمرے میں پھر ٹہلتا ہوا داخل ہو گیا، کمرے کے اندر جو اونچی اونچی آوازیں باتیں ہو رہی تھیں اور شور برپا تھا اسمیں کوئی خلل نہیں پڑا۔

"کامریڈ جنرل" لال بھبھوکا نے اپنے کمانڈر کو تعظیمی سلام پیش کیا اور مانوس خیالات کی انتہائی گہرائی سے جن میں وہ ابھی ایک بار پھر ڈوب چکا تھا، الفاظ ادا کئے۔ اس کے دماغ میں یہ سوال اڑا ہوا تھا۔ "آخر امن کے دن کب آئیں گے؟ اسے کاشت کے لئے زمین کب ملے گی؟ اور جاپانی بدمعاشوں کو جنھوں نے سارے ملک کو روند ڈالا ہے۔ اس ملک سے نکال باہر کرنے کا کام انجام پلے گا؟"

وہ اپنے گوشے سے نکل کر آگے بڑھا، اور جنرل کے سامنے احتراماً اس نے اپنا پائپ منھ سے نکال لیا، اور عادت کے طور پر گفتگو کرتے وقت اس نے اپنا پائپ ہاتھ میں اوپر اٹھا لیا، یہ عادت اسوقت رہی ہو گی جب وہ اپنے گاؤں میں اپنے دوستوں سے ملتا ہو گا۔ اس نے جنرل سے کہا

"جنرل آپ تو بہت تھک گئے ہوں گے، آپ تمباکو بھرا ہوا پائپ پئیں گے؟" — اس نے پائپ کی نلی صاف کر دی یہ جتانے کے لئے۔ پائپ صاف ہے۔

چن چو نے پائپ قبول کر لیا، اور منھ سے لگا کر اطمینان اور معمول کے

طور پر کش لینے لگا۔ لال بھبوکا کے پاس جو چھوٹا سا اسٹول پڑا تھا، اس پر خود آرام کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"جنرل آپ تو پائپ بھی پیتے ہیں ـــ ہے نا؟"

"ہاں میں بھی پی لیتا ہوں" جنرل چن چو کو غیر معمولی طور پر راحت و سکون کا احساس ہوا۔

"مگر عجیب بات ہے کہ کبھی میں نے آپ کو پائپ پیتے دیکھا نہیں؟"

اس وقت لال بھبوکا اچھا خاصا متواضع میزبان بنا ہوا تھا۔ اور اپنے محترم مہمان کی تواضع کے لئے اس کا پائپ جو کچھ سامانِ راحت مہیا کر سکتا، وہ اس نے بطور میزبان پیش کر دیا۔ یہ اس کے گاؤں کے پرانے رسم و رواج کے عین مطابق تھا۔ اور یہیں سے اس کے خیالات بغیر کسی دقت کے پھر اس کے وطنی گاؤں کی طرف چلے گئے۔ اس کا وطن، اس کا ریہ گاؤں جو تمباکو کے پتوں کی پیداوار کے لئے مشہور تھا۔

"آپ کو یہ تمباکو پسند ہے کیا؟" لال بھبوکا نے دیکھا کہ چن چو پھر انہیں خیالات میں گم ہو گیا ہے جو اس کے حافظے پر سنڈ لا رہے تھے، اور وہ انہیں ہمیشہ الجھا رہتا تھا۔ اسی لئے لال بھبوکا نے اپنے اس سوال سے جنرل کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور خیالات سے دامن چھڑانے کی کوشش کی۔

"بہت عمدہ ہے" جنرل یہ بات کہہ کر پہلے کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

"اس تمباکو کا مزا ویسے تو اچھا ہے مگر اتنا اعلیٰ درجے کا نہیں ہے جیسا میرے گاؤں کے تمباکو کا ہوتا ہے۔ اس کا اور اُس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ یہ واقعہ ہے!" اتنا کہہ کر لال بھبوکا خاموش ہو گیا۔ چن چو نے اس کے چہرے پر

نظر ڈالی۔ اس پر غم اور تفکر کے آثار نمودار ہو رہے تھے اور کسی قدر سرخی بھی آ گئی تھی۔

"تم اپنے گھر کے متوالے ہو۔ کیوں کیا ایسا نہیں ہے کامریڈ وانگ؟"
چن چو نے اپنا پائپ ختم کر لیا تھا، اور اب وہ اس کی راکھ اپنے ربڑ کے بوٹ پر کھٹ کھٹا کر نیچے گرا رہا تھا، لال بھبوکا نے دیکھا کہ جنرل کے بوٹ کیسے خستہ حال ہو چکے ہیں، ایک بوٹ کا تلا گھس چکا ہے، ہلکے سے چن چو نے پائپ کا سرا جوتے کے سوراخ میں داخل کی تاکہ ذرا اپنا پیر کھجا لے۔

"اب میرا گھر کہاں رہا ہے جس کی تمنا کرے کوئی۔ اگر جاپانیوں نے ہمارے گھرانے کو اِدھر اُدھر نہ بکھیر دیا ہوتا تو آج میں یہاں کیسے ہوتا؟ ہائے میرا گھر!" اسکے غم و ملال کا یہ اظہار جنرل نے خود اپنے سوال کے ذریعے اس کے سینے سے نکالا تھا، اور بالکل ممکن تھا کہ لفظوں کے ادا ہونے کے بعد اس کی یاد بھی کافور ہو جائے مگر غم وطن کی کوئی حد نہ تھی۔ انتہا نہ تھی۔ اس نے جنرل سے پائپ واپس لیا اور ایک بڑے سے چمڑے کے تھیلے میں ڈال کر اسے دو تین بار گھمایا۔ اور پھر اس کی چلم میں تمباکو بھر کر نکالا۔ تمباکو کو انگوٹھے سے خوب دبا کر اور جما کر اس نے پھر جنرل کی طرف پائپ بڑھا دیا۔ جنرل نے پہلے تو ذرا رسمی سا تکلف کرتے ہوئے انکار کیا مگر پھر قبول کر لیا، اور اس کی نلکی دانتوں میں دبا لی، اس دوران میں تمام کمروں کے اندر ہماہمی، اور ہنسنے، قہقہے لگانے کی آوازیں گونجنے لگی تھیں، جس میں پنجہ لڑانے کا شور بھی تھا، اور جنگی گانوں کی آوازیں بھی ——

لال بھبوکا نے پہلی ماچس سلگائی مگر وہ بجھ گئی تو اس نے دوسری سلگائی پھر چن چو پائپ کا دوسرا دور پورا کرنے بیٹھ گیا۔

"یہ تمباکو کہاں سے آیا ہے؟"

"معلوم نہیں۔ کہیں سے لیانگ رنگ لے آیا تھا۔ آپ کے ربڑ کے جوتے بالکل ٹوٹ چکے ہیں، ان کا تلا غائب ہو گیا ہے۔ کیوں کیا ایسا نہیں ہے؟" لال کھبوکا نے دلی ہمدردی کے ساتھ سوال کیا۔ چن چو نے پیر ہلائے بغیر جواب دیا۔

"ہاں۔ تلا نکل گیا ہے۔ چلنے پھرنے میں ذرا مجھے احتیاط کرنی پڑتی ہے کل رات زور سے میرا پاؤں پتھر سے ٹکرا گیا۔ اب تک تکلیف ہو رہی ہے"

"اب آپ اس کا کیا کرنے والے ہیں؟"

ابھی جب تک چی چانگ تک پہونچوں گا، اسوقت تک ٹھہر جاؤ۔ پھر وہاں سوچا جائے گا۔ اب تک جتنے جوتے ملے ہیں ان میں سے کوئی میرے پیروں میں ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ تم جا کر کچھ کھا لو، یہاں کھانے کا سامان بے شمار مل گیا ہے اتنا کہ ہم سب کیلئے کئی دن تک چلے گا۔"

چن چو نے لال کھبوکا کا پاپ واپس کر دیا، اور دوسرے باغ کی طرف چل دیا، لال کھبوکا اسی طرح بیٹھا رہا، اور اس آدمی کی طرح نظریں گھماتا رہا جو کچھ بھول گیا ہو۔ پھر وہ اس جانے ہوئے انسان کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ جو اس قدر بے تکلفانہ عادات کا انسان ہے۔

"ارے میں بھول گیا۔ کوئی بات تھی جو میں۔ جنرل سے پوچھنا چاہتا تھا..... ؟"

صبح کے کوئی سات آٹھ بجے ہوں گے کہ اتنے میں اسٹریچر اٹھانے والے بڑے دروازے میں داخل ہوئے، ان کے ہاتھوں پر زخمی ساتھیوں کا بوجھ تھا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے پہرے دار ساتھی نے ان کو تعظیمی سلام دیا۔

فولادی لشکرے کا چہرہ؟ پہلے ہی سُتا ہوا تھا اور لٹک گیا تھا۔ اس کے

جھڑپے اور بھی آگئے کو نکل آئے تھے، اس دستے کے اور لوگوں کی اور تیسرے بھائی آیی کی کیفیت وہی حسب دستور تھی۔ وہ اتنے تھک کر چور ہو چکے تھے کہ جب آنکھیں کھلے ہوئے باغات ہر طرف دکھائے جانے لگے، تو بمشکل وہ اپنی آنکھیں کھول سکے مورچے پر جہاں دیوار میں شگاف پڑ گئے تھے، اور بندوق نکالنے کی تباہ شدہ جگہ سے اب تک دھواں اٹھ رہا تھا، اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

"کل رات کیا ہم اسی شگاف سے اس احاطے میں داخل ہوئے تھے؟"

فولادی شکرے نے بھاری اور بالوں سے بھرا ہوا ہاتھ زور سے دبایا چن چو۔ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ زخمی جو بعد میں اپنے اپنے اسٹریچروں پر اندر لائے گئے اور انھوں نے بیٹھے ہوئے پتھروں کی زبانی اپنے ساتھیوں کی جرأت و شجاعت کی کہانی سنی۔ درد و کرب سب بھول گئے اور کوشش کی کہ اسے پر مسرت سے مسکرا دیں۔

"اس چوٹی پر ہمیں لڑائی کی آواز بہت صاف سنائی دے رہی تھی، اور جب یہ مورچہ پھٹا ہے تو ہمیں شعلے بھی اٹھتے ہوئے نظر آئے، واقعی وہ منظر بھی قابل دید ہوگا، اور ہم نے پہاڑیوں کے اوپر اپنا جنگی گیت تمہاری طرف گانا شروع کیا؟" فولادی شکرے کا سر فخر و ناز سے بلند ہونے لگا، اور اس کی شان بڑھتی گئی یہ اس میں قدرتی بات تھی، اور اس کا نام ––– فولادی شکرا ––– درحقیقت اس کے وجود کا ایک حصہ تھا۔

شیاؤ منگ، کمانڈر یانگ، لیانگ زنگ سب کے سب جمع ہو گئے۔

"کیا اتنا تمہارے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔؟" شیاؤ منگ نے فولادی شکرے سے پوچھا۔

"جی ہاں" اس کے بعد یاؤ منگ پر ایک نظر ڈالی۔

"مجھے خطرہ ہے کہ انا بیمار ہو گی" فولادی شکرے نے بہت دور فاصلے پر اپنی نظریں دوڑائیں، اب زخمیوں کا گزرنا بند ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "رات اس نے کام کی انتہا کر دی، جتنا اس سے ہو سکتا تھا اس نے کیا پھر بھی ہمارے دو ساتھی ختم ہو گئے۔ ایک کا تو یہ ہوا کہ وہ درد کی شدت سے ہوشیار نہ ہو سکا، اور تڑپ کر باہر نکل گیا، اسکا سر ایک نوکیلے پتھر سے ٹکرا گیا، اور صبح ہونے سے پہلے اس نے جان دیدی۔ دوسری ساتویں بہن ٹی کی بیوہ کا حادثہ ہوا، تم لوگوں کو پہاڑی سے اترے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی ہو گی کہ وہ مر گئی" فولادی شکرا اسی طرح بولتا رہا جیسے اس پر ان واقعات کا کوئی اثر نہیں ہے۔ بہت دھیمی ہموار آواز میں۔ اور آنکھیں دُور خلا میں لگی رہیں۔

"کامریڈ ننگ اور ساتویں بہن دونوں سدھار گئے۔ دونوں ایک رات میں چل بسے"

فولادی شکرے نے یانگ زنگ یا کسی اور کو کوئی جواب نہ دیا۔

جنگل کے ایک گوشے سے دو اسٹریچر اور نظر آئے، اسٹریچر آگے آگے تھے اور انا ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

"دیکھو وہ ہیں ان دونوں کی لاشیں" فولادی شکرے نے بتایا، وہ سب کے سب بیمار معلوم ہوتے تھے، اور بیماری ان کی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی، مگر اسٹریچر اٹھانیوالوں کی آنکھیں اور انا کی آنکھیں انھیں غالباً یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں کہ بالآخر ہم اپنے ٹھکانے پر گئے۔

آٹھواں باب

یادگاریں

رائفل کی تین باڑھ داغی گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان سب کے دل سخت تکلیف اور کرب کے ایک ہی رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ چن چو نے اپنی تقریر شروع کر دی۔

"ساتھیو"! جنرل کی آنکھیں اپنے سامنے بہت غور سے دیکھ رہی تھیں، اور اپنے سخت بازوں کا سہارا لئے ہوئے وہ آگے کی طرف جھک گیا تھا اور ہاتھوں سے اس نے میز کے کونوں کو بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ جذبات کے وزن سے اس کی آواز بھرّائی ہوئی اور تھکی تھکی بلند ہوئی۔

"جب جاپانی شاہی فوج سے ہماری لڑائی شروع ہوئی ہے اس وقت سے آج تک ہمارے کتنے ہی ساتھی جانیں دے چکے ہیں، اور ان میں سے دو لاشیں ہمارے سامنے رکھی ہیں۔ ہر شخص کی نظریں ان دو خاموش پھیلی ہوئی لاشوں

کی طرف اٹھ گئی جو اس حلقے کے بیچ میں لکڑی کے تابوت پر رکھی ہوئی تھیں۔ بڑے امن و سکون کے ساتھ دونوں جسم لیٹے ہوئے تھے، ان مردہ چہروں پر درد و کرب کی کوئی علامت نہ تھی، انا نے ساتویں بہن کے بال بڑے سلیقے سے تراش دیئے تھے اور ان میں کنگھی کر کے انھیں سنوار دیا تھا۔ دوسرے فوجی کا سر بندھا ہوا تھا مگر پٹیوں کے باہر تک سیاہ خون کے دھبے ابھر آئے تھے، دونوں مردہ جسموں پر زرد وردی اور نقشیں کمبل اڑھا دیئے گئے تھے، تمام فوجیوں نے ان لاشوں کو دیکھا اور ان کی آنکھوں میں آنسو کے قطرے بھر گئے۔ پھر ایک بار وہ اس طرح خاموش دم بخود، اور بے حس و حرکت رہ گئے جیسے تھکے ہارے دل گرفتہ کوؤں کا جھنڈ ہوتا ہے۔

آسمان پر کہیں سورج کا نام و نشان نہ تھا، آدھے آسمان پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے، چن چو نے کافی ضبط کیا، اور پھر اپنی بیٹی میں انگوٹھے ڈال لئے وہ اپنے اوپر کے ہونٹ کی لرزش کو نہ سنبھال سکا، اور اس کی بھوؤں کے درمیان کی شکنیں اور گہری ہوگئیں۔

"ساتھیو! ہم یہ نہیں بھول سکتے کہ ہمارے ساتھی کس کے ہاتھوں مارے گئے، اور کس بے دردی سے مارے گئے...... یہ دونوں ساتھی جن کی لاشیں ہمارے سامنے دھری ہیں۔ تم انھیں۔ اور ان کی موت کے واقعات کو خوب جانتے ہو" - اس نے ایک منٹ کے لئے دماغ پر زور دیا "جب ہم مرتے ہیں تو دشمن کے ہاتھ سے ہماری موت شاندار موت ہوتی ہے۔ ہم اپنے عزم پر اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ ہم اپنے آدمیوں کے لئے مرتے ہیں۔ ہم اسلئے مرتے ہیں کہ ہم اپنے عوام کے لئے مرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، یہ فرض اس نئی دنیا کی طرف سے ہم پر عاید ہوتا ہے۔ جو ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ

ہم اپنے دشمن سے انتقام لیں ، جو ہمیں مارتا ہے، ہم پر ظلم ڈھاتا ہے، ہمارے بھائیوں اور بہنوں کو قتل و تباہ کرتا ہے۔ ہمیں وہ قربانی دینا ہے جس کو ہم نظرانداز نہیں کرسکتے ہمیں وہ فرض انجام دینا ہے، جس سے ہمارے لئے فرار نہیں ہو سکتا،" اس نے دونوں گھونسے زور سے میز پر مارے اور حاضرین میں سے ہر شخص نے اس کے الفاظ کے پورے وزن کو محسوس کیا۔ جنرل کی آواز نے پھر اپنا قدرتی اور معمولی انداز اختیار کیا

"ساتھیو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ اس وقت براہ راست جس دشمن سے مقابلہ ہے وہ سامراجی منصوبوں والے جاپانی فوجی ماہر ہیں۔ جاپانی سیاست داں ہیں، اور سرمایہ دار ہیں۔ یہ دیسی فوج بھگوڑے والے، ان کے شہری محکموں کے افسر، جاگیردار، اور مقامی گنڈے، بے ایمان رشوت خور سرکاری ملازم ـ جو انتہائی بے شرم اور ان جاپانیوں کے پالتو کتے ان کے پیچھے پیچھے دوڑنے والے ـ جاپانی اور یہ ان کے نمکخوار جانور، دونوں چینی انقلاب کی راہ روکنا چاہتے ہیں انقلابی تحریک کو ختم کر ڈالنا چاہتے ہیں، ان کا منصوبہ یہ ہے کہ کمزور کو ہمیشہ کے لئے لوٹ ڈالو اس سے کام لئے جاؤ، کسان، اور مزدور کو دبائے جاؤ۔ اور سپاہی کو ہمیشہ سپاہی کی صفوں میں رکھو، ہزارہا سال سے، بے شمار پشتوں سے یہی ہوتا رہا ہے کہ انھوں نے تم سے جان توڑ محنت لی اور خود محنت کا فائدہ اٹھایا، انھوں نے تم سے مویشیوں اور غلاموں کا کام لیا!"

"چن چو کی آواز اس کے ساتھیوں میں ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے آسمان کو ہلا ڈالے گی۔ ان دیواروں کے پار جنگلوں کا دل دہلا دے گی اور پہاڑیوں کی وادیوں میں بجلی کی طرح کڑکے گی۔

"ہم میں کچھ لوگ کھیتوں سے آئے۔ کچھ فوج سے آئے۔ اور کافی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو ڈاکوؤں کے گروہ سے نکل کر آئے...... ہم نے مصائب

اٹھائے ہیں۔ ہم نے بھوک اور سخت بھوک سہی ہے، اور آپس میں اس طرح جڑے رہے ہیں کہ دشمن کی تلاش کرنے اور اسکا مقابلہ کرنے کے لئے اگر ضرورت پڑے تو خون کے دریا پھلانگ جائیں۔ آخر کیوں؟ کس مقصد سے؟ کیا اس میں کوئی حقیر اور خود غرضانہ مطلب پوشیدہ ہے،؟ یا اتفاقی امر ہے؟ نہیں ——— بلکہ ہم اس راستے پر اس لئے چل رہے ہیں کہ ہمارے دشمن نے ہمیں یہی راہ چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔

• ذرا اپنے دماغ ماضی کی طرف موڑ دو ——— اور خود اپنے تجربات پر غور کرو اپنی زندگی سوچو۔ تم میں سے جو لوگ، منچوکو، کی فوجی بارکوں میں رہے ہیں، وہ سوچیں کہ ان کے کمانڈر کس قسم کے لوگ تھے؟ وہ لوگ افیم کی چسکی لگاتے تھے، کئی کئی عورتیں رکھتے تھے، اور ہر مہینے کے آخر میں تمہارے راشن کے روپے میں کچھ نہ کچھ رقم کاٹ لیتے تھے، یہ لوگ خود تو قدم قدم پر اصول اور ضابطے توڑتے تھے، مگر عام ادنیٰ سپاہی کے سامنے ہر وقت قانون کی دھار تیز رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی نے غلطی کی اور انھوں نے اپنے فوجی ضابطے کی کاروائی میں انصاف اور غیر جانبداری دکھانے کے لئے تم میں سے ایک کو گولی سے اڑا دیا، ان کے رشتے دار بھی افسر بنتے چلے گئے، اور انھوں نے عام سپاہی سے اپنی شان وعزت اور وقار بڑھانے کے لئے اپنا کام لیا تھیں اس وقت تک پیٹا گیا جب تک کہ تمہاری ٹانگوں سے کھال نہ ادھڑ گئی، اور مرغی کے دو دو انڈوں کیلئے تمہارے قلب فروخت کر دیئے گئے، اسکے بعد وہ زبان ایسی میٹھی استعمال کرتے تھے تاکہ تم یہ سب بھول جاؤ، اور تمہارے دماغ عجیب الجھن میں مبتلا ہو جائیں۔

جب ان کے سامنے کوئی مخالف قوت آکر آمادۂ جنگ ہو جاتی تھی تو وہ تمہارے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ بن جاتے تھے، اور تمھیں بھائی بھائی کہتے انکی زبانیں نہ رکتی تھیں، کیونکہ انھیں تم سے ڈر لگتا تھا کہ کہیں تم لوگ دوپہر کے کھانے

کی جگہ گولیوں سے ان کی تواضع نہ کرڈالو۔ مگر عام طور پر کیا ہوتا تھا کہ وہ اپنی آقائیت
عظمت اور وقار کی نمائش کرنے کے لئے تمہارے ساتھ سور کا سا برتاؤ کیا کرتے
تھے۔ چاہے تم میں سے ہزار مر جائیں، دس ہزار ختم ہو جائیں، اس کی پرواہ کسے تھی
کون اسے قابل التفات سمجھتا تھا، بھوک سہنا، سردی میں اکڑتے رہنا، سب تمہارے
فرائض میں داخل تھا، اور کوئی تمہارا خیال تک نہ کرتا تھا۔ اس کے عوض میں تمھیں عوام
کی طرف سے نفرت کا انعام ملتا تھا۔ تمھیں لوگوں کی شفقتوں اور ہمدردیوں سے حاصل
کیا گیا تھا۔ تمہارا گوشت پوست خون سب کچھ وہی تھا جو اوروں کا تھا، تمہاری پاس
ایسا جسم تھا جو کارآمد ہو سکے، تمہارے پاس وہ دماغ بھی تھا جو چیزوں کو سوچ سکے
مگر غربت وافلاس نے تمہارے جسم ودماغ پر کوڑے برسائے۔ وہ تم پر سوار ہو گئی
اور تمھیں اپنی اپنی جگہوں سے اپنے اپنے مقام سے نکال لائی اور تمھیں مجبور کیا کہ تم سپاہی
بنو۔۔۔ اور فوجی سپاہی کی حیثیت سے اپنی جانیں کھیتوں کے دہانوں میں جھونک دو
اور وہ رائگاں قربانی پیش کرو جس کے نتیجے میں کبھی کوئی تسکین نہیں ہوتی، تم نے
مالداروں کے لئے حفاظت کا سامان تیار کیا ہے۔ تم نے وہ ہتھیار ڈھالنے
اور تیار کرنے میں مدد دی جو ہتھیار مالدار لوگ پالتو کتوں کی فوج کو بھیجتے ہیں۔
بغیر یہ سوچے سمجھے کہ تم کیا کر رہے ہو، کس لئے کر رہے ہو، تم نے کھلم کھلا
اپنے بھائیوں کے قتل عام میں مدد دی۔ یہ کیسی دردناک بات ہے۔۔ اُف،
وہ جنگی سالاروں کا زمانہ یاد کرو۔ کیا پھر تم نے خود ہی اس کے بعد مصیبت نہیں
اٹھائی؟۔ اور اب؟۔۔ اب کیا ہے؟۔۔ اب تمھیں جاپانی سپاہیوں
کے مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔

بھائیو! تم نے غداروں کی صفوں میں کام کر کے دیکھ لیا! اور اب تم
دوسری فوج میں کام کر رہے ہو، جاپان فتح کرنے یا اُسے غلام بنانے کے خیال

سے نہیں، بلکہ چینی عوام کا مستقبل اور ان کی تمناؤں کو کامیاب بنانے کے لئے۔ تم ہیرو ہو، وہ ہیرو جو کسی سامراجی قوت اور دوسروں کی آزادی چھیننے والی طاقت کو آگے تک پھیلانے کے لئے نہیں لڑتے بلکہ اس لئے کہ ایک کمزور قوم کی حفاظت کی جائے تم ان تمام لوگوں کی خاطر لڑتے ہو، جن پر اجنبی لوگوں کی لوٹ جاری ہے، ہمارے اعزاز کا صرف یہی ایک راستہ ہے، ہمیں لڑنا چاہئے، اور ہم ضرور لڑیں گے، ساتھیو، ہم اس وقت تک ہاتھ نہیں روکیں گے جب تک کہ فتح ہماری نہ ہو۔"

وہ لوگ جو ایک نہ ایک جنگی سالار یا والئ ملک کی ملازمت کر چکے تھے پیروں کے بل اوپر اٹھے۔ انھوں نے جوش وخروش کے ساتھ سروں سے اوپر ہاتھ اٹھا لئے، اور تالیوں کی بھدّی اور پرشور آواز میں ان کی آوازیں بلند ہوئیں۔

"جنرل، کہے جاؤ۔ جنرل ہاں کہے جاؤ" انھوں نے چلّا چلّا کر کہا۔ اگلی قطار میں لال کھیجو کا چہرہ اضطراب اور بے اطمینانی کے ساتھ کسمسایا، وہ ایک بچے کی طرح بس چیخنے چلاّنے ہی والا تھا۔ اس تمام گفتگو، تقریر اور شور سے معلوم ہوتا تھا کہ ساری فضا ہل گئی ہے، اور اسے محسوس ہوا کہ نرم ولطیف نسیمِ سحر کی طرح یہ شور و ہنگامہ حرکت میں آیا، اور اس نے آرام کی نیند سوتی ہوئی ساتویں بہن کے نرم اور سیاہ بالوں کو لہرا دیا۔ نیا ڈمنگ، اناّ، اور فولادی سنگرا، یہ تینوں ایسے متاثر اور دل گرفتہ ہوئے کہ سر نہ اٹھا سکے۔

چن چو کا چہرہ اپنی سنجیدگی اور وزن کی وجہ سے سفید اور سرد پڑ گیا وہ ایک دم پرسکون محسوس ہوا تھا، مگر پھر کسی ناقابلِ بیان تکلیف اور مشقت میں مبتلا ہو گیا۔

"ساتھیو!" اس نے اپنا پھیلا ہوا ہاتھ آہستہ آہستہ نیچے گرا لیا جیسے جیسے اس کے سننے والوں کی حرکت اور بے چینی میں کمی آئی اور وہ خاموش و پر سکون ہوتے گئے، ہاتھ نیچے جھکتا گیا: "ساتھیو میں بھی ایسی ہی ایک فوج میں سپاہی رہا ہوں، مجھے رات کے کھانے میں صرف سخت بید اور ڈنڈے ملتے تھے...... میں کپتان کے بچے کو نوکروں کی طرح کھلا چکا ہوں۔ میں لڑائی کی اگلی صفوں میں بھی رہا ہوں، میں کسان گھرانے میں پیدا ہوا، اور منچوریا میں میری پرورش ہوئی، میں سوروں سے ایسا مانوس تھا جیسے لڑکوں یا بچوں سے، میرا باپ خود ایک کھیت میں کام کرتا تھا، اس کا سینہ اتنا چوڑا، اور کاندھے ایسے قوی تھے کہ گاؤں کے ہر آدمی اسے چین پہلوان کہا کرتے تھے، اور پہلوان ہونے کی وجہ سے سارے جاگیردار، اور زمیندار اس کی بڑی آؤ بھگت کیا کرتے تھے، مگر ابھی اس کی عمر مشکل سے چالیس برس کے قریب ہوگی کہ ساری پہلوانی جاتی رہی، اور رہی سہی قوت کے ساتھ زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑا——لوگوں نے اس کے قوی جثے اور لمبے چوڑے جسم کو زمین کے چھوٹے سے گڑھے میں دبا دیا جس دن سے وہ پیدا ہوا تھا اور جس دن وہ اس دنیا سے سدھارا، ساری عمر ایک سیدھا سادھا کسان ہی رہا، جو کچھ محنت و مشقت سے ملتا اسی سے اپنا گذارہ کر لیتا تھا زندگی میں ایک بار بھی اسے اپنی زمین پر کاشت کرنا نصیب نہیں ہوا۔ اور وہ دن کبھی نہ آیا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی خاطر اپنی محنت مشقت فروخت کرنے نہ نکلا ہو میرا باپ اکثر میرا سر سہلایا کرتا تھا، اور کہا کرتا تھا——"چوشو! بیٹا میں نے طے کر دیا ہے کہ تم کسی اسکول میں جا کر کچھ پڑھ لیا کرو۔ میں تو زندگی بھر اندھا رہا ہوں۔ کیوں چوشو کیا ایسا نہیں ہے؟" اور ایسے ہی کھیت میں کام کرتے کرتے اس نے زندگی کے سارے دن گذار دیئے۔"

"افوہ، ساتھیو، وہ اکثر دیکھا کرتا تھا کہ اس کے آقا یا زمیندار کے گھر کے بچے اسکول پڑھنے جا رہے ہیں، اور پڑھنے لکھنے کے بعد سرکاری افسر یا عہدیدار بن جاتے ہیں، یا عہدیداروں کے خاندانوں میں ان کا شمار ہونے لگتا ہے۔ اور پھر سرکاری افسر یا عہدیدار کی حیثیت سے وہ دولت مند بن جاتے ہیں، دولتمند ہونے کے بعد اور زمین خرید لیتے ہیں یہاں تک کہ صورت یہ رہ جاتی ہے کہ جن کے پاس روپیہ اور زمین ہو انھیں کوئی محنت کرنے کی ضرورت قطعی نہیں رہتی، اور وہ لوگ، ان کا کیا ہو جن کے پاس نہ روپیہ ہے اور نہ زمین؟ ہمیں اس کے بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کے پاس نہ زمین ہے اور نہ دولت، وہ زندگی بھر، سال میں ہر روز بلا ناغہ محنت مشقت کرنے کے بعد بھی اتنا مشکل سے کماتے ہیں کہ صرف زندہ رہ سکیں، مالدار اور بھی زیادہ مالدار ہوتے جاتے ہیں اور غریب اور زیادہ غریب ہوتے رہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ چیز غیر مساویانہ ہے، ناموزوں ہے۔ یہ غیر انسانی عمل ہے، اور اخلاقی اصول کے خلاف ہے، ہمارے باپ دادا نے بدمعاشوں کے گروہوں کی حکومت سہی، اور مصیبتیں جھیلتے ہوئے مر گئے۔ یہ بدمعاش کون تھے، شہنشاہ، جنگی سالار، سرکاری افسروں اور عہدیداروں کا طبقہ، قرقی کرنے والوں، اور جاگیردار کے کارندوں کا حلقہ، بڑے بڑے عہدیدار اور ان کے دروازوں کی چوکیداری کرنے والے .... اور اب ان حرامزادوں نے ہمیں جاپانیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا، جاپانی حملہ آور اپنی بڑی بڑی بندوقوں، اور سنگینوں کے پیچھے ہمارے ملک کی سرزمین پر فوجی نقشے جمانے والے، جنگی شورے دینے والے، اور دفتروں کے ابن الوقت عہدیدار اور ملازمین، اور اپنے پالتو کتے لا رہے ہیں .... تاکہ جیسے پہلے والے ہم پر قبضہ جمایا کرتے تھے ویسے ہی یہ لوگ ہم پر قبضہ کریں۔ ہمیں کچلیں اور ہمارے بھائیوں کو قتل کریں

ہمارے ساتھیوں کو، ہماری بیٹیوں، بہنوں کو ذبح کریں" چن چو کی آواز ایک دم سے تھمی اور اس کے سامعین کو ایسا جھٹکا لگا جیسے ریل میں سفر کرتے ہوئے مسافروں کو محسوس ہوتا ہے اگر ایک دم سے گاڑی کے پہیوں پر بریک لگا دیا جائے۔

مگر چن چو، خود اپنی تقریر کے زور و اثر سے، اس کی جذباتی کیفیت سے اسی طرح متاثر ہو گیا تھا جیسے اس کے سننے والے ہوئے ہوں گے۔ اس نے جوش کی انتہائی بلندی پر پہنچ کر سینے پر ہاتھ مارا، اور چند لمحوں بعد پھر اس کی آواز پہلے سے کچھ اور زیادہ بلند ہوئی، اور بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تقریر نہیں ہے، دہاڑ ہے — جانوروں کی سی بے تحاشا دہاڑ۔ اس کی بھنچی ہوئی مٹھیاں فضا میں محراب کی طرح سے جھک گئیں جن میں ایک سرکشانہ اشارہ تھا۔

"ہم ہرگز سر نہیں جھکائیں گے، چاہے ہمارا آخری آدمی بھی ختم کر دیا جائے ہم نہیں جھکیں گے! ہم دب کر ہرگز اس بات کو قبول نہ کریں گے کہ یہ ظالم راج ہم پر، ہماری گردنوں پر مسلط ہو جائے، ساتھیو، بتاؤ کیا تم اسی مقصد سے اس فوج میں شامل نہیں ہوئے ہو؟ مجھے یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں پورا یقین رکھتا ہوں کہ تمہاری شرکت کی وجہ صرف یہی ہے، اسلئے یہاں مجھے تم سے ایک سوال کرنا ہوگا — تم میں سے ہر ایک اور سب کے سب اپنے اندر ڈسپلن، تنظیم، ضابطے کی پابندی کی ضرورت محسوس کرتے ہو، ہمیں اسی کی ضرورت رکھنی چاہئے اور اسکا احترام کرنا چاہئے، اسے برقرار رکھنا چاہئے، سبق ہم کو مل چکا ہے۔ یعنی فولادی لشکر کی شکست بوائل تانگ کی موت اور اسی کے ساتھ دوسرے ساتھیوں کی موت اسی لئے واقع ہوئی کیونکہ ایک لمحے کے لئے ڈسپلن کو بھلا دیا گیا تھا جب بوائل نے حکم کے مطابق اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا تو تمہارے پاس یہ یقین کرنے کے اسباب موجود تھے کہ اگر وہ

گرفتار ہوتا تو سب باہیں تبا دیتا، اس لئے یوائل تانگ کو فوراً وہیں گولی اردینی چاہیئے تھی۔ وہ ڈسپلن بھول چکا تھا جس کے بغیر ہماری فوج، ہمارا انقلاب کبھی کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ فولادی سنگرا بھی یہ بات بھول گیا، کیونکہ اس نے تانگ کو موت کی سزا نہیں دی۔ نتیجہ کیا ہوا؟ تانگ ہلاک ہوگیا۔ صحیح ہے نا؟ اور وہ عورت جسے وہ بچانا چاہتا تھا، وہ بھی یہاں تمہارے سامنے مردہ پڑی ہے، اور میری طرح تمھیں بھی معلوم ہے کہ اس ایک غلطی پر ہمارے کتنے آدمیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ وعدہ کرو ساتھیو۔ اب پھر پکا عہد کرو کہ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں ہوگی، اپنے دل و دماغ میں، اور اپنے کردار اور عمل میں ہم میں سے ہر شخص کو فولادی ڈسپلن کی پابندی کرنی ہوگی — اگر ہماری فوج کو جیتنا ہے۔ ورنہ ہمارے جیتنے کا دس ہزار میں ایک کے برابر بھی موقع اور امکان نہیں ہے، اس کے بجائے ہم سب لوگ مکمل تباہی مول لیں گے، اور ہم میں سے جتنے بچے ہیں ان میں سے ایک کی موت مول لیں گے۔ اب جاؤ ان دونوں ساتھیوں کو دفن کر دو — وہ بڑی بہادری سے ہمارے لئے لڑے ہیں، انھیں جرأت دلیری اور عزت کیساتھ دفن کر دو۔ — ساتھیو! — آنکھوں سے آنسو کی بوند نہ ٹپکنے پائے، دل میں شک وشبہ کی پرچھائیں نہ پڑنے پائے، اور ان دوسرے ساتھیوں کو بھی ست بھلو جنھوں نے اپنی جان دی ہے۔ ساتھیو۔ اب آؤ اپنا "قدم قدم بڑھائے جا" والا گانا گائیں

فوج جب آگے بڑھتی ہے اسوقت کا پرجوش گانا گاتے ہوئے انھوں نے دونوں ساتھیوں کو دفن کر دیا۔

نواں باب

بھائیوں کی جُدائی

مکھیاں یونہی بلا وجہ فضا میں بھنبھنا رہی تھیں۔ انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک مرغی کا بچہ بھی موجود نہیں تھا۔ پہاڑی کی چوٹی کے گھنے جنگلوں والے حصے میں رنگ اپنی یکسانیت بدل چکا تھا، اور اب رنگا رنگی پیدا ہو گئی تھی بعض بعض جگہ تو صاف صاف چمکتے ہوئے پیلے پن کی پٹی دور تک پھیلی ہوئی تھی، اور یہ علاقے ایک دندانے دار پتی والے پہاڑی درختوں کے خطے تھے، جنگلی انگور کی پتیاں گہری سُرخ تھیں، اور اسی پر ادھر ادھر ہریالی کے ایسے دھبے آگئے تھے جو قریب قریب سیاہ رنگ کے معلوم ہوتے تھے۔

دُور تک جو کھیت پھیلے پڑے تھے ان میں کہیں دُور دُور کوئی فصل کاٹنے والا نظر نہ آتا تھا، حالانکہ ستمبر کا مہینہ قریب الختم تھا، اور فصل کٹنے کے دن

پودے ہو گئے تھے۔ کھیتوں میں فصل پکی کھڑی تھی، لیکن کسی کو اس بات سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی، گویا ابھی فصل بالکل کچی ہے، اور تیار نہیں ہوئی۔

آسامیاں اور کاشتکار ایک دوسرے کو اس زبردست واقعے کی کہانی سناتے پھرتے تھے، جو چھوٹے سرکار کی حویلی میں پیش آیا، وہ کسان جنھیں چھوٹے سرکار کی حویلی سے جانے کی اجازت ملی تھی، اور وہ اس بلا سے نجات پاکر چلے آئے تھے، خاص طور پر ایسے معلوم ہوتے تھے کہ بگلا گئے ہیں۔ ان میں سے نوجوانوں کے سینے میں ایک نئے بیج کی داغ بیل پڑ چکی تھی، اور اب ان کے لئے یہ زرا مشکل ہو گیا تھا کہ خاموشی سے اپنے کام پر چلے جایا کریں۔ وہ اپنے کاندھوں پر ہنسیا رکھے ہوئے، کبھی ادھر جاتے تھے اور کبھی اُدھر، اور فکر میں ٹہلتے رہتے تھے بظاہر اس طرح جیسے ان کے ہاتھوں میں بندوقیں آ گئی ہیں، اور ان کے ہونٹوں پر ایک جملہ تھا، جو انھوں نے اسی رات کہنا سیکھا کہ۔

"اپنی اپنی بندوقیں ڈال دو، اور ہاتھ اوپر اٹھاؤ"

بچوں کی طرح وہ ایک دوسرے سے یہی کھیل کھیلتے رہے اور اگر اتفاق سے کسی کو چوٹ لگ جاتی تو وہ خوب کھل کھلا کر دوسرے کو پکارتا ہے۔ "ساتھیو! مجھے ایک اور انعام ملا۔"

متحد اور بالکل ایک دل و دماغ کے ساتھ نوجوان کسان مقابلے کی فوج یعنی انقلابی فوج میں خود بھی شامل ہونا چاہتے تھے، اور اپنے دل میں یہ بھی سوچتے تھے کہ "چاہے تم اس کے بعد کیسے ہی معلوم ہو لیکن بہر حال کاشتکار ہونے سے یہ بہتر ہی ہو گا۔"

بوڑھوں نے آہ سرد بھری۔ ان کے پاس اب اتنی طاقت نہیں تھی کہ ان سرکش بچھیڑوں کو پھر کاشتکاری کے اوزاروں سے باندھ کر رکھیں۔

انھیں مجبور کرکے، دباؤ ڈال کے، جاگیردار کا کھیت جُتوائیں، اس پر حسب دستور ہل چلوائیں۔ اور اس کی مزدوری کما کے سرکار کا لگان ادا کریں۔ بوڑھے کسانوں کو یہ غم و ملال تو پہلے سے تھا ہی کہ اب امن و چین کا زمانہ نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ ان کے قلق کا سبب ایک اور پیدا ہوگیا۔ وہ یہ کہ بوڑھے تو اپنی زندگی جیسے تیسے تمام کر چکے تھے، اور خود مرنے کے قریب تھے، مگر ان کے بیٹوں کی زندگی ابھی آدھی باقی تھی۔ اور انھوں نے ابھی تک اپنے لئے اسکا بھی انتظام نہیں کیا تھا کہ چند سو بیگھے زمین ان کی ہو، اور کچھ نہ سہی ایک آدھ گھر ہی رہنے کے لئے بنا لیں، گھر نہیں تو گھانس پھوس اور گارے کا ایک جھونپڑا ہی سہی، مگر ہونا تو چاہئیے، ان کے دلوں میں یہ پرانی امیدیں سلگ سلگ کر راکھ ہوئی جا رہی تھیں، اور ان فصلوں کا کاٹنا سمیٹنا جو کھیتوں میں نظر کے سامنے بالکل تیار کھڑی تھیں، ان کے بس کی بات اب نہیں رہی تھی، اور پھر مویشیوں کا ایک پورا گلہ جو کھیتوں کے کام آتا تھا اس میں سے ایک بھی نہیں بچا، سرکاری فوج کے دستے، مینچو کو فوج والے، دو تین دن ہوئے، جب وانگ کے گاؤں کا واقعہ ہوا ہے۔ اس وادی سے گزرے تھے، اور انھوں نے ایک ایک مویشی ختم کر دیا جسے وہ ساتھ نہ لے جا سکے۔ ایک ایک مرغی ذبح کر لی۔ لوگ کہتے تھے یہ اسلئے کیا جا رہا ہے تاکہ باغی بھوکے مریں۔

بوڑھے کسان ہر وقت ایک دوسرے کا منھ تکتے رہتے تھے، اور پھر سمٹ سمٹا کر کئی کئی آدمی ایک جگہ بیٹھ جاتے تاکہ پھر وہی چھوٹے سرکار کی حویلی والے واقعات پر بات چلے۔ سوال یہ تھا کہ یہ لوگ جو آجکل وانگ خاندان کی بڑی حویلی میں رہتے ہیں، کس قسم کے لوگ ہیں؟ ان کے کام تو سرکاری فوجوں کے سے ہیں نہیں، اور ڈاکوؤں کی سی حرکتیں بھی نہیں کرتے۔ نوجوان چھوکرے تو روزانہ

دوڑ دوڑ کے وہیں جاتے تھے، اور واپسی سے پہلے قریب قریب آدھی رات وہیں گزار دیتے تھے اس کے بعد وہاں سے آتے تو ہنستے کھل کھلاتے ہوئے آتے اور ایسے گیت وہ گانے لگے جن کا سمجھنا ذرا مشکل تھا۔

"کیوں یہ کیسے رہے گا" بوڑھے سن زنگ نے تجویز رکھی کہ "ہم سرکاری فوج کو اس کی اطلاع کر دیں؟" "سرکاری فوج کو اطلاع کیوں دیں تو ہو جو سرکاری فوج کونسی ڈاکوؤں سے بہتر ہے؟ اور اب تو سرکاری فوج کے ساتھ جاپانی سپاہی ملے ہوئے ہیں، بڑے تعجب کی بات ہوگی اگر وہ شخص جو سرکاری فوج کو خبر دینے جائے گا۔ ہاں پٹتے پٹتے ادھ موا نہ کر دیا جائے :" سن زنگ نے جن سے گفتگو کی ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

"لیکن اگر ہم کچھ نہیں کرتے تو کام کیسے چلے گا؟ ہماری فصلیں تیار کھڑی ہیں اور ہم ان کی کٹائی تک نہیں کر سکتے۔ جیسے جیسے دن گزرتے جاتے ہیں چھوکروں کی طرف سے خطرہ بڑھتا جاتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ بادشاہ کشوں کے اس گروہ کی طرف ان چھوکروں کی رغبت بھی بڑھتی جاتی ہے اور ڈر ہے کہ وہ سب ورغلا لئے جائیں گے اور انھیں کی طرح سے خود بھی باغی بن جائیں گے۔ اس قسم کی باتیں کہ "قوم کو بچاؤ" "جاپانی سپاہیوں کو نکال باہر کرو" "کاشت کی زمین کاشتکار کی ملکیت ہو" وغیرہ وغیرہ یہ جو کچھ بھی ہو گا یہ باز چھوکرے روز رات کو ہمیں وہاں سے آکر سناتے ہیں؛ کیا یہ سب باغیانہ باتیں نہیں ہیں؟ زمین کسی کی ہو اور بغیر کچھ دیئے دلائے میں اس کا مالک بن بیٹھوں؟ بھئی واہ کیا عمدہ بات ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات ہر آدمی کو پسند آئے گی، مگر مجھے خطرہ ہے کہ یہ چیزیں نہ چلنے والی نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں افسر بھی ایسے ایسے ہیں کہ انھیں پکڑ کر لے جائیں گے اور گردن اڑا دیں گے اور جب وہ بڑے امن پسند اور قانون کے ماننے والے باشندوں کے منہ سے آواز نکلنے بھی نہیں

پانے کہ گولی سے اڑانے لگے ہیں تو پھر اگر ایسے آدمی کو جو اس قسم کی بات کہتا ہو، وہ تو فوراً صاف کر ڈالیں گے .... میری بات مانو تو بہتر صورت یہی ہے کہ سرکار میں اس معاملے کی خبر کر دی جائے۔ اور کچھ نہیں تو کم سے کم یہی ہوگا کہ ہم امن پسند وفادار، اور قانون کی پوری پابندی کرنے والی رعایا ہیں، شمار کئے جائیں گے،

بھلا ہم لوگ معمولی آدمی، ہمارا کام ہی یہ ہے کہ جو بادشاہ ہو اُسے ٹیکس بھرے جائیں۔ اور زمیندار چاہے وہ کوئی بھی ہو ہماری طرف لگان ملنا اُس کا حق ہو کیونکہ اگر کھانے کو چاول نہیں ملے گا تو ہم ہی بھوکے مریں گے۔ یہ سب چین جاپان کی باتیں فضول ہیں .... اصل بات ہے یہ کہ کیا شاہ نشوان ننگ تخت پر واپس نہیں آگئے ہیں؟ جب وہ جنت کا فرزند۔ رِخ کی سواری لے کر زمین پر نازل ہوگا۔ تب بھی کیا ساری کائنات میں امن چین اور راحت کا دَور دورہ نہیں ہوگا ــ؟"

اپنی کچی جھونپڑی کے چھوٹے سے احاطے کے درمیان سُن زنگ چودھری بیٹھا ہوا اپنے ان خیالات کا اظہار کر رہا تھا، اسی کی قسم کے اور بھی کئی بوڑھے بوڑھے کسان اس کے پاس اکٹھے تھے، بیٹے تو ان بوڑھوں میں سبھی کے تھے، لیکن سن ڈنگ کی اولاد ان سب سے زیادہ تھی، اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ سرکاری افسروں کو اس واقعے کی خبر بھجوا دی جائے۔ چھوٹے سرکار کے گھر کا خاص مالی (مویشیوں کی دیکھ بھال کرنے والا) لڑکا اسی کا بیٹا تھا، جس وقت سے چھوٹے سرکار نے اسے خطرے کی اطلاع دینے کے لئے شہر بھیجا تھا، وہ اس وقت تک واپس نہیں ہوا۔ اور نہ کسی طرف سے سرکاری فوج ان ڈاکوؤں کو ختم کرنے کے لئے آتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

کیا چھوٹا بالڈ چھوٹے سرکار کی طرف سے گورنمنٹ کو خبر دینے نہیں گیا؟

اُسے تو اب کئی دن ہو گئے، یہ کیا معاملہ ہے کہ وہ اب تک لوٹا نہیں؟"

"دس ہزار درخواستیں ہوتی ہیں ــــ اسکا ذکر مت کرو؟" بوڑھا سَن اُٹھ کھڑا ہوا، اور اس کے جھرّی پڑے ہوئے چہرے نے ڈھیلے پن سے آخری بات کہنے والے کی طرف حرکت کی اور اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے،

"یہ ایسا معاملہ ہے کہ کچھ کہے نہیں بنتی۔ اگر یہی لوگ خبر پا جائیں تو ہم سب کو گولی سے اڑا دیا جائے .... یہ تو یقینی بات ہے کہ ان لوگوں کو ابھی یہ پتہ نہ ہوگا کہ کوئی شخص سرکاری آدمی کو خبر کرنے گیا ہے .... ایسا ہو کہ انکو یہ بھی علوم نہ ہو کہ وہ چھوکرا جوان کو خبر کرنے گیا ہے، میرا ہی بیٹا ہے، مگر کہیں ایسا نہو کہ ان ذلیل چھوکروں میں سے کوئی ان کے کان میں یہ بات ڈال دے، مجھلے سرکار بڑے سرکار، دونوں آج کل شہر میں ہی ہیں، اور ان کا اچھا خاصا اثر بھی ہے، جاپانی زبان میں جو لوگ ترجمے کرنے کے لئے افسروں کے ساتھ رہتے ہیں، ان میں بھی کسی سے ان کی جان پہچان ہے، اگر وہ سپاہی بھجوانا چاہیں گے، تو سمجھو کہ سپاہی آئے کھڑے ہیں۔"

پھر یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ صرف سرکاری سپاہی ہونے کی وجہ سے، وہ لڑائی ضرور جیت لیں گے کتنی ہی بار ہم سرکاری سپاہیوں کو ڈاکوؤں سے لڑتے دیکھ چکے ہیں، پہلے تو وہ ڈاکوؤں کو خط لکھ کر بھیجتے ہیں، اور پھر اس کے انتظار میں رہتے ہیں کہ ڈاکو ان کی آمد سے پہلے ہی چلے جائیں، ڈاکوؤں اور سرکاری سپاہی دونوں ایک ہی نتھنے سانس لیتے ہیں، ایک ہی جیسے دم خم رکھتے ہیں، جب سرکاری سپاہی، سرکاری فوج کی نوکری چھوڑتے ہیں تو ڈاکو بن جاتے ہیں، اور جب ڈاکو ڈاکہ زنی سے باز آجاتے ہیں تو سرکاری فوج میں بھرتی ہو کر خود سرکاری سپاہی بنجاتے ہیں، ان کا ٹکراؤ اگر ہوتا بھی ہے تو صرف ایک موقع پر، اسوقت جبکہ دونوں کی اتفاقاً

مڈبھیڑ ہوجائے، اوراس کے سوا کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو۔" بوڑھے مان چن نے اپنے تجربہ کی بات کہی، اسکی بے ترتیبی سے بکھری ہوئی مونچھیں ہلتی رہیں، گویا وہ اس بات پر زور دینا چاہتا تھا کہ کچھ بول رہا ہے۔

"اب وہ پرانے زمانے نہیں رہے" بوڑھے سن زنگ نے اپنی گردن کو جھٹکا دیا، جسکا مطلب یہ تھا کہ وہ ان اعتراضات کو وقعت نہیں دیتا، اوراس نے پھر اسی اپنی تجویز کو منوانے کی کوشش کی کہ سرکار میں ان واقعات کی خبر ضرور بھجوا دی جائے۔ چوپال میں مچھر کمناتے پھر رہے تھے، انھیں بھگانے کے لئے اس نے تاڑ کے پتوں کا پنکھا خوب زور زور سے گھمایا، ابھی اس کی مونچھیں کھچڑی تھیں، اور پوری طرح سفید نہیں ہوئی تھیں۔

"یہ زمانہ دوسرا ہے، بڑے امن چین کے دن آئے ہیں، مارشل چانگ کا زمانہ نہیں رہا۔ شوان تنگ جو گدی پر واپس آیا ہے تو اُسے جاپانیوں نے ہی تخت حکومت پر بٹھایا ہے، اور جاپانی ہی اس کی حکومت کے محافظ، اور اس راج کے ذمہ دار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام گھڑسوار اور سپاہی خاص چین کے درّے کی راہ سے ہوتے ہوئے ادھر منچوریا بھیجے گئے ہیں، تاکہ اس حکومت کو الٹ دیں، اب انھیں ڈاکوؤں کو دیکھو جو ڈاکو نظر نہیں آتے یا باغیوں کی فوج ہے جو سرکاری فوج سے ملتی جلتی ہے، مگر خود سرکاری فوج ہے نہیں........اور یہ تمام والنیٹر دستے، ......سوسائیٹیاں، یہ سب کے سب لوگ اس بات کے خلاف ہیں کہ جاپانی ان تین مشرقی صوبوں میں داخل ہوں، اور یہ سب اسکے لئے زور لگا رہے ہیں، کہ کسی طرح شوان تنگ تخت پر ٹھہرنے نہ پائے۔ اس لئے یہ بات بالکل یقینی ہے کہ جاپانی انھیں نہیں چھوڑیں گے۔ ان سے لڑیں گے ضرور! پرانے زمانے میں جب فوجی، سب چین کے لوگ ہوا کرتے تھے تو وہ اسوقت

بھی لڑنے سے گریز کرتے تھے، جب مقابل بالکل سامنے آجائے، یا مڈبھیڑ ہوجائے بندوق بھی چلاتے تھے تو ہوا میں گولی اڑا دیتے تھے، اور جب وہ جنگ میں اترتے تھے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ سچ مچ جنگ کرتے تھے؟ ستر .... ہ ..... ہ لوجنگ کے وقت بھی دشمن کی اگلی صفوں کے آدمیوں سے چھیڑ چھاڑ، اور ہنسی مذاق کر لیتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ اکثر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر مل جاتے تھے اور بلا سبب دشمن سے مل جایا کرتے تھے، اس کے بعد جب جاپانیوں نے انتظام اپنے ہاتھ میں لیا تو انھوں نے چینیوں کو اپنی فوج میں نہیں رکھا، بلکہ انھیں کھلی چوکیوں پر رکھا، اور خود جاپانی سپاہیوں کو آگے بڑھایا۔ اگر اسی وقت ہم سرکاری افسروں کو خبر کر دیں تو وہاں سے کافی طاقتور جاپانی سپاہی بھیجے جائیں گے،،

"اگر تم نے اس عذاب کو ٹکلوا بھی دیا تو کیا، دوسرا عذاب نازل ہوجائے گا، اور اس کے بعد ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ہم نے سرکاری آدمیوں کو خبر بھجوائی ہے تو کیا تمھارا خیال ہے یہ لوگ ہمیں بخش دیں گے، بہترین صورت یہ ہے کہ اپنے اپنے چھوکروں کو ان لوگوں سے تنگ رکھنے اور بچانے کی ترکیب سوچو اور یہ معاملہ جیسا چل رہا ہے ویسے ہی چلنے دو"

اس کے جواب میں بوڑھا ٹن ایسا معلوم ہوا کہ چپ رہ گیا، اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس کی متفکر نظریں گاؤں کی دیوار پر ٹھوکریں کھانے لگیں ــــ گاؤں کی دیوار جو دلیرانہ سینہ تانے کھڑی تھی، اور اس نے اپنے چاروں سمتوں سے ایک چھوٹی سی دنیا کو سہارا دے رکھا تھا، دیوار کے پار سے کاؤ لیانگ کے درختوں کے کھڑکھڑانے اور ہوا کے سرسرانے کی آواز آرہی تھی، اور دیوار کی جڑ سے ہزارہا جھینگروں کی ٹرٹر نے کان اڑا دیئے تھے، کیونکہ موسم خزاں نے ان جھینگروں کو بہت باتونی بنا دیا تھا۔ شام کے وقت جنگل کی یہ آوازیں بالکل قدرتی تھیں ــــ مگر ایک غیر قدرتی آواز نے

ان کو دبا رکھا تھا۔ یہ بہت زور دار گانے کی آواز تھی جس میں قہقہوں کے غبارنے بھی پھوٹ پڑتے تھے اور گانے اور قہقہوں کی یہ مشترکہ آواز چوٹی کے نیچے دانگ کی حویلی سے بار بار ادھر راستہ بہک کر آجاتی تھی۔

اب بوڑھوں میں سب حبیب رہ گئے، اور وہ چھوٹے سے اندھیرے سلفو میں بہت ہی رنجیدہ اور دل گرفتہ بیٹھے رہے۔ جیسے سردی کے موسم میں کتے ٹھٹھرنے لگتے ہیں، اور جمے ہوئے برف پر دُم دبا کر اس انداز سے بیٹھ جاتے ہیں کہ اپنی ناک، دُم کی نوک سے لگا کر شاید کچھ گرمی مل جائے، مگر یہ سردی کا زمانہ نہیں تھا، اور پھر اپنا مقام چھوڑنے پر چونکہ رضامند نہیں تھے، اس لئے وہ برابر ان لوگوں پہ چکر کاٹ رہے تھے

شعلوں سے آسمان پر روشنی ہوگئی، آسمان کے ایک کونے میں بہت دور پہ چاند کا ایک شکستہ ٹکڑا بے دلی اور بے کیفی کے ساتھ چمک رہا تھا، ہوا تیز چل رہی تھی، مگر کسی کو اس طرف توجہ نہ تھی، ان کی نظر الاؤ پر تھی، لیکن جب گانے کی آواز اونچی ہونی شروع ہوئی، اور کافی زور اختیار کر گئی تو وہ الاؤ کی طرف سے بھی بے پرواہ ہو گئے، جب گیت کی لے اتنی تیز اتنی جاندار ہو جائے کہ خود گانے والوں کو یہ محسوس ہو رہا ہو کہ گیت ان کے قابو سے نکل چکا ہے جیسے گانے کا کوئی ان سے الگ اپنی مرضی سے کام کرنے والا وجود ہے، تب وہ گانا بھی بھول جاتے ہیں۔ اور پھر کیفیت یہ ہوگئی کہ بس ایک الاؤ تھا جس نے ہر ایک دل کو اپنے سلسلے میں جوڑ رکھا تھا، ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے، اور تمام گلوں سے ایک بکھرتی ہوئی، تھرتھراتی ہوئی آواز ایک ساتھ نکل رہی تھی۔

ستشیا دُمنگ اور انا دونوں ایک میز کے آمنے سامنے والے کونوں

پر کھڑے تھے، ان کے جسم جھوم رہے تھے، اور گیت کی آہنگ پائے کے ساتھ سلیقے سے وہ تالیاں بجا رہے تھے۔ دوسرے سپاہی بھی تالیاں بجا رہے تھے، احاطے کے بیچوں بیچ آگ بڑے زور شور سے جل رہی تھی اور تمام لوگ اس پر ٹوٹ پڑے تھے، زخمی بھی بالکل اس کے قریب بیٹھے تھے، اپنی لکڑیوں، کھپچیوں، اور تختیوں کا سہارا لئے ہوئے، ان کی بازوؤں پر، ٹانگوں پر، سروں پر پٹیاں بندھی ہوئی نظر آ رہی تھیں، وہ اپنا درد و کرب اور تکلیف اس طرح بھول گئے تھے جیسے انھوں نے ساری تختیوں، کھپچیوں وغیرہ کو نکال کر پھینک دیا ہے، بے پناہ جولانی اور مسرت لٹانے والا گیت انھیں اپنے ساتھ بہا لے گیا تھا۔

طے یہ تھا کہ شیاؤ منگ اور انامل کر پہلے ایک مصرع پڑھیں۔ وہ اپنی آواز دبا کر پڑھتا، اور انا بلند آواز سے، اس کے بعد سارے فوجی مل کر اسے دہراتے، فولادی نشکرے کی آواز بمشکل اتنی بلند ہوتی تھی جتنی کا نا پھوسی کرتے وقت ہوتی ہے، یہ اس جوش و خروش کا نتیجہ تھا جو اس کے سینے میں برپا تھا، چن چو کی آنکھیں اتنی چھوٹی چھوٹی ہو گئی تھیں کہ بمشکل نظر آتی تھیں۔

"ساتھیو چلو پھر ایک بار اسی کو گائیں" شیاؤ منگ چلایا، اس ہجوم کے پیچھے "اژدھا بچہ پہاڑی،، کے نوجوان کسان مل کر اس کو اٹھاتے تھے۔

"ہاں ساتھیو! — یہی گانا پھر ہونا چاہئے" یہ نوجوان کسان چھوکرے بھی محو ہو گئے تھے، اور یہ بھول گئے تھے کہ وہ ابھی تک اس پہاڑی کے کسان ہیں، جاپان کیخلاف لڑنے والی فوج کے آدمی نہیں ہیں، اگر ان کے پاس سپاہی یا فوجی ہونے میں کسی چیز کی کمی تھی تو صرف بندوق، اور ہتھیاروں وغیرہ کی۔ ورنہ اور ہر طرح سے وہ خود کو بالکل تیار سمجھتے تھے۔ یہ زبردست تازگی بخش، اور دلوں میں خون دوڑا دینے والا متحدہ گیت، اور گانے والوں کا دستہ ان نوجوان کسانوں کو اپنی لپیٹ میں

اس طرح کھینچ رہا تھا کہ کسان چھوکروں میں سے کوئی بھی اس کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکا۔ ہر وقت وہ اسی کی باتیں کرتے رہتے تھے، اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے وہی چیزیں، وہی باتیں، وہی آداب دہرایا کرتے تھے جو وہ ان فوجیوں میں دیکھ، یا سُن آیا کرتے تھے، ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ اپنے دل میں اس طرح سوچنے لگے، اور آپس میں بھی گفتگو یہی کرنے لگے " اچھی بات ہے۔ کل ہم لوگ بھی اسی میں شامل ہو جائیں گے، اور جہاں یہ لوگ جائیں ہم بھی ساتھ چلے جائیں دیکھیں تو سہی دنیا میں کیا کیا ہوتا ہے، اب تک جو چیزیں ہم سے چھپائی جاتی رہی ہیں، ان کو بھی دیکھیں گے، اور ان جاپانیوں کے پنجے سے بھی نکل جائیں گے! " تمام کسان نوجوان آپس میں اسی قسم کی باتیں کرتے تھے اور منصوبے بنایا کرتے تھے، ان کے بڑے بوڑھے جو انھیں روکنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے، اس کی انھیں مطلق پرواہ نہ تھی۔

مقابلہ کرنے والی چھوٹی سی اس فوج کے خاص خاص اصولوں میں سے وہ اب بہت کچھ سمجھنے لگے تھے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ چھوٹے سرکار کو ختم کیا جا چکا ہے،

" وہ چین کا غدار تھا۔ ہمیں جاپانیوں کی غلامی کے لئے فروخت کرتا تھا، سپاہیوں کے کپتان اور خود ان سپاہیوں نے بھی انھیں سمجھایا تھا کہ ہمارا مشترک دشمن کون ہے؟ کیوں ہے! اور اسکا مقابلہ کرنا، اس کے خلاف لڑنا کیوں ضروری ہے؟ فوجی جو چیزیں انھیں تیزی سے سر سر بتایا کرتے تھے، وہ ان کے نزدیک بڑی اہم ہوتی تھیں، اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا، کہ گفتگو میں کئی چیزیں ان کی سمجھ میں نہ آسکیں مگر وہ اسکے متعلق سوال بھی نہیں کر سکتے تھے، اس پر بھی فوجیوں نے اپنے صبر، ضبط اور استقلال کا دامن نہ چھوڑا، اور ان کی نادانی، کم فہمی پر کبھی لعنت ملامت نہیں کی،

کبھی ڈانٹ تک نہیں پلائی۔ اگر ان کی جگہ چھوٹے سرکار ہوتے تو وہ گالیاں ضرور دیتے۔

بوڑھے سن کا بیٹا ان ساتھیوں کی پشت پر سیدھا کھڑا تھا۔ اس کے دماغ میں اپنے باپ کا خیال آرہا تھا، اور وہ سوچ رہا تھا کہ اسکا بوڑھا باپ کس طرح خود اس نظام کے چکر میں پھنسا ہوا ہے، جو اسے جاپانی لوٹ کھسوٹ کا ایک فرماں بردار غلام بنائے دے رہا ہے اور جب چھوٹے سرکار، کو گولی سے اڑایا گیا چینی عوام کے اس غدار کو سزائے موت دی گئی۔ تو وہ کیسے کیسے اس کی موت پر رویا تھا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسکا چھوٹا بھائی شہر میں حکام کو چھوٹے سرکار کی طرف سے خبر دینے بھیجا گیا تھا۔ تاکہ وہاں سے انقلابی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے جاپانی فوجیں بلائی جائیں۔ جب اسے اس خاص بات کا خیال آیا تو تڑپ اٹھا۔ اُسے سخت اضطراب محسوس ہوا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تصویر آگئی۔ کہ اگر واقعی جاپانی سپاہیوں کو یہاں بلانے میں اس کے چھوٹے بھائی کو کامیابی ہوگئی تو اسکا مطلب ہے کہ بڑی بڑی توپیں اور ہوائی جہاز یہاں آدھمکیں گے۔ ..... اور پھر انقلابی فوج کو لازمی طور سے یہاں سے جانا پڑیگا۔ یا شکست ہوگی۔

اس نے اپنے بڑے بھائی کی آستین جھنکی جو اس کے برابر کھڑا ہوا تھا۔ اور چپکے سے اس احاطے سے دونوں نکل آئے۔

جو لوگ سمٹے سمٹائے ہوئے گا رہے تھے، انھیں یہ بھی پتہ نہ چلا کہ انکی پشت پر سے دونوں جا چکے ہیں .... کسی کو بھی ان کی غیر حاضری محسوس نہوئی گانا جس لے سے چل رہا تھا چلتا رہا، اور لوگ اس میں اپنی آواز اسی طرح ملاتے رہے کبھی آواز بلند ہوتی کبھی مدھم ہو جاتی، اور آگ کے گرم و تیز شعلے رات کی تاریکی میں اپنی نو دمیدہ چنگاریاں اچھالتے رہے یشیاؤ منگ اور انا دونوں گیت

کی رفتار کے ساتھ ساتھ اپنے لبوں کو حرکت کرتے رہے، اور گانے کے تال سُر کے مطابق دونوں کی تالیاں بجتی گئیں۔

بوڑھے سَن کے چھوٹے بیٹے نے اپنے بڑے بھائی کو ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھنے کے لئے ٹہوکا دیا۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کیطرف رخ کر کے پوچھا۔

"تم مجھے یہاں کیوں بلا لائے ؟ اُدھر تو ایسا عمدہ گانا چل رہا ہے ؟"

"کیا معنی ؟" اس وقت تو تمہارے دماغ میں صرف گانا ہی گونج رہا ہے! تمھیں اسکی بھی خبر ہے کہ چھوٹے سرکار نے ہمارے چھوٹے بھیا کو شہر بھیجا تھا جاپانی فوجیں بلوانے کیلئے ؟"

"ہاں مجھے خبر ہے، مگر تعجب اس بات پر ہے کہ اب تک اس کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلا۔ تمہارا کیا خیال ہے، کہیں جاپانیوں نے اُسے راستے میں ہی تو نہیں مار ڈالا ؟" بڑے بھائی کو فکر لاحق ہوگئی اور وہ بے تابی کا اظہار کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے اس وقت ہمیں یہ نہیں سوچنا ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ میرے دماغ میں تو اس وقت صرف یہ سوال ہے کہ اگر وہ جاپانی فوج کو یہاں بلوانے میں کامیاب ہو گیا، تو اِدھر کیا گذرے گی ؟" چھوٹے بھائی نے آستین سے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھا۔ شام کی دل نواز نرم نرم ہوا کا جھونکا آیا جس سے دونوں کو بیک وقت احساس ہوا کہ یہ تو وہی موسم ہے جو کھڑیں چاند کے آخری دنوں میں ہوا کرتا ہے۔

"تو اب ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں ؟ کیا انقلابی فوج ہر معرکے میں

جیتی نہیں ہے ؟ — یہ بات تو یقینی ہے کہ یہ انقلابی فوج والے کسی جاپانی فوج کے ایک آدھ دستے کی تو پرواہ بھی نہیں کریں گے!"

"ارے یہ بات نہیں ہے — تم ..... تم تو بالکل ....." جملہ ادا کرتے کرتے چھوٹا بھائی ذرا سوچ میں پڑ گیا، اور اس نے تاروں کی روشنی میں بھائی کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی۔ یہ چہرہ بالکل جامد تھا، افسوس ناک اور غم انگیز حد تک رقافت کے جذبات سے بھرا ہوا تھا، اور اس پر احمقانہ معصومیت برس رہی تھی، جس میں کوئی جذبہ نمودار نہ تھا، گویا اس کے چہرے کا گوشت بالکل جم چکا ہو، اور ٹھٹھر میں آ گیا ہو۔ "تم ہمیشہ ویسے ہی — بس سست رفتار رہتے ہو، کسی بات پر کسی چیز سے تمھیں جوش و خروش ہی نہیں ہوتا! عام طور پر اس بات سے تم یونہی سے ناراض ہو جاتے ہو، کیونکہ جب کوئی واقعہ ہو جاتا ہے تو میں اسکے متعلق تم سے کبھی گفتگو نہیں کرتا۔ ہاں جو بحث کرنی ہوتی ہے وہ میں تینوں بڑے بھائیوں سے کر لیتا ہوں، اور تمھیں اس میں کبھی نہیں لیتا۔ اس وقت میں چاہتا تھا کہ تم سے ذرا بات کر لوں — مگر پھر تم وہی لاپرواہی کا طریقہ اختیار کر رہے ہو"..... چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی سے پچاس فی صدی مایوس تھا، اور پچاس فیصدی اسے نفرت تھی۔

"اچھی بات ہے تو کوئی اسکیم سوچو نا! جو تم بتاؤ گے وہی میں کروں گا" بڑا بھائی چھوٹے کی اس حرکت پر مسکرایا، ایسی مسکراہٹ جس میں شکایتی اکتاہٹ موجود تھی۔

"اس انقلابی فوج کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟" چھوٹے بھائی نے بذات خود جوش دلانے والے مبلغ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے سوال کیا اور غور سے دیکھتا رہا کہ اب اس آزمائشی سوال کا بھائی پر کیسا اثر پڑتا

ہے ۔"

"میں سمجھتا ہوں ٹھیک ہیں یہ لوگ ۔کیوں ہے نا؟ مجھے معلوم نہیں"

"نہیں یوں بتاؤ ۔تمہیں ان دونوں میں سے کون پسند ہے، وانگ خاندان کا وہ فرزند چھوٹے سرکار، یا یہ لوگ؟"

"میرا خیال ہے کہ .... نہیں پہلے تم بتاؤ تمہیں کون پسند ہے؟"

"مگر میں تو تم سے سوال کر رہا ہوں!" چھوٹے بھائی کی آواز میں اور زیادہ جبر کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور اب کے بڑے کو ذرا پس وپیش کرنا پڑا مگر اس کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہ آتی تھی کہ وہ اپنے خیالات کو تشکیل کس طرح دے سامنے چھوٹا بھائی جواب کا منتظر ہے۔ یہاں تک کہ بالآخر اسے تسکین ہو گئی، اور بولنے سے پہلے اس نے اپنے سر کو کئی بار تفکر کے انداز میں سہلایا۔

"میری رائے پوچھو تو وانگ گھرانے کے چھوٹے سرکار اور ان کے آدمی ہی بھلے لوگ تھے"۔

"کیوں؟"

"یہ میں نہیں جانتا!"

"تمہیں ان دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ دوست معلوم ہوتا ہے یہ لوگ یا وانگ گھرانے والے اور چھوٹے سرکار وغیرہ"

فطری طور پر میں انہی لوگوں کو دوست بنانا اور ان سے یارانہ کرنا زیادہ پسند کروں گا، کیوں کہ ان سے دوستی کرنے میں عادات واطوار یا آداب وغیرہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چھوٹے سرکار کے دوست تو سب کے سب دولت مند اور مالدار لوگ ہیں ـــ ہم سو پشتوں میں بھی ان کے برابر نہیں

ہوسکتے ! " ـــــ بڑے بھائی نے ایک آہ سرد بھری ــــ اپنے افلاس پر اور اپنے باپ کی عزت پر، اُسے افسوس ہوا، اور ایک لمبا سانس لے کر وہ چُپ ہوگیا۔

" سوال یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ مالدار ہیں یا غریب، یا یہ کہ وہ آداب اور سلیقے کا خاص خیال رکھتے ہیں یا نہیں ! سوال اصل میں یہ ہے کہ چھوٹے سرکار کا گھرانہ، اور ان کے دوست خود اپنے آدمیوں کے ساتھ غداری کر کے انھیں بدیشی آقاؤں کی غلامی میں پھینک رہے ہیں۔ یا یہ کہ ان میں غلامی کے خلاف لڑنے اور اسکا مقابلہ کرنے کی ہمت ہے ؟ تم نے کیا جنرل کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ منچو کو (دیسی) فوج میں جو چینی ہیں، چوں کہ وہ ان کٹھ پتلیوں کا حکم قبول کرتے ہیں، ان کی تعمیل کرتے ہیں، اسلئے وہ اپنے آباؤ اجداد کی روح سے غداری کر رہے ہیں۔ کیا چھوٹا سرکار بھی یہی حرکت نہیں کر رہا تھا ؟ اس کے دولت مند ہونے سے اتنا زبردست فرق پیدا ہوا۔ اسے اپنے ملک کی بہ نسبت، اپنے ہم وطنوں کی بہ نسبت اپنی دولت کی زیادہ فکر تھی ــ تم ہی بتاؤ اسے چین کی کتنی فکر تھی ؟ یا ہماری اسے کتنی فکر تھی ؟ جتنا ہمارے باپ کو وطن سے پیار ہے، اس کا خیال ہے، اُس کو تو اتنا بھی نہیں تھا۔ جب جاپانی آگئے تو اس نے جاپانیوں کو مالگذاری ادا کرنی شروع کر دی۔ شہر میں جو اس کے بھائی بند بستے ہیں، انھیں بھی بس اسی کا فکر تھا کہ ایسے کام کئے جائیں جس کی بدولت جاپانی ترجمان سے فوجی بارکوں تک پہونچ کے لئے دوستی کی جاسکے۔ یہ لوگ کتوں کی طرح ان بونوں کے پیروں پر لوٹتے تھے ! "

چھوٹا بھائی ذرا دیر کے لئے گانے کی وہ آواز سننے کو خاموش ہوگیا جو ابھی تک برابر باغیچے کی طرف سے چلی آرہی تھی۔ ایک لمحے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے

کسی نے بولنا شروع کر دیا ہے، اور اب تھوڑی دیر میں سب فوجیوں کے قہقہے کی آواز آئی۔ اس کے بعد وہ اندھا دھند نعرے لگانے لگے۔ زور زور سے چلانے لگے، مگر اس کے باوجود تقریر کرنے کی آواز بہت ہموار انداز میں برابر آتی رہی۔ بڑے بھائی کو اس طرف زیادہ کشش معلوم ہوئی، بایئیں کی طرف سے ہوتی ہوئی جو آواز ان تک پہونچ رہی تھی، وہ زیادہ تر اسی کی طرف متوجہ تھا، اور اُدھر کھنچا جا رہا تھا وہ بالکل تن کر بیٹھ گیا۔

"سنو" اس نے کہا "وہی لڑکی پھر تقریر کر رہی ہے، سب کہتے ہیں کہ وہ کوریا کی رہنے والی ہے۔ مگر مجھے اسکا یقین نہیں آتا، کوریا کا کوئی باشندہ بھلا ایسی عمدہ چینی زبان بول سکتا ہے؟ کیا کوریا والے سفید لباس اور کریپ کے ہیٹ نہیں پہنتے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس قسم کے لباس بھی نہیں پہنتی؟"

بڑے بھائی کو واقعی اس دوشیزہ کے معاملے میں کافی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی جو کوریائی سمجھی جاتی ہے مگر نہ کوریا والوں جیسا سفید لباس پہنتی ہے نہ ان کی طرح کریپ کی چھوٹی سی ٹوپی اوڑھتی ہے۔ اس کے بھائی نے جو کچھ کہا اس نے بلاتکلف اور بے ٹوک مان لیا، مگر یہ بات لازمی تھی کہ وہ یہ سوچنے میں خواہ مخواہ اپنا وقت کیوں ضائع کرے کہ اب کیا کیا جائے۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ اسکے کانوں میں کوریائی دوشیزہ کی نرم و نازک آواز گونج رہی تھی۔ وہ برابر چھوٹے بھائی پر زور ڈالتا رہا کہ وہ کسی طرح اس لڑکی کے متعلق کچھ نہ کچھ بتائے۔

"کیا تمھیں اس بات کا پکا یقین ہے کہ وہ سچ مچ کوریا کی رہنے والی ہے؟ یا وہاں کی نہیں ہے؟ کیا تمھیں اس سے کئی بار بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملا ہے؟" بڑے بھائی نے چھوٹے کی طرف منہ کیا جس پر طفلانہ دلچسپی

برس رہی تھی۔

"بھلا اس سے کیا خاص فرق پڑتا ہے کہ وہ کوریا کی رہنے والی ہے یا نہیں سفید کپڑے اور کریپ کی جالی پہنتی ہے یا نہیں۔؟ اصل چیز جس پر فرق پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جاپانیوں سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کی حمایت کرتی ہے یا یہ کہتی ہے کہ اس کے پیروں تلے کی زمین اور یہ ملک جاپانیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے: ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ صرف اٹھارہ سال کی ایک لڑکی، مگر اسے سب کچھ خبر ہے، ہر چیز وہ جانتی ہے۔ اس پورے دستے ایک بھی آدمی ایسا نہیں ہے جو اس کی تعریف نہ کرتا ہو، زخموں کی مرہم پٹی وہ کر لیتی ہے، بیماروں کو دوا دارو دینا اُسے آتا ہے، اور سپاہیوں کو خط لکھنے میں مدد وہ دیتی ہے۔ عام طور پر یہ بھی ہوتا ہے کہ جب وہ لوگ کہیں رکتے ہیں تو ان کے اطمینان سے بیٹھتے ہی وہ لیکچر شروع کر دیتی ہے، جنھیں لکھنا نہیں آتا انھیں لکھنا سکھاتی ہے۔ گانے میں ہمیشہ پہل اسی کی طرف سے ہوتی ہے .... اسکا وطن خاک میں مل چکا ہے مگر اس کے باوجود اسکا حوصلہ تو دیکھو! کیسی باہمت لڑکی ہے، کیا خود ہمارے ملک پر حال ہی میں جاپانیوں کا حملہ نہیں ہوا؟ ہم بھی تو کوریا والوں کی طرح ہوئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے ہمارا حال بھی وہی ہوتا جا رہا ہے، پہلے کوریا قوم والوں پر بپتا ہی آئی، اس لئے وہ ہمارے بڑے بھائی ہوئے، وہ یہی تو کہتی ہے کہ اگر ہم لوگوں نے ڈٹ کر مقابلہ نہیں کیا تو کل ہماری حالت کوریا والوں سے زیادہ درد ناک اور خراب خستہ ہو گی، اگر کسی ایسے کوریائی پر جو جاپانیوں کے آگے گردن نہیں جھکاتا، جاپانیوں کا پنجہ پڑ جائے تو وہ اسے چھوڑتے نہیں، زمین میں گڑھا کھود کر سر کے بل اندر ٹھونس دیتے ہیں، اور اُسے زندہ دفن کر ڈالتے ہیں

کیاتم بھی یہی چاہتے ہو کہ کھود کر زندہ گاڑ دیئے جاؤ — اُف ؟"

"مقابلہ — مقابلہ ؟ کیا مطلب ہے تمہارا ؟ تم لوگ یہ کیسے سمجھتے ہو ہم مقابلہ بھی کر سکتے ہیں ؟" اتنی دفعہ اسکا چھوٹا بھائی "مقابلہ" اور جاپانی کٹھ پتلیوں کے خلاف "بغاوت" کی باتیں کر چکا ہے، لیکن ہمیشہ وہ چپ رہا — ہاں آج اس نے پہلی بار یہ سوال چھیڑ دیا کہ مقابلہ کرنے کے اصل معنی کیا ہیں۔ آج سے پہلے اس نے کبھی ان باتوں کو اتنی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا مگر اسوقت جب اسے اچھی طرح بتا دیا گیا کہ کوریائی لڑکی بھی یہی بات کہتی ہے تو اسے کم سے کم اتنا یقین ضروری ہو گیا کہ "مقابلہ اور بغاوت" وغیرہ بہت ہی عمدہ، اعجاز نما اور اعلیٰ درجہ کی چیز ہوگی ۔

چھوٹے بھائی نے بڑے پر ایک ترچھی نظر ڈالی جو فضول اسکا وقت ضائع کر رہا تھا، وہ بڑے بھائی پر بھپرا ہوا تھا مگر جی میں یہ بھی آ نی تھی کہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے ۔

"مقابلہ کرنا ؟ — اس کے معنے یہ ہوئے کہ منچوریا میں جتنے ایسے بے ایمان سیاست داں ہیں جو جاپانیوں کے ہاتھ بک چکے ہیں۔ ان سب کو قتل کر دیا جائے، اور ان تینوں مشرقی صوبوں سے ایک ایک جاپانی کو نکال باہر کیا جائے اسکے بعد ہی ہم چینی جھنڈے کے سائے میں خود اپنی حکومت بنا سکتے ہیں، اور پھر جو محصول وغیرہ ملے گا خود ہم پر ہی خرچ ہوگا۔ ہماری سڑکوں اور اسکول کی تعمیر پر خرچ ہوگا۔ بجائے اس کے کہ یہ روپیہ محصولوں کی شکل میں اس ملک سے چھینا جائے اور اس سے ان جاپانی سپاہیوں کی فوج کو پالا جائے جو ہمارا ہی روپیہ کھائیں، اور ہماری ہی عورتوں سے زنا بالجبر کریں، جیسے کہ آجکل ہو رہا ہے۔ اس کے بعد ہمیں جاپانی فوج کو دیکھتے ہی زمین پر جھکنا نہیں پڑے گا۔ کیونکہ ادھر اُدھر کہیں بھی کوئی۔ جاپانی نہیں رہیگا جس کے سامنے سر نیڑ کا جائے۔ پھر ہم اطمینان سے اپنی نئی

زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب ہم ایک ایک جاپان کے پالتو کتے پر کوڑے
بجا بجا کر ملک سے باہر نکال دیں گے۔ تو ہمیں نشے کی چیزیں چھپا کر دینے والوں سے،
بے ایمان اور مکاروں سے، عورتوں کی دلالی کرنیوالوں سے، بدمعاش گندہ داغوں سے
موٹی توند والے ساہوکاروں سے اور منچوریا میں نمک حرام فوجی تیاریاں کرنے والوں سے
مطلق نجات مل جائے گی، اور اگر باقی چین میں بھی انھوں نے یہی کیا تو پورا ملک ان کی نحوست
سے پاک ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو جاپانیوں کی حمایت کرتے ہیں جب اس
قسم کے لوگ اور ان کے جاپانی آقا یہاں سے نکال باہر کر دیئے جائیں گے تبھی کچھ ترقی
اور نشو ونما کا امکان پیدا ہو گا، تم خود اپنی مثال لے لو، تمہاری عمر کیا ہو گی۔ تیس سال
سے اوپر ـــ مگر اب تک تمہاری شادی نہیں ہو سکی! کیونکہ تم شادی کا بار نہیں اٹھا سکتے
اسلئے کہ ہمارے گھر کی جتنی آمدنی ہوتی تھی اسمیں بچت کا تمام حصہ چھوٹے سرکار لگان
اور محصول کے نام سے چھین لیتا تھا، ہمارے پاس کچھ نہیں بچتا تھا، اور پھر چھوٹے سرکار
اس روپیہ کا کیا کرتا تھا، اسمیں سے زیادہ تر رقم تو جاپان کی سرپرستی حاصل کرنے
میں خرچ ہو جاتی تھی، اور باقی رقم اسکے بھائیوں کو شہر بھیجی جاتی تھی تاکہ وہاں اس روپیہ
سے گھر پر پہرہ دینے اور حفاظت کرنے کے لئے پہرہ دار رکھے جائیں یہی بات تو پوپائی
لڑکی کہا کرتی ہے، اور مجھے ان سپاہیوں نے بھی اسی طرح تمام
باتیں سمجھائی ہیں "

"اچھا تو یہ باتیں کرتا ہے وہ۔ واقعی؟ کیا اس نے کبھی اسکا ذکر بھی کیا
کہ میری بیوی نہیں ہے۔ اتنی کم عمر نوجوان لڑکی بغیر شرمائے جھجکے بڑی بے تکلفی
سے شادی بیاہ کی باتیں بھی کرتی ہے؟" اب بوڑھے سن کے بڑے بیٹے کو اس
گفتگو میں گہری دلچسپی ہونے لگی۔

"اگر تمھیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو جاؤ خود جاکر دیکھ لو" چھوٹے بھائی

نے مطالبہ کیا: جو آدمی بھی اس سے بات کرنے جائے گا، اس سے وہ بات کرے گی، وہ جو پرانے فیشن کے گھروں کی لڑکیاں ہوتی ہیں، ان کی سی کوئی بات اس میں نہیں ہے اس فوجی دستے کا ہر آدمی اس لڑکی کا احترام کرتا ہے۔ اور ایک بھی آدمی ایسا نہیں ہے جو اس کے بارے میں کوئی بری بات کہہ سکے۔ میں یہاں تمہارا انتظار کرتا ہوں تم جاؤ خود جا کر بات چھیڑو، اور دیکھو وہ کیا کہتی ہے۔ جب تم لوٹ کر آؤ گے تو ایک بات پر مجھے بھی تم سے گفتگو کرنی ہے۔ جاؤ" چھو نے بھائی نے بڑے پر دباؤ ڈالا۔

" نہیں میں نہیں جاتا "

" اچھا تو نہیں جا رہے ہو تم؟ پھر جو اس وقت اصل معاملہ درپیش ہے، اس پر بحث کئے لیتے ہیں۔ میں پھر تم سے وہی سوال کرتا ہوں کہ مقابلہ کرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا تم مقابلہ کرنا پسند کرتے ہو؟ "

" میں؟ ہاں میرا خیال ہے کہ میں مقابلے کی حمایت کروں گا۔ اگر وہ تمام باتیں صحیح ہیں جو کوریائی لڑکی اس کے متعلق کہا کرتی ہے؟ "

" اچھا تو پھر تم اس فوج میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو؟۔ بولو تیار ہو؟"، چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔ جیسے ایک شکاری کتا خرگوش کا پیچھا کرتا ہے۔ وہ اس کے اور قریب آگیا، اور دھیمی، اور فوری جواب طلب آواز میں گفت گو کرنے لگا۔

" میں؟ ہمارا باپ تو ہرگز ہمیں نہیں جانے دے گا۔ اتنا بوڑھا آدمی وہ کیسے اجازت دے سکتا ہے کہ اس کے بیٹے لڑنے مرنے نکل جائیں۔؟ "

ٹھیک ہے وہ ہمیں ہتھیار اٹھانے اور لڑنے مرنے کی اجازت تو نہیں دے گا مگر جاپانی فوج کے غلاموں کی طرح زندگی گزارنے کی اجازت ضرور دیگا

میں تو اس فوج میں شریک ہونے جا رہا ہوں اور اس معاملہ میں کسی سے گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ میں اپنے جوتے سے آؤں، اور بس پھر چلتا ہوں۔ آج کل جیسے دنوں میں بھی کیا ہم اسکا انتظار کرتے رہیں گے کہ امن کا زمانہ خود بخود آجائے گا۔ اگر تم ہتھیار نہیں اٹھاتے تو تمھیں ہمیشہ یہ خدشہ رہیگا کہ نہ جانے کس دن جاپانی تم سے بھڑ جائے گا۔ اور تمھیں سور کی طرح ذبح کر ڈالیگا۔ اگر وہ تمھیں ذبح نہیں کرینگے تو ساری زندگی تمھیں اپنے مقصد کی خاطر استعمال کرتے رہیں گے۔"

"مجھے شبہ ہے۔" بڑا بھائی بے پروائی سے ویسے ہی کھڑا تھا اس نے کہا۔ "اب ہمیں گھر کی طرف چل دینا چاہیئے۔ کیا وہ لوگ ابھی تک اپنا پروگرام ختم نہیں کر چکے؟ اب بھی اس کو جاپانی لڑکی سے بولنے کی آواز آرہی ہے۔" وہ اس نے آواز سننے کے لئے اپنی گردن آگے کو جھکا دی۔ راستہ خاموش اور صاف شفاف تھی، اور اس سناٹے میں آوازیں بہت دور کی مسافت طے کر رہی تھیں کیمپ کا الاؤ دھیما نہیں پڑا تھا، مگر اب جو آواز سنائی دے رہی تھی وہ اس لڑکی کی نہیں تھی بلکہ کسی مرد کی بھدی، کرخت، اور بھاری آواز تھی۔

"جلدی مت کرو۔ مجھے تم سے یہ بات کرنی ہے کہ اگر چھوٹے بھائی نے افسروں اور حکام کو اطلاع دیدی ہے، اور وہ وہاں خبر کرنے کے بعد واپس آئے تو ہمیں کیا کرنا چاہئیے .... میرا خیال ہے کہ آج وہ ضرور واپس آجائے گا۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا وہ آجائے گا آج؟ ــ اچھا اگر آج وہ آگیا تو پھر ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"ہمیں کیا کرنا ہے؟ مجھے کیا خبر ــ کرنا چاہئیے؟"

احاطے کے دروازے پر پہرہ دار دیوار کے سائے میں خاموشی کیساتھ آگے پیچھے حرکت کر رہے تھے، وہ اپنے بھائی سے باتیں کرنے آگے آیا تھا، اور

اب پھر چل دیا۔ اتفاق سے اس کی سنگین کا پھل، احاطے کے اندر والے ، اڈُی جھلک پاکر چمک اٹھا۔

"اگر وہ واپس آ گیا تو میں نے طے کر لیا ہے کہ اُسے فوج کے جنرل کے سامنے ضرور پیش کر دوں گا "

"شہرو ، کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے ؟ تم نے آخر یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ اپنے سگے بھائی کو گولی سے اڑوانے کے لئے لے آؤ گے ؟"، بڑے بھائی کے دونوں ہاتھ التجائی انداز میں چھوٹے کے سامنے اُٹھے رہ گئے اور اس کو خطرہ جتلانے کا اشارہ کرنے لگے۔ پہرہ دار جو اسوقت ان دونوں کے مقابل نقطے پر آگیا تھا، قدم مارتے مارتے ایک دم رک گیا، اس نے ان دونوں کی طرف گردن بڑھا کر دیکھا ___ رائفل اب بھی اسکے کاندھے پہ جمی ہوئی تھی۔

"جنرل اسے ہرگز گولی نہیں ماریگا ___ اسکا خیال یہ نہیں ہوسکتا"

"اگر جنرل اُسے گولی نہ بھی مارے تب بھی تم اُسے لانے کے لئے یہاں نہیں لا سکتے ! بھلا یہ فوجی آدمی کا قتل کرنا بھی کوئی بڑی بات سمجھتے ہیں ؟ کیا اسی روز اسی جنرل نے حکم نہیں دیا تھا کہ غدار چھوٹے سرکار کو سزائے موت دی جائے ؟ اور چھوٹے سرکار، ان کی بیوی دونوں کس کس طرح روئے پیٹے، اور اس کے سامنے گڑگڑاتے رہے مگر اُسے ان پہ ذرہ برابر رحم نہیں آیا، اس نے صرف ایک حکم دیا کہ انھیں کھینچ کر لے جاؤ، اور گولی سے اڑا دو ! تم یہ تو اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارا بھائی شہر میں افسروں کو اسی کے متعلق پیغام لے کر گیا ہوا ہے ......" اس کی آواز غصے میں بلند ہوگئی تھی، اور چھوٹا بھائی اب اسے جواب دینے کے لئے سامنے کھڑا تھا۔ ان دونوں کے مقابل سنتری بڑی تیزی سے ان کی طرف آ رہا تھا۔ اب رائفل اس کے کاندھے پہ نہ تھی بلکہ ان کے رخ پر اس نے تان رکھی تھی۔ دونوں بھائی

اسے دیکھتے ہی ایسے کھڑے رہ گئے جیسے وہ دم بخود، اور ہیبت زدہ رہ گئے ہوں۔

نوجوان کسان جن میں ابھی تک جوش و خروش بھرا ہوا تھا، اپنے اپنے گھروں کی طرف تین تین چار چار کی ٹولیاں بنائے ہوئے واپس جانے لگے تھے، فوجی بھی اب تکان محسوس کرنے لگے تھے، جو عام طور پر ایسے اجتماع میں جوش و جذبے کی شدت سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اب ہر ایک کو اپنے بستر کی خواہش تھی، تاکہ سونے کی تیاری کی جائے، سونے کا دستور یہ بن گیا تھا کہ بستر پر پہونچنے کے بعد جن نوجوانوں کو بحثا بحثی سے دلچسپی تھی، مثلاً لیانگ ژنگ اور تی، اس قسم کے نوجوان سپاہی خود اپنے آپ کو موضوع بحث بنا کر چھیڑ دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ بحث آگے بڑھتی، اور ہوتے ہوتے وہ اسمیں اس طرح پھنس جاتے جیسے بلّی کے بچے جڑواں گیندوں کے چکر میں پھنس جاتے ہیں، اس کے بعد ان کا خیال ادھر ادھر کے چکر کاٹنے شروع کر دیتا، اور گفتگو کا سرا کہیں کھو جاتا، اتنے میں وہ نیند کی گہرائی میں پھسل جاتے۔ یہ ان کے لئے روزمرّہ کی عادت بن چکی تھی۔

لال بھبھوکا ابھی تک ایک بنچ پر باہر بیٹھا ہوا تھا، اور پائپ اپنے دانتوں میں دبا رکھا تھا، وہ گھما پھرا کے چانگ بہہ شین سے ماضی کی داستانیں بیان کر رہا تھا، اور چینگ شنگ۔ بڑا بھائی تیو، اور دوسرے ساتھی جو راستے میں مارے گئے ان کے متعلق خاموشی اور سکون کے ساتھ باتیں ہو رہی تھیں، تسیاؤ منگ کا ذکر بھی اسی میں آجاتا تھا، مگر اس طرح جیسے تسیاؤ منگ سے انھیں خاص قربت حاصل نہیں ہے لال بھبھوکا نے بجھی ہوئی راکھ اپنے پائپ سے جھٹک کر نکال دی۔ مگر اسکی جگہ پر تمباکو نہیں بھرا۔ اب کی بار وہ پائپ کی چلم کو اپنے ٹخنے سے کھٹکھٹاتا رہا۔

جس سے ہلکی ہلکی، باریک اور پُرآہنگ آواز پیدا ہونے لگی۔

"بڑے چانگ" اس نے سوال کیا "دیکھو ہم لوگ جب چلے تھے تو کل نو آدمی تھے، اور اب کتنے رہ گئے ہیں؟ ان چند روز میں ہمارے دو پرانے ساتھی شو اور بڑا بھائی تو ختم ہو گئے ..... ہائے!"

"ہمیں اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، جس راستے پر ہم چل رہے ہیں اس پر چلنے کے لئے ہمیں مجبور تو نہیں کیا ہے؟ آج کل کے سے زمانے میں اس سے بڑھ کر موت اور ہو نہیں سکتی۔ چاہے تم کتنا ہی سوچ کے دیکھ لو۔"

چانگ تہہ شین نے بوڑھے شکاری کی چھپی تلی آنکھوں سے دور فاصلے تک سایوں میں نگاہ دوڑائی، آٹھویں مہینے کے چاند کی ننھی سی قاش کو تھوڑی دیر میں پہاڑیوں کے بازو اوپر اٹھانے والے تھے، اور چاند کی بچی کھچی قاش پھر آسمان سے نمودار ہونیوالی تھی جس میں رہتے رہنے کئی راتوں سے وہ گھلتی جا رہی تھی، دیوار کے اس پار بڑے بڑے درخت سر جوڑے کھڑے تھے، اور ان کی خاموشی میں کبھی کبھی ننھی نرم و نازک شاخوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ موت ہمیشہ اسے کھیل نظر آئی، ایک حقیر سی چیز، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اب سے پہلے کتنی جاندار چیزیں، نہ جانے گرمی کے موسم میں کتنی جنگلی بطخیں، کتنے چیتل اور ہرن اس ہی رائفل کے بےخطا نشانوں کا شکار ہو چکے تھے ..... آدمی کی موت بھی اس سے الگ، اس سے مختلف کوئی حقیقت نہیں تھی۔ اس کی نظر میں آدمی کا مرنا بھی تو ایسا ہی معمولی تھا جیسے جانور کا دم توڑنا۔ اس میں کوئی خاص غیر معمولی بات نہ تھی سوائے اس کے کہ بعض بدقسمت جنگلی جانور ایک خوش نصیب شکاری کی بندوق سے اپنی زندگی کا آخری سفر طے کر لیتے ہیں۔

"وہ دیکھو اس چھوکرے لیانگ زنگ کو، اب وہ زیادہ بیہودگی پر آمادہ ہے۔

جھوٹی سچی افواہیں اڑانا، اس نے اپنا مشغلہ بنا لیا ہے!" لال بھبو کا نے پہلے ناگواری سے دوسری طرف منہ موڑا، اور بات کرتے وقت اسکا انداز بتا رہا تھا کہ وہ آہ سرد بھر رہا ہے۔

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ شیا ؤ منگ اور انا کے متعلق جو باتیں اڑا رہا ہے ـــ وہ؟ اس میں کوئی حقیقت تو ہے نہیں۔ اگر جنرل کو اس کا ذرا بھی پتہ چل گیا تو وہ فوراً اسے پکڑ کر پوچھ گچھ شروع کر دے گا۔ تم فکر مت کرو۔ اچھا ہے، لیانگ تنگ جیسے شوخ لڑکے کو تھوڑی بہت شرارت کرنے کا موقع ملتا رہے۔ مگر تمھیں اسکی فکر کیوں پڑ گئی۔؟"

"کیونکہ مجھے شیاؤ منگ اس طرف نظر آ گئے تھے" چانگ تہہ تین نے اس طرف نظر ڈالی جدھر لال بھبو کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ زینے کی تھوڑی سی بلندی پر پہلو کے کمرے میں کئی آدمی سر جوڑے بیٹھے ہیں، اور کوئی گفتگو چھڑی ہوئی ہے۔ اس کمرے میں جو لوگ تھے، ان میں شیاؤ منگ کا چہرہ لیمپ کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ کون کیا کہہ رہا تھا ـــ یہ کسی کو سنائی نہیں دیا۔ اور اتنی دور سے سنا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"کیا پھر ان لوگوں نے کوئی کانفرنس شروع کر دی؟"

"نہیں بلکہ کوئی دو آدمی ہیں ان سے سوال جواب ہو رہا ہے!" لال بھبو کا کی آواز مدھم ہو گئی۔ اور اس نے یہ بات چانگ کے کان سے بالکل ہونٹ ملا کر کہی۔

"کوئی دو آدمی ـــ کون؟ کوئی راز کی بات ہے کیا؟"

"وہ سنتری کی ڈیوٹی پر تھا، اور وہاں اس نے ان دونوں آدمیوں کو پکڑا ہے۔ یہ بات تنہا مجھی کو معلوم ہے۔ بولیے ناراض کی بات ہے؟"

"تمھیں خبر ہے کہ کون ہیں یہ دونوں آدمی؟" چانگ کی آواز بھی دھیمی پڑ گئی، اس خیال سے کہ نشست کے کمرے میں جو سپاہی ابھی نہیں سوئے ہیں ان کے کان میں اگر ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو وہ فوراً اس معاملے کی جستجو میں یہیں آ دھمکیں گے ...... مگر پورے کمرے میں پہلے سے ہی درجن بھر مختلف طرح کے خراٹوں کی آواز گونج رہی تھی۔ بھاری خرّاٹے جو نتھنوں اور حلق سے نکل رہے تھے، کچھ ہلکے اور دبے دبے خرّاٹے جو صرف ادھ کھلے ہونٹوں سے پیدا ہو رہے تھے ۔۔۔ ان میں کہیں بھی کوئی آہنگ اور تناسب نہ تھا۔

"ارے یہ تو وہ دونوں بھائی ہیں جو روزانہ شام کو لکچر سننے آتے ہیں اور گانے میں بھی شریک ہوتے ہیں"

"وہ؟ وہ تو جاسوس ہیں۔ پہلے تو کہتے تھے کہ ہم جاپانیوں کا مقابلہ کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہونے والے ہیں، اور اب؟ وہ ان میں سے ایک تو وہ غالباً ٹھپت اور پھرتیلا نوجوان کسان ہے؟"

لال بھبھوکا نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا، مگر اثبات میں اپنا سر نیچے جھکا لیا۔

"چلو ذرا اور قریب چل کے سنیں کیا معاملہ ہے"

"سنیں؟ کوئی بری بات تو نہیں ہے؟ ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ہرج ہی کیا ہے"

لال بھبھوکا نے پائپ اٹھا کر تمباکو کی تھیلی میں ڈال لیا، تھیلی کے بند کس دیئے، اور چانگ تہہ نشین کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ کھڑکی کے کھلے ہوئے پردوں سے کمرے کے اندر کا سارا منظر دکھائی دیتا تھا۔ کمرے کی چھت اور دیواریں صاف شفاف اور سفید تھیں، اور طرح طرح کا فرنیچر اور سامان آرائش بھرا ہوا

تھا، ایک میز پر مٹی کے تیل کا لیمپ روشن تھا اور اسی میز کے سامنے جنرل بیٹھا تھا، لیمپ کی روشنی آہستہ آہستہ ٹمٹما رہی تھی۔ میز کے سامنے والی چھوٹی سی بنچ پر دونوں کسان برابر بیٹھے تھے، دونوں بازوؤں میں اتا اور باقی کمانڈر بیٹھے ہوئے تھے۔ شیاؤمنگ کو صرف ایک چھوٹے سے اسٹول پر جگہ ملی۔ جو سب سے الگ تھلگ کونے میں کھڑکی کے بالمقابل پڑا تھا۔

کیا واقعی تم دونوں ہماری فوج میں شامل ہونا چاہتے ہو؟" چن چو نے اس سوال کا ایک ایک لفظ خوب صاف صاف ادا کیا، گویا وہ ان کو ٹٹول رہا ہے۔

"ہاں واقعی ہم یہی چاہتے ہیں"۔ سامنے کے دونوں آدمیوں نے ایسی تڑپ سے جواب دیا گویا وہ کسی سحر کے اثر سے بول رہے ہیں۔

"بہت اچھے ——— ہونا بھی یہی چاہئے۔" چن چو اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا نیم دراز قد تن گیا اور آنکھیں ہمدردی اور جذبات میں ڈوب کر مسکرانے لگیں اس نے اپنے ڈیسک تک واپس آنے میں کمرے کے اندر ادھر سے اُدھر کئی چکر لگائے، ڈیسک کے سامنے پہونچکر وہ ایک دم نہیں بیٹھا بلکہ پہلے پیٹی میں ایک ہاتھ ڈال کر کھڑا رہا۔ اور دوسرے ہاتھ کی مڑی ہوئی انگلی سے ڈیسک کو کھٹکھٹاتا رہا جیسے وہ کسی خیال میں غرق ہے۔ ہونٹوں نے اس طرح ایک زاویہ بنا لیا تھا گویا وہ سیٹی بجانے پر [illegible] ہے مگر آواز نہیں نکلی۔ سارے کمرے میں اس نے تمام لوگوں کے خاموش چہروں پر نظر ڈالی جو تھکن سے چور دہاں سمٹے سمٹائے بیٹھے تھے، کھڑکی کے باہر لال بھبوکا، اور چانگ تہہ نشین کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ بھی اس کی نگاہ غلط انداز کی لپیٹ میں آ گئے ——— دونوں یہ بات بھول گئے کہ کمرے کی روشنی سے باہر جو تاریکی چھائی ہے۔ اسمیں وہ کسی کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔

"اچھا تو تم دونوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ..... جنرل نے ان کسان بھائیوں سے کہنا شروع کیا۔" اپنے سب سے چھوٹے بھائی کا پتہ لگاؤ اور اسے یہاں لے آؤ، ہم اُسے سزا نہیں دیں گے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ چھوٹے سرکار نے اُسے بھیجا تھا، اور وہ حکم کی تعمیل کے لئے گیا، لیکن تمہیں اس خطرے کا اندازہ کر لینا چاہئے جو اس کے لئے بھی زبردست خطرہ ہے۔ اور ہم سب کے لئے بھی، ہو سکتا ہے کہ سرکاری افسر اُسے ہمارا جاسوس سمجھ کر غلط طریقے سے ملزم قرار دے دیں، اور یہ سوچیں کہ وہ اپنے ہمارے جال میں پھنسانے کے لئے بھیجا گیا، اگر ایسا ہوا تو اسے وہ مارتے مارتے ادھ مرا کر دیں گے۔ یہ ٹھیک ہے کہ چھوٹے سرکار کا خاندان با اثر اور ذی رسوخ ہے۔ مگر میرے خیال میں وہ اس سوال پر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ایک جملے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ منچو کو سپاہی ہوں، یا جاپانی سپاہی، دونوں میں سے کوئی اس کے لئے تیار نہیں ہے کہ جب ہم سے نظر بچا جانا ممکن ہو اس وقت بھی وہ ٹکرا جائیں، اور ہمارے مقابلے پر آ جائیں۔ اور پھر اس جیسی جگہ میں جہاں جنگل اور پہاڑیاں ہیں ان کی جنگی چالیں، ان کے ہوائی جہاز کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتے۔ سمجھ گئے تم؟ اس مقابلہ میں ہماری فوج، ہمارے سپاہی ہر جگہ موجود ہیں، اور ہر جگہ انھیں عام لوگوں کی ہمدردی اور حمایت حاصل ہے، جو لوگ ہماری ہمدردی یا حمایت نہیں کرتے وہ چند گنتی کے جاگیردار ہیں جن کی جاگیروں کو جاپانیوں سے نقصان نہیں پہونچا، وہ جاپانیوں کا ساتھ دیتے ہیں، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو جاپانی ان کی تمام جاگیر تمام املاک چھین لیں، اور ان لوگوں کو غلامی سے نجات حاصل کرنے یا کسی مقصد کا پاس کرنے کی بہ نسبت اپنی جائداد اور مال زیادہ عزیز ہے، یہ لوگ ہمارے اتنے دشمن ہیں۔ اتنے ہی سخت دشمن ہیں جیسے خود جاپانی، اور جب ہم ان جاپانیوں کو سمندر میں غرق کر لیں گے تو پھر ان جاگیرداروں

کو بھگتیں گے جنھوں نے ہم سے غداری کی ہے، ان سے ان کی عزیز ترین جاگیریں اور زمینیں چھین کر ان لوگوں کو بانٹ دیں گے جنھوں نے ہمارا ساتھ دیا۔ اچھا تو اب پہلا کام یہ ہے کہ تم دونوں جاؤ، اور اپنے سب سے چھوٹے بھائی کا پتہ لگاؤ۔ یہ اب تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم دونوں کو خود سے یہ کام کرنا ہوگا ــــ اور دیکھو اس میں کسر نہ رہ جائے!"

لال بھبوکا، اور چانگ ننھہ شین دونوں ایسے محو تھے کہ یہ بھی بھول گئے کہ وہ ایک راز دارانہ کانفرنس کی خبر اڑا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ دونوں نوجوان کسان کمرے سے نکل گئے تب انھیں ہوش آیا اور جلدی سے اپنے اپنے بستر کی طرف بھاگے کہ کہیں کوئی تاڑ نہ لے۔

دونوں کسان بھائی جس لمبی اور تنگ سڑک سے گذرتے ہوئے گھر کی طرف چلے، اس کے دونوں جانب بھری ہوئی فصلیں لہلہا رہی تھیں، راستے میں دونوں میں بڑی مسرت انگیز گفتگو ہوتی رہی، جو کچھ انھوں نے دیکھا تھا اسی کے بارے میں وہ باتیں کرتے چلے گئے۔ بڑے بھائی کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ موضوع اب بھی وہی کوریائی لڑکی اناتھی، ذرا چند جملے ہوئے اور اس کے بعد پھر انا کے متعلق گفتگو چھڑنے کی پہلی شروع ہوئی۔

"بھیا ایک بات ہے، کہو تو کہہ دوں ــــ اس جیسی نوخیز اور سیانی لڑکی، دن بھر رات بھر فرض کر و میرے ساتھ رہے .... تمہارا کیا خیال ہے، پھر بھی وہ کنواری کی کنواری ہی رہے گی؟ میں تو سمجھتا ہوں .... مادرم بخطا ...... اخیر کم سے کم یہ ضرور ہے کہ اس لڑکی میں، اور اس آدمی میں جو کوئی کی طرف بیٹھا تھا، اور اس کے ساتھ گانا شروع کیا کرتا ہے، ان دونوں میں کوئی نہ کوئی تعلق تو ضرور ہے"

بڑا بھائی بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہوا آگے آگے چل رہا تھا۔ اس پر حیرت واستعجاب کی کیفیت طاری تھی، بار بار وہ شرمیلی ہنسی ہنستا، انا کی بات چھیڑتا، اور پھر ہنستا۔ شروع شروع میں تو چھوٹے بھائی نے اس کی احمقانہ باتوں کی کاٹ کرنے پر خاص توجہ نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ بڑا بھائی اتنے عرصے بیوی کا خواب دیکھتا رہا کہ اب اسکا دماغ گڑبڑا گیا ہے، اس کے اعصاب پر عورت کا نشہ، عورت کی تمنا سوار ہے، وہ کبھی یہ نہ سوچ سکا کہ آج تک وہ بغیر بیوی کے کیسے بسر کرتا رہا۔ آخر عورت، چاہے وہ کیسی ہی بدصورت ہو، بہرحال عورت ہے۔ مگر وہ عورت سے محروم کیوں رہا ——— چھوٹے بھائی نے سوچا گفتگو چھیڑ کر یہ بات اُس سے جنتائے

"اچھا یہ بتاؤ کوریا والی لڑکی پسند ہے کیا۔؟ کل میں کسی رشتہ کرنے والے کی جستجو کرتا ہوں جو اسے تمہاری بیوی بنوا دے۔ کہو کیسی رہے گی ——؟"

بڑے بھائی کو معلوم تھا کہ چھوٹا یہ بات سنجیدگی سے نہیں کہہ رہا ہے، صرف ایک چھیڑ خانی ہے، مگر پھر بھی اُسے غصہ نہیں آیا کیونکہ اصلیت میں نہ سہی تو کم از کم دل میں اس تصور سے خوشی تو ہوئی، تاہم اس نے زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالی جس سے چھوٹے بھائی کو سمجھایا جاسکے کہ ایسے معاملات صرف مذاق اور ہنسی دل لگی کے نہیں ہوا کرتے۔

"لیکن پھر بتائے دیتا ہوں کہ اگر تم انقلابی فوج میں شریک نہیں ہوگے تو میں اس معاملے میں بالکل ہاتھ نہیں ڈالوں گا ——— مجھے اس کی مطلق پرواہ نہیں چاہے تم اس فوج میں شریک ہو یا نہ ہو۔ مجھے تو کل کوئی طاقت انقلابی فوج میں شریک ہونے سے نہیں روک سکتی، پوری طرح گارنٹی تو نہیں جاسکتی

لیکن سوچنے کی بات ہے کہ جب وہ کوریائی لڑکی دیکھے گی کہ میں کتنا بہادر اور دلیر ہوں تو کیا وہ میری گہری دوست نہ بن جائے گی ؟"

"تم ؛ تمہاری دوست ؟ تمہارے کیا کہنے ؟" بڑے بھائی نے چھوٹے کے بیان پر جب اس طرح تحقیر آمیز مبارکباد کا اظہار کیا تو اسے دلی صدمہ ہوا۔ اس نے نتھنے پھلائے اور ان الفاظ پر زور دیتے ہوئے اپنے سارے جسم کو جھٹکا دیا، ہاتھ بڑھا کر پاس کے ایک کاؤ لیانگ درخت سے بڑا سا پتہ توڑا، اور توڑ کر اُدھر پھینک دیا۔

"اچھا تو تمہارا خیال ہے کہ تم پر وہ ریجھ جائے گی، تم پر کیا ریجھتی، تم سے دس گنی قابلیت تو خود اس میں ہے، ذرا ان فوجی کمانڈروں کو دیکھو — ایک وہ لمبا چوڑا آدمی ہے۔ کیا نام — جسے فولادی شکرا کہتے ہیں۔ دیکھنے میں ہیرو نظر آتا ہے۔ دوسرا کمانڈر وہ ہے نیا ڈسے، اسکا، اور کوریا والی کا جوڑا اچھا ملتا ہے ...... اور ان کے سامنے تم ؟ اگر تم اس فوج میں بھرتی بھی ہو گئے تو کیا ہے ایک معمولی سپاہی کی طرح بھرتی ہو گے، تمہارا خیال ہے کہ اس جیسی لڑکی ایک ادنیٰ درجے کے سپاہی کی طرف کچھ توجہ بھی کرے گی ؟"

"میں اس سوال پر تم سے زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتا۔ صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم اس کام میں شریک ہو رہے ہو یا نہیں ؟"

"کس کام میں ؟"

"جاپانیوں کے مقابلے میں — مقابلے کی فوج میں شریک ہو کر جاپانیوں سے لڑنے کے کام میں"

"نہیں میں نہیں شریک ہوتا"

"کیا واقعی نہیں ؟ مگر تم تو کہتے تھے کہ تم تیار ہو"

"ہاں واقعی میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں شریک نہیں ہوں گا؟" بڑے بھائی نے بات صاف کر دی۔ "میں کیوں شریک ہوں؟ — اگر یہ لوگ مجھے ایک بیوی دلوا دیں تو ایک بات بھی ہوئی، اور پھر میں چاہے مارا جاؤں ان پر کوئی الزام نہیں دھروں گا، مگر اس شرط کے بغیر میں شریک ہونے کو تیار نہیں ہوں!"

اب چھوٹے بھائی کو فکر ہوئی کہ کیا کرنا چاہئے؟ کیونکہ اس گفتگو سے یہ بات یقینی ہو گئی تھی کہ ہو نہ ہو بڑا بھائی اس کے راستے میں رکاوٹ ضرور بنے گا۔ جب وہ دونوں گھر واپس جائیں گے، تو بڑا بھائی گھر پہونچتے ہی سارا قصہ باپ کو سنا دیگا۔ اور جو کچھ اب تک گزری ہے وہ ایک ایک کر کے سب بتا دے گا۔ نتیجہ یہ کہ جب سب سے چھوٹا شہر سے واپس ہوگا تو گھر والے اس سے کہہ دیں گے کہ وہ بھاگ جائے — اس طرح وہ کام جو جنرل نے اُسے سپرد کیا ہے بِن کئے رہ جائے گا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ میں بھی فوج میں شریک نہ ہوں ہمارے لئے یہی ٹھیک ہے کہ کاشتکاری کرتے رہیں، اسی طرح اپنی کھیتی باڑی میں لگے رہیں، جب ذرا دن اچھے آجائیں گے، تو ہم کچھ اور ایکڑ زمین لگان پر لے لیں گے اور پھر خوب روپیہ بنائیں گے، اس کے بعد ہم دونوں کی شادی بھی ہو جائے گی، اور بڑے مزے میں دن گذریں گے، باپ بھی اتنا بوڑھا ہو چکا ہے کہ اس سے ہمارے لئے کچھ ہو نہیں سکتا۔"

"ارے واہ بھیّا، یہ بات کہی ہے تم نے۔ بھلا ہمیں کیا پڑی ہے کہ مقابلے کی فوج میں شریک ہوں، جاپانیوں سے لڑتے مرتے پھریں ہمیں اس سے الگ ہی رہنا چاہئے، جب جاپانی فوج یہاں آئے گی، اور

اور ان بدمعاشوں کو مار کر بھگا دے گی. تب ہم باہر نکلیں گے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ ایسا کیا تو ہم لوگ امن پسند اور بھلے مانس رعایا میں شرمسار ہوں گے۔!

"ٹھیک، بالکل ٹھیک۔ مگر ایک بات ہے. اب جو ہم گھر جائیں تو آج شام کی کوئی بات باپ سے مت کہنا!"

"اچھی بات۔ نہیں کہوں گا"

"مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں آتا، قسم کھاؤ کہ باپ سے نہیں کہو گے۔"

"قسم کھلواؤ گے؟ اچھا تو قسم کھائی: اگر میں اپنے وعدہ سے پھر دوں تو میرا خون تمہارے ہی ہاتھ سے ہو۔"

"میرے ہاتھ سے تمہارا خون؟"

"عہد کرنے کا طریقہ ہے یہ تو ـــــ ویسے کروڑوں میں ایک کے برابر بھی اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ چھوٹا بھائی اپنے بڑے کا خون کرے۔"

"اچھا یہ باتیں چھوڑو آگے بتاؤ"

چھوٹا بھائی خاموش ہو گیا، اور اپنی آنکھوں کے سامنے بد قطع اور بے ڈول چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس سبلے چوڑے جسم کو، مضبوط چوڑے چوڑے شانوں کو، مضبوط تنی ہوئی چال چلنے والی ٹانگوں کو، اور ان سخت کھردرے پیروں کو جو ہمیشہ سے اناج کے کٹے ہوئے پودوں اور ٹھنٹھ کو کچلتے پھرتے تھے یا راستے میں جو پتھر آجاتا اس پہ زور آزمائی کرنے کے عادی ہو چکے تھے، ایسے تگڑے مضبوط بھائی کو وہ کسی طرح انقلابی فوج میں شامل ہونے پر رضامند نہ کرسکا

ایسی بھاری اور وزنی رُوح، ایسا ڈیل ڈول کا آدمی ــــ جسے عورت کے ساتھ سونے کی سیدھی سادی تمنا نے گھیر رکھا ہے، اسکے لئے اتنے آدمیوں کی آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اور ظلم لوٹ اور زور، زبردستی سے نجات پانے سے ندا بھی دلچسپی نہیں۔

چلتے چلتے انھیں اپنے کالے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی، انھوں نے بلند آواز سے کتے کو پچکارا، تاکہ آواز سے کتا سمجھ لے کہ مالک آرہے ہیں۔ گھر میں روشنی ہورہی تھی۔ کتا دوڑتا ہوا ان کے قدموں میں آ پہونچا، اور اچک اچک کر ان کے ہاتھ چاٹنے لگا۔ چھوٹے بھائی نے حسب دستور کتے کو پیار کیا، اس کے پیار کرنے کا دستور یہی تھا کہ پیٹے میں ہاتھ ڈال کر اُسے اُوپر اٹھایا، اور ناک تھپک دی .... دل میں خیال آیا کہ دوسرے دن پھر اپنے پیارے چہیتے کتے کو اس طرح تھپکنے اور پیار کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

کتا بڑا خوبصورت تھا، تنومند اسڈول، ماتھے پر ایک نشان باقی سارا جسم سیاہ۔

اتنی رات گئے یہ روشنی کیسے ہو رہی ہے؟ شاید چھوٹا بھیا آگیا۔ اس نے جلدی سے کتے کو اپنے سامنے سے ڈھکیلا۔ گھر کے اندر سے سلام کرنے، اور پکارنے کی آواز ان دونوں کو سنائی دی۔

"آپ دونوں بھائی اس وقت اتنی رات گئے گھر واپس کیوں آرہے ہیں؟"

"کیا چھوٹا بھیا آگیا؟"

ایک کمرے کی چھوٹی سی جھونپڑی میں گھر والے چاول ابالنے میں مصروف تھے، آتشدان کے ایک جانب اینٹوں کے فرش پر گھر کا بزرگ ا ور

ان بیٹوں کا باپ غافل پڑا تھا، سانس کی آواز بھرائی ہوئی تھی، جس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیمار ہے، اسکا سر ماتھے پر سے خوب کس کے بندھا ہوا تھا، کنپٹیاں اندر کی طرف بالکل دھنس گئی تھیں، اس ہیئت میں وہ اور بھی بوڑھا کھوسٹ نظر آرہا تھا، کڑوے تیل کا چراغ اندھی روشنی کے ساتھ ٹمٹما رہا تھا۔ اسے اپنی نیم جان دھندلائی ہوئی روشنی پر شرم آرہی تھی۔ اور بار بار بڑھتی ہوئی لَو کو اُبھار کر وہ زیادہ سے زیادہ چمکنے کی لاحاصل کوشش کئے جارہا تھا۔

منجھلا بھائی جلدی جلدی کھانا تیار کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اور چھوٹا بھائی پاس بیٹھا تھا، چھوٹے بھائی کا چہرہ بری طرح سوجا ہوا تھا، اور اسپر جابجا کھال پھٹنے کے نشانات اور لمبی لمبی خراشیں نظر آرہی تھیں۔

سب سے پہلے منجھلے بھائی کی نظر اس کے سوجے ہوئے زخمی چہرے پر پڑی وہ جلدی سے آگے بڑھا اور چھوٹے کا چہرہ سہلا کر دیکھا۔

"ارے یہ کیا ہوا؟"

"جاپانی سپاہیوں نے مارا ہے مجھے" چھوٹے نے یہ اس بے تکلفی سے کہا جیسے اُسے اپنے پٹنے کا کوئی غم نہیں ہے، اور چہرے پر جو خراشیں تھیں اُدھر اس نے زیادہ توجہ صرف نہیں کی، وہ اپنی داستان سناتا چلا گیا۔ "اس کی ماں کو اگر ایسے آدمیوں کو دیکھنا ہو جو عقل و دلیل سے بالکل واسطہ نہ رکھیں تو جاپانیوں سے ملو۔ اگر ذرا معاملہ اور بڑھ جاتا تو وہ مجھے جان سے مار ڈالتے، لیکن کہیں کے یہاں ان سے لڑنے کے لئے نہیں آیا جاتا.... "

"انھوں نے تم سے کیا پوچھا؟"

"بہت سے سوالات کئے۔ بے حد پوچھ گچھ کرتے رہے۔ ایک ترجمہ کرنیوالا بار بار سوال کرتا جاتا تھا، جاپانی افسر بیچ میں بیٹھا تھا، وہ کسی بات کے سننے کو

آمادہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میں گھٹنوں کے بل اس کے سامنے رینگوں۔ میں گھٹنوں کے بل رینگنے کو تیار نہیں ہوا۔ اس پر انھوں نے بھاری جوتوں، اور ٹھوکروں کی بارش شروع کر دی۔ یہ دیکھو......"

چھوٹے بھائی نے اپنے ازار بند کی گرہ کھول دی، اور پاجامہ گھٹنوں تک نیچے کر لیا۔ وہ تینوں بھائیوں کو اپنی برہنہ رانیں دکھانے لگا جن پر سیاہ اور نیلی بدھیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"یہ بدھیاں اور خراشیں کیا ان کے جوتوں اور ٹھوکروں سے پڑی ہیں؟" منجھلے بھائی نے نہایت سخت اور ناگوار ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ نشان رائفل کے کندوں سے پڑے ہیں، اور کچھ لکے ہیں......"

چھوٹا بھائی اپنی دُکھ بھری کہانی سناتا چلا گیا، اور بار بار بھائیوں کو اپنے جسم اور چہرے پر ابھرے ہوئے نیلے سیاہ نشانات دکھاتا جاتا تھا جو وہ اپنے ساتھ شہر سے تحفے کے طور پر لایا تھا۔ اینٹوں کے کھرے فرش پر باپ بھی یہ دیکھنے کے لئے اٹھ بیٹھا تھا۔ ضعف اور بے بسی سے اس کے ہاتھ رزرہے تھے، کڑوے تیل کے چراغ کی لَو اور بھی بھڑکنے لگی تھی۔ جس سے اسکا دمِ آخر اور بھی قریب معلوم ہوتا تھا۔ چاروں بیٹے، سننے کے لئے متوجہ ہوئے کہ دیکھیں اس پر باپ کیا کہتا ہے۔ لیکن وہ بغیر کچھ کہے پھر اپنے بستر پر گر گیا، اور آنکھیں موند لیں۔ سانسوں کی آواز پھر اسی طرح بھرّانے لگی، ایک لمحے کے لئے سارے کمرے میں بالکل سناٹا ہو گیا۔ نہ کوئی حرکت تھی، نہ زندگی۔ اتنے میں منجھلا بھائی جو باہر چاول لگا رہا تھا اندر آیا تاکہ اپنے باپ اور بھائیوں کی گفتگو اور ان کی رائے سن سکے۔

"پوچھ گچھ کے وقت انھوں نے کس قسم کے سوالات تم سے کئے؟ یہ کیڑوں مکوڑوں کی اولاد، بالکل بچڑ ہوتے ہیں۔ سوائے کمینے پن کے انھیں کچھ نہیں آتا"!
سب سے بڑے بھائی کا اعتدالی پسند مزاج، جو ہر گوارا، اور ناگوار چیز کو سہنے کی تاب رکھتا تھا، اپنے بھائی کی چوٹ دیکھ کر برہم ہو چکا تھا۔ منجھلا بھائی چپ بیٹھا تھا۔ اور خاموشی سے اپنے سب سے بھائی کا سوجا ہوا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ غدار چھوٹے سرکار اور اس جیسے دوسروں کے پیغام کا، ایک ہی مناسب جواب ہو سکتا تھا جو ملا ہے۔ ان غداروں نے اپنے عوام کا ساتھ چھوڑا، اور ان کے مقابلے پر جاپانیوں کی حمایت کی۔ سنچوریا کو فتح کرانے میں جاپانیوں کی مدد کی۔ خود اپنی مادر وطن کو اجنبیوں کا غلام بنوا دیا، اور جب اس غدار چھوٹے سرکار کے کرتوتوں کا وقت کا انتقام آیا تو اس نے جاپانیوں کی امداد منگانے کے لئے قاصد بھیجدیا۔ اگر جاپانی فوج ایک دم آگئی ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ اس غدار کو بچا لیتی۔ مگر انھوں نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ قاصد کو پیٹ دیا جائے۔

"وہ لوگ جلد ہی فوج بھیجنے والے ہیں۔ دو تین دن کے اندر ان کی کمک یہاں باہر آپہونچے گی، وہ لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ لڑنے کے لئے لانے والے تھے، انھیں خطرہ تھا کہ کہیں میں جاپانیوں کا مقابلہ کرنے والی فوج کا ایجنٹ نہ ہوں، اور مجھے اتہ پتہ لینے کے لئے نہ بھیجا گیا ہو۔ مجھ سے کہنے لگے کہ اگر انقلابی فوج سے ہمارا مقابلہ نہ ہوا، تو ہم تجھے گولی مار دیں گے، اور مجھے راستہ بتانے کے لئے کہتے تھے۔ آخر بس یہ ہوا کہ چھوٹے سرکار کے بڑے بھائی نے کسی آدمی سے میری رہائی کے لئے ضمانت دلوا دی....."

سب سے چھوٹے بھائی کی عمر ابھی بہت تھوڑی تھی، چنانچہ وہ چاول کھاتا گیا، اور اپنی بپتا سناتا گیا۔ بڑے میاں پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا

اور وہ اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا، صرف اپنے بیٹوں کی گفتگو سنتا رہا، اسے اب تک یہ گمان بھی نہ تھا کہ اسکا بیٹا شہر سے پٹ کر آئے گا، جس وقت اس کے چھوٹے بیٹے کو قاصد بنا کر بھیجا گیا ہے، اس وقت بڑے میاں نے اپنے جی میں سوچا تھا کہ یہ خطرہ کا وقت ہے، اور اس وقت ہمارا خاندان پورا ثبوت دے رہا ہے کہ ہم اپنے جاگیردار کے کس قدر خیر خواہ اور وفادار ہیں جب یہ خطرہ ٹل جائے گا، اور امن چین کے دن آئیں گے تو بڑے سرکار ہمارے گھرانے کی اس وفاداری کو ہرگز نہیں بھلا سکتے، اب بھی وہ اسی زمانے کا، ابھی دونوں کا خواب دیکھ رہا تھا جب امن چین برقرار ہوگا، اگر چہ آس پاس ایسے دنوں کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا، لیکن ان کی دوری کے تصور سے وہ اس خیال میں اور بھی محو ہو جاتا تھا۔ امن اور چین کے دنوں کی تلاش اور بڑھ جاتی تھی، جاگیردار کو انقلابی فوج والوں نے مار ڈالا۔ بندوق لگانے کے مورچے جلا کر خاک کر دئیے گئے۔ اور اب اس علاقے کے سارے جوان مقابلے کے پروپیگنڈے میں بہے جا رہے ہیں، خود اسے اپنے بیٹوں پر بھروسہ نہیں رہا۔ اور اب ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، وہ خود اس عمر کو پہونچ چکا ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے بھی پیٹ کر مٹی میں دبا دیا جائے گا، اور ٹھکرا دیا جائے گا۔ جاپانی سپاہیوں نے اس کے سب سے چھوٹے بیٹے کو ہی پیٹ ڈالا یہ کیا۔!

"ابا اٹھو! ذرا تم سے رائے لینی ہے" منجھلے بیٹے نے باپ کے شانے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ لیکن بڑے میاں میں اتنی بھی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے خاندان کی سرپرستانہ حیثیت پر اصرار کر سکے۔ اس نے تھرتھراتے ہوئے جواب دیا "اگر تمھیں کسی معاملے میں بحث کرنی ہے تو ایسا کرو کہ میں سنتا جاتا ہوں اور تم آپس میں بات چیت کر لو۔ میرے خیال میں یہی ٹھیک رہے گا۔ مگر دیکھو مجھے چھوڑ کر چلے

نہ جاتا — یہ مت بھولنا کہ تمہاری ماں یہیں اسی زمین میں دفن ہے۔ اسی میں ہم سب کی خیریت ہے۔" بڑے میاں نے یہ نصیحت کچھ اس انداز سے کی گویا وہ اس بات سے مایوس ہو چلا ہے کہ اس کی بات کی پرواہ کی جائے گی، اور جب وہ نصیحت بھرے آخری الفاظ ادا کر رہا تھا، تو اسکے گلے میں بلغم اٹک کر رہ گیا، اور ایک دم سے آواز بند ہو گئی، آنسو اسکے چہرے پر اس طرح رواں ہوئے کہ کسی طرح تھمتے نہ تھے۔ وہ اب بھی بستر پر ویسے ہی پھیلا پڑا تھا۔

"ابا! اس معاملے کو ایسے مت سمجھو۔ اب وقت آیا ہے کہ ہمیں بھی بدلنا ہوگا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ ایسے موقع کو ہم یونہی گذر جانے دیں گے؟ چھوٹے بھیا کی مثال ہمارے سامنے ہے، جب جاپانی یہاں سر پر آ پہونچیں گے تو کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ ہمیں پوری بات کہنے کا موقع دیں گے؟ خاص طور سے اس وقت جبکہ ہم چاروں بھائی نوجوان ہیں۔ اگر انقلابی فوج سے ان کی مڈبھیڑ نہ ہوئی تو میرا خیال ہے کہ وہ جھٹ سے ہمارے سر قلم کر ڈالیں گے۔ یہ بالکل وہی حرکت ہے جو پہلے زمانے میں ڈاکوؤں کو دبانے والی فوج کیا کرتی تھی یعنی اگر کہیں ڈاکو ہاتھ نہ آئے، تو انھوں نے بے قصور بھولے بھالے کسانوں کو پکڑا، اور ہلاک کر ڈالا تاکہ اپنی کامیابی کی رپورٹ دے سکیں تمہیں یاد ہوگا کہ چیچک منہ والا، آی، اور اسکا بھائی، وہ جو سبز آشیانہ گاؤں میں رہتے تھے، انکا یہی حشر ہوا ہر آدمی کی زبان پر ہے کہ جاپانی ان سے بھی برے اور بے رحم ہوتے ہیں — ہم جاپانیوں سے خود تو گفتگو کر نہیں سکتے۔ رہ گئے ان کے ترجمان، سو انھیں رشوت بھرنے کے لئے ہمارے پاس کافی روپیہ نہیں۔ ہم ایسے اطمینان سے کب تک بیٹھے رہیں گے کہ جاپانی فوج یہاں آئے، اور آتے ہی ہمارے سر قلم کر ڈالے اور ہمارے سروں کو سنگینوں پر اٹھا کر شہر لے جائے۔ تاکہ شہر والوں کو کٹے ہوئے

سرد کھا کر خوفزدہ کیا جائے۔ ہم بھی کوئی مرغی کے معصوم بچوں کی طرح ہیں۔ کیا ہمیں اس کے سوا کچھ آتا ہی نہیں کہ بڑے صبر اور سکون کے ساتھ کسی آنیوالے کا انتظار کرتے رہیں، جو آتے ہی ہمیں ذبح کر ڈالے۔"

"تو کیا تم سب کے سب مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو؟ — سب جا رہے ہیں،...... کوئی بھی یہاں ٹھہرنے کو تیار نہیں ؟"

"ہم جب جائیں گے تو سب ساتھ ہی جائیں گے، بڑے بھیا کو چھوڑ کر اور کوئی یہاں نہیں ٹھہرے گا" — منجھلے بیٹے کے اس جواب پر ایک دم بڑے میاں تن کر اٹھ بیٹھے۔ بڑے میاں کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی رہ گئیں — اس نے کہا:

تمہاری ابھی عمر ہی کیا ہے، نوجوان ہو، اور تمھیں اپنے ساتھ لینے سے انھیں بڑی خوشی ہوگی۔ میں بوڑھا مریل۔ اگر میں ساتھ گیا بھی تو کس کام کا، چلنے پھرنے کو میں محتاج، بندوق کا نشانہ میں نہیں لے سکتا، تم سب چلے جاؤ۔ میں تو جیتے جی اس گھر کو چھوڑ نہیں سکتا، تم نوجوان ہو، جاؤ، لڑو جاپانیوں سے، اچھا ہے جتنی جلد تم یہاں سے جاؤ گے اتنی ہی جلد واپس آؤ گے۔ صرف ایک التجا ہے میری کہ جب میں مروں تو تم لوگ میری ہڈیاں اپنی ماں کی قبر کے پاس دبا دینا، تاکہ مجھے مرنے کے بعد سکون مل سکے۔ ایسا نہ ہو کہ میری لاش پڑی سڑتی رہے، اور کتے بوٹیاں نوچ نوچ کر پورب پچھم گھسیٹتے پھریں۔" بڑے میاں پر رقت طاری ہوگئی، اسے نظر آ رہا تھا کہ جیسے کوئی بھوت اس کے جگر بندوں کو جوان بیٹوں کو، اس سے زبردستی چھین کر لئے جا رہا ہے...... لڑکوں پر بھی باپ کے جذبات کا اثر ہونا تھا، اور وہ بھی غم و ملال کی اس لہر میں ڈوب گئے

منجھلے اور سنجھلے بھیا، تم دونوں جاؤ اگر جانا ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔

مجھے انقلابی فوج کا زیادہ خیال نہیں ہے میں نہیں باپ کے پاس رہوں گا، ان کے بعد میں تمہاری جستجو کر سکا تو کروں گا! "بڑا بھائی بھی آنسو بہانے لگا۔

" نہیں نہیں۔ تو بھی جا۔ میں تم میں سے کسی کا ٹھہرنا نہیں چاہتا مت ٹھہرو نہیں تو جاپانیوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ سب سے چھوٹے کو بھی چلا جانا چاہیے جاپانی سپاہیوں کو مجھ بوڑھے کی جان نہیں چاہئیے۔ اور اگر وہ چاہیں گے تو میں بڑی خوشی سے مرنا قبول کروں گا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ زندگی کے بہت دن گزار چکا ہوں، بہت جی لیا۔"

کاغذی کھڑکیوں کے باہر نامعلوم فاصلے سے مرغ سحر کی بانگ سنائی دی، اور اس کے جواب میں کالو کتے نے بھونکنا شروع کیا۔ لیکن اس کی جوابی آواز میں جوش وخروش یا اشتعال نہ تھا، کھڑکی میں جو کاغذ لگے ہوئے تھے رفتہ رفتہ ان کاغذوں پر ملگجی سی روشنی بکھرنے لگی۔ اور اپنے اس نئے حریف کی آمد سے کڑوے تیل کا دیا دم توڑنے لگا، اور بھی مدھم پڑ گیا۔

لڑکوں میں سے ہر ایک نے بوٹوں اور موزوں کی تلاش شروع کر دی، ہر ایک کو روئی کے گدیلے کوٹوں کی جستجو تھی۔ مجھلے بھائی نے بہت غور سے اپنے کوٹ کا معائنہ کیا، اور دیکھ بھال کر دور پھینک دیا۔..........

...... وہ اتنا بوسیدہ ہو چکا تھا کہ کسی طرح کام نہیں آ سکتا تھا۔

" بڑے بھائی، اب سارے گھر کا دارومدار تم پر ہے۔ تم ہی باپ کی دیکھ بھال کرنا!"

اس کے بعد وہ سب ایک صف میں دو زانو ہو گئے، اور ہر ایک نے تین تین بار زمین پر سر ٹیکا تاکہ بوڑھے باپ کو آخری تعظیم دی جائے، آخر میں بڑے بھائی کے لئے ایک بار تعظیمی سلام بجا لائے۔ باپ نے عالم بیہوشی

میں ان کی طرف بازو پھیلا دیئے، کالو کتا، ان کے پاس اِدھر سے اُدھر اچکتا، کودتا پھرتا تھا، جب کالو کے مالک باہر جانے والے ہوتے تھے تو اس طرح بلائیں لینا اس کی پرانی عادت تھی، منجھلے بھائی نے اس کی ناک پکڑی اور پیار سے اُسے سہلایا اور اسی طرح کالو سے باتیں کہتے کرتے گھر سے ایک فرلانگ کے قریب نکل آئے۔ تب کہیں انھوں نے کالو کو واپس جانے کا حکم دیا۔ اور زمین سے مٹھی بھر کر کوڑا اٹھا کر اسکے منھ پہ مارا تاکہ وہ ان کے پیچھے پیچھے اور دور نہ چلا آئے۔ پھر بھی کالو وہیں ٹھہر گیا، اور سر اٹھائے ہوئے اپنے مالکوں کو دیکھتا رہا۔ اس کی زبان حلق سے باہر لٹکتی رہی اور جب تک جانیوالے مسافر کا دلیا تک کے درختوں کے اس پار آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں گئے۔ کالو یونہی انھیں تکتا رہا اس کے بعد وہ مڑا، اور پھر اپنے محبوب گھر کی طرف واپس ہوا۔

دسواں باب

موٹے موٹے ہونٹ کھلے

پچھلے پہر کی خنک سیاہی میں رنگ برنگ پتے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ لال لال کتھئی، پیلے، ہرے اور نیم سبز سا ئے .... ہر ایک پتی کا رنگ جدا تھا، لیکن رات کی اوس نے سب کو زمین کی طرف سرنگوں کر رکھا تھا، تمام درخت گھنی سیاہی اور خاموشی کے ساتھ کھڑے تھے، یہاں تک کہ دیوار کے برابر کا ڈیانگ کے لمبے لمبے پیڑ بھی دم سادھے ہوئے تھے، احاطے کے اندر ابھی تک الاؤ کی چنگاریاں۔ دہک رہی تھیں، ایندھن کے ان چند گٹھوں کی روشنی نظر آ رہی تھیں جو ابھی جل کر خاکستر نہیں ہوئے تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور دنوں میں بھی ایسا ہی ہوا کرتا ہے، باغ کے بیچوں بیچ جو میز پڑی تھی، اس پر رات میں گا نا شروع کرنے والوں کے نقش قدم نظر آ رہے تھے ..... ایک کونے میں شیاؤ منگ کے پیروں

کے نشان اور دوسرے کو نے پر اتا کے۔

چن چو اپنی جاندار کسرت میں مصروف تھا، اور جب وہ بانڈوں کو حرکت دیتا تھا تو بھاری سانسوں کے ساتھ کبھی اپنے سر کو نیچے جھٹکا دیتا تھا، اور کبھی اوپر اٹھا لیتا تھا، دروازے کے سامنے والی پتھریلی سیڑھیوں پر وہ آگے پیچھے گشت لگا رہا تھا اور اس کے لبوں کو برابر جنبش ہو رہی تھی۔ یہ علامت تھی اس بات کی کہ اس وقت جنرل چن چو اپنے خیالات میں گم ہے، بہت رات گذر گئی، کافی دیر ہو گئی مگر..... یہ کیا بات کہ وہ اب تک سویا اور نہ سونے کا ارادہ نظر آتا ہے، ایک فیصلہ تو اس نے قطعی طور پر کر لیا۔ یہ کہ اس کے سپاہیوں کو، اس اڈے پر جمے رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ بلکہ یہاں سے کیمپ ہٹا کر چی چانگ ژو کی راہ سے ہوتے ہوئے سیدھے تنگ آن پر اکٹھے ہو نا چاہئے۔ مگر ابھی ایک فیصلہ تو باقی تھا، ابھی یہ طے نہیں ہوا کہ ان زخمیوں کو لے کر یہاں کون ٹھہرے جنہیں اتنی طاقت بھی نہیں کہ رائفل سنبھال سکیں۔ یا اتنا لمبا گشت کر سکیں

تنگ آن کی طرف گشت کرنا نہایت ضروری ہے، یہ تو وہ خوب سمجھ رہا تھا۔ کیونکہ وہاں وہ کمی بھی رائفلیں وصول کر کے پوری ہو سکتی ہے، اس کی امید ہے کہ وہاں پہونچنے پر سامان جنگ کی اچھی خاصی رسد ہاتھ آجائے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جاپانی اور نجیہ کو (دیسی) سپاہی موجودہ اڈے پر پہونچنے سے بہت زیادہ دور نہیں ہوں گے، اب سوال رہتا ہے عقبی دستے کی سالاری کا ہم جس دستے کو پیچھے زخمیوں کی حفاظت کے لئے چھوڑیں گے اس کی کمان کے لئے ایک دلیر آدمی کی ضرورت ہے۔ شیا دمنگ کے علاوہ صرف فولادی لنگڑا ہی ایسا کمانڈر ہے، جو حملہ کرنے میں سالار کے فرائض بخوبی انجام دے سکے فوراً ہی اس کے ذہن میں انا اور شیا دمنگ کا خیال آیا، ان دونوں میں محبت ہو گئی

اور ناز نے چن چو سے بڑھ کر کون جانتا ہے۔

یا رائے ہے؟ کیا انا کو بھی یہیں چھوڑ دینا چاہئے؟ یا یہ نامناسب ہو کہ انا کو اور سپاہیوں کے ساتھ لے جایا جائے؟ نہایت تیزی اور طراری کے ساتھ اس نے جھٹ فیصلہ کر لیا ـــــ انا کو باقی سپاہیوں کے ساتھ ہی کوچ کر دینا چاہئے۔

جب بوڑھے سن کے بیٹے اس سے واپس آ کر ملے تو سب سے چھوٹے لڑکے کی زبانی جنرل کو وہ سب معلوم ہو گیا جو وہ جاپانی سپاہیوں کے متعلق جاننا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اژدہا پنجہ پہاڑی سے کوچ کرنا بالکل لازمی اور یقینی ہو گیا۔

اس نے تمام کمپنی کمانڈروں کو مشورے کے لئے اپنے دفتر میں جمع کر لیا، اور زبردست صلاح مشورہ شروع ہو گیا "........کل صبح ۵ بجے ہمیں ہمیں کوچ کے لئے بالکل تیار رہنا چاہئے۔ ساڑھے پانچ بجے ہم یہاں سے چل دیں گے........"

کسی نے اس معاملے میں ایک لفظ نہیں کہا۔ ایک دوسرے کو تکتا ہی رہ گیا، انا کے چہرے کا رنگ ہلکے ہلکے پیلا پڑتا گیا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور اشتباہ کی پرچھائیں جھلکنے لگی۔ شیاؤ منگ نے اپنے کو سنبھالنے کے لئے بڑا زور لگایا۔

"کمانڈر شیاؤ بیس سپاہیوں کے ساتھ عارضی طور پر یہیں رہیں گے جبتک کہ زخمی کوچ کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ جب زخمیوں کی حالت اس قابل ہو جائے گی تو یہ ان کو لیکر تنگ آن کی طرف روانہ ہو جائیں گے، اور وہاں ہم لوگوں سے آ ملیں گے، بس یہ طے پایا۔ کل کوچ کرنے کی پوری اسکیم بتادی

جائے گی۔ آج رات چوٹی پر پہرہ دینے کی ڈیوٹی اور دروازے پر گارد رکھنے کے فرائض ان لوگوں کو سپرد کئے جاتے ہیں جنھیں یہاں ہمارے بعد ٹھہرنا ہے۔ جن لوگوں کو کل کوچ کرنا ہے انھیں فوراً ہر ایک ڈیوٹی سے سبکدوش کر دیا جائے۔ تیاؤسنگ اور اتا ابھی ذرا ٹھہریں۔ مجھے ان سے کچھ باتیں کرنی ہیں، اور باقی تم سب اپنی اپنی کمان پر واپس جاؤ۔ اپنے اپنے آدمیوں کو کوارٹروں میں بھیج دو۔ انھیں آرام کرنے کی ضرورت ہے پانچ بجے تیار، ساڑھے پانچ بجے کوچ ۔"

جنرل چن چو میز کے برابر کھڑا تھا جیسے جیسے کمانڈر کمرے سے نکلتے گئے نظریں ان کا پیچھا کرتی گئیں۔ دروازے کے باہر سے قہقہے کی آواز آئی۔

"کمانڈر شیاؤ.......،" چن چو نے ایک انگلی سے سر کھجایا اور کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ اس نے شیاؤمنگ یا اتا کو دیکھنے کے لئے نظر تک اوپر نہیں اٹھائی۔

"تم دونوں کو یہاں کا چارج سنبھال لینا چاہئے کسی لمحے بھی یہاں جاپانیوں کا حملہ ہو سکتا ہے۔ تم ہر طرح سے تمام فوجیوں کے ذمہ دار ہو.... اور ان کی ذمہ داری بھی تم پر ہے جو خود ہتھیار نہیں اٹھا سکتے۔ یا چل نہیں سکتے۔ میں تمہارے ساتھ بیس آزمودہ کار آدمی چھوڑتا ہوں...... جو ہر طرح سے مستعد ہیں۔ اس سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ جو آدمی تمہارے پاس چھوڑے جا رہے ہیں وہ بہت کم ہیں اصل بات یہ ہے کہ اس سے زیادہ آدمی ہم یہاں چھوڑ نہیں سکتے۔ جب ہم لوگ چی چن زو پہنچ جائیں گے تو ممکن ہے کہ ہم وہاں سے دو بیل گاڑیاں زخمیوں کو لانے کے لئے بھیج سکیں...... مگر تم لوگ بیل گاڑیوں کے انتظار میں مت رہنا ہرگز امید مت رکھنا۔ اگر ضرورت پڑے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایسا ہے وقت آجائے تمھیں اپنے طور پر لڑائی لڑ کر اپنا راستہ نکالنے

کے لئے تیار رہنا چاہئے"

چن چو اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا، اور خاموشی کے ساتھ کئی بار آگے پیچھے چکر لگائے، اور پھر اپنے موٹے موٹے ہونٹ جوڑ کر بولنے لگا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کو محبت کرتے ہو۔ اس میں کوئی برائی نہیں۔ لیکن یہ مت بھولنا کہ جو فرائض تمہارے سپرد کئے جا رہے ہیں، وہ محبت سے بہرحال عظیم تر ہیں، وہ زیادہ اہم ہیں! موت کسی وقت، کسی لمحے بھی ہمارے حصے میں آسکتی ہے۔ اگر ہمیں فتح حاصل کرنی ہے تو اسے اپنے خون سے خریدنا ہوگا، جاپانیوں کی فوج اور ان کی مٹھی میں جو پالتو کتوں کا ہجوم ہے۔ یہ لوگ ہماری تباہی اور ہمارے خاتمے کا منصوبہ بناتے کبھی نہیں تھکتے، لیکن خود کٹھ پتلی فوجوں کے درمیان اور ہر جگہ کے عوام میں ہمارے دوست دشمنوں سے زیادہ موجود ہیں اور میں تم سے اس بات کی ضمانت لیتے ہوئے ذرا بھی نہیں گھبراتا کہ اگر ہم لوگ پکے طریقے سے اپنے یقین و ایمان پر ڈٹے رہیں اور اپنی ایک ایک رتی قوت مقابلے اور لڑائی کے پروگرام میں لگا دیں، تو آخری فتح یقیناً ہماری ہوگی۔ ہمیں نے عقبی دستے کی کمان کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے، شیاؤ منگ تم اس لئے چنے گئے ہو کہ تم اس فرض کی تکمیل کے لئے بہترین آدمی نظر آئے۔ اتاسے جو تم کو محبت ہے وہ محبت، یا اتا سے جدائی تمہارے فرض کی تکمیل میں دخل انداز نہ ہونے پائے، اپنی مہم کو سرانجام دینے میں اور عزم کی پختگی میں ان باتوں سے کوئی فرق نہ آنے پائے، اگر ایسا ہوا تو اس سے افسر کے نام کو دھبا لگ جائے گا اور تمہاری کمان میں جو آدمی ہیں ان کی قربانیاں خاک میں مل جائیں گی۔ ہاں تو کہنا یہ ہے کہ محبت کرو، مگر اس مقصد کی طرف سے غافل نہ ہو جس کے لئے ہم لوگ پوری قوت سے لگے ہوئے ہیں"

جن چو میز کے ایک طرف کھڑا ہو گیا، پہلے اس نے غور سے انا کو دیکھا اور پھر شیاؤ منگ پر گہری نظر ڈالی۔ اس کے جبڑے عزم اور فیصلے کی قوت سے بھنچے ہوئے تھے۔

"تم دونوں کو تھوڑے عرصے کے لئے ایک دوسرے جدا ہونا ہے اور دیکھو شیاؤ منگ، غور سے سنو، یہ زخمی ساتھی تمہاری سپردگی میں ہیں۔ تم ان کو تنگ آن لانا اور حفاظت سے لے کر آنا۔"

انا کا چہرہ غصے اور شرم کے مارے تمتما رہا تھا۔

"میں اس سے انکار نہیں کرتی کہ مجھے شیاؤ منگ سے محبت ہے مگر اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں نے دوں گی کہ ہم دونوں میں سے کسی کے کام میں بھی اس سے خلل پڑ سکتا ہے۔ میں اس فوج میں محبت کی خاطر شامل نہیں ہوئی۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ہماری فوج میں رومانس اور عاشقی کے لئے کوئی گنجائش نہیں کامریڈ چن چو، آپ کو ہمارے جذبات واحساسات کا خیال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پھر بھی میں سمجھتی ہوں کہ آپ نے حقیقت سے کچھ زیادہ اپنے طور پر سمجھ لیا ہے۔ ہمارے درمیان ان الفاظ سے زیادہ اور کوئی رشتہ نہیں ہے جو ہم نے ایک دوسرے سے کہے ہیں، اور ہم دونوں ان الفاظ کو بھلانے پر بھی قادر ہیں۔ اگر ہم دونوں کی محبت ہمارے درمیان اور ہمارے مقصد کے درمیان رکاوٹ بنتی ہے۔ تو میں ابھی اور اسی وقت اس سے ہاتھ دھوتی ہوں جس طرح آپ اپنے ایک دشمن کا خاتمہ کرتے ہیں، ایسے ہی میں جلد سے جلد اور نہایت آسانی سے اپنی محبت کا رشتہ ہمیشہ کے لئے ختم کئے دیتی ہوں۔ میں آپ سے کہہ چکی ہوں، آپ سمجھئے کہ میں نے یہ کام پورا کیا۔ محبت آج سے ختم۔ ایسے کہ جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔" انا کی آواز طیش کے مارے تپ رہی تھی۔ اور اس کا مضبوط

ستا ہوا چہرہ، ان دونوں آدمیوں کے سامنے عظمت و جلال سے اور بلند ہوگیا نشیاؤ منگ اس کے نیلگوں فوجی بلاؤز کے نیچے لرزتے ہوئے سینے کے خطوط دیکھتا رہا۔ اس نے آج تک اس سینے کو مس نہیں کیا، اور کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ انّا کے بازو اُسے اپنی نرم ولطیف بے خودی کا لطف عطا کر سکتے۔ وہ بے بسی کے عالم میں یونہی کھڑا رہا، اور ایک ایسے لاچار آدمی کی طرح تکتا رہا جس کی عزیز ترین متاع زندگی، آنکھوں کے سامنے نیلام کی جا رہی ہو۔

بات چیت اور قہقہوں کی آواز کھلی ہوئی کھڑکیوں سے چلی آ رہی تھی اور رات کی ہوا کے جھونکے درختوں میں سرسرا رہے تھے۔

بے ڈھنگے طریقے سے بغیر جنرل کی رضا لئے ہوئے انّا نے رخ بدلا، دروازہ کھولا، اور باہر چلی گئی۔ شیاؤ اس تنتے ہوئے چھوٹے سے قد و قامت کو اسوقت تک دیکھتا رہا۔ جبتک کہ وہ تاریکی میں گم نہ ہو گیا۔ آخر احاطے کے پتھریلے فرش پر اس کے قدموں کی تیز تیز اکڑی ہوئی کھٹ کھٹ کانوں کی زد سے باہر ہو گئی۔ اور شیاؤ منگ مایوسی کے تھکے ہوئے انداز سے بنچ پر گر پڑا۔

"کامریڈ شیاؤ۔ میں نے یہ طے کیا ہے کہ تم اپنے گوار لڑوں کی طرف واپس جاؤ، اور اپنی کمان کی ڈیوٹی سنبھال لو۔ ...... پہاڑی چوکی پر ابھی ایک سنتری موجود ہے۔ خیال رکھنا۔

مشین کی طرح سے شیاؤ منگ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے فوجی سلام کیا، اور باہر نکل گیا۔ اب بھی احساس بے چارگی اُسے ستا رہا تھا جنرل چن چو نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ چن چو نے سوچا کہ یہ دونوں نوجوان ہیں مگر رضا لیتے وقت بھی ان دونوں کا انداز ایک دوسرے سے کتنا مختلف ہے۔ دونوں کے رضا لینے کے طریقے میں بھی کس قدر فرق ہے۔ ایک آنکھ

نیم وا ہوگئی، اور اسی ادھ کھلی آنکھ سے چن چو مسکرایا اور اپنے سر کو نیچے جھکا لیا۔ مگر اس کے مبتسم انداز میں بے رحمی یا سنگ دلی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ اس نے کمرے کے دو تین چکر کاٹے۔ لمبے لمبے سانس بھرے۔ اور تھک کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہتھیلیوں میں گرا لیا۔ کل صبح ہونے سے پہلے اُسے نہ جانے کتنی چیزوں کے متعلق غور کرنا تھا۔

شیاؤ منگ نے فصیل کھنچے ہوئے احاطے کے اندر بے شمار چکر لگائے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا وہ ذات باہر کر دیا گیا، اسے ساری دنیا نے بیگانہ بنا دیا۔ اور ہر طرف سے اسے ٹھکرا دیا گیا ہے۔ خیر اب اس کی ضرورت نہیں رہی ایک راستہ ابھی کھلا ہے۔ صرف غلاف سے پستول نکالنے کی ضرورت ہے پستول کی نال کنپٹی سے لگانی ہے، اسکے بعد سیفٹی کیچ کھولنا ہے۔ بس پھر انگلی کو ذرا کھینچنا پڑیگا اور وہ جو لوہے کا اسپرنگ ہوتا ہے، جسے پستول کا گھوڑا کہتے ہیں اسے ایک ذرا دبانا پڑیگا، گھوڑا دبانے کی دیر ہے، پھر نہ شیاؤ منگ ہوگا اور نہ اناّ، اور پھر کچھ بھی نہیں رہیگا، مگر وہ یہ کر نہیں سکتا۔ کاش وہ صرف اناّ کے کمرے تک جا سکتا۔ اور اس سے دل کی باتیں کر سکتا۔ جن باتوں سے اس کے دل میں کاری چوٹ لگی ہے وہ اناّ کو سنا سکتا، اور ایک بار اس کے بازوؤں میں گر کر نادان بچے کی طرح چیخیں مار سکتا تو اسے اتنی مسرت ہوتی، اتنی راحت ہوتی کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا اب وہ کیا کر سکتا ہے؟ اناّ کے کمرے میں اب بھی روشنی ہو رہی تھی، اور اندر سے اسکے چلنے پھرنے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ کیا میں اس سے ایک بار پھر ملنے کی کوشش کروں؟ مگر ساتھ ہی اسے یقین تھا کہ اب اناّ بھی تو بدلی ہوئی ہوگی۔ اب اس دن والی اناّ نہیں ملے گی۔ وہ دلیر، باہمت اور لائق شخصیت جو فوجی سپاہی کی طرح کام کرتی رہتی ہے مگر جو اندر سے ایک بے ماں کے بکری کے بچے کی

طرح معصوم ہے۔ ایک نوعمر لڑکی جو اسی کی طرح تنہائی میں مبتلا ہے۔

اس نے دیوار کے ایک تاریک کونے کا انتخاب کیا، اور وہاں جاکر بیٹھ گیا۔ یہاں سے وہ روشن چوکور کاغذ کا ٹکڑا نظر آرہا تھا۔ جو انا کے کمرے کی کھڑکی تھی۔ آس پاس کی بارکوں میں جو لوگ سو رہے تھے ان کے خراٹوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ ودسرا عاطے کے باہر سنتری کے قدموں کی چاپ، اور زیادہ واضح ہوگئی تھی۔

شیاؤ منگ کے دماغ کے گوشے میں خیالات کے پرزے ٹوٹ پڑے تھے، اندرونی تصادم، اور کش مکش کی تکلیف سے اس کے سانس کی رفتار بھی ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ اسے خیال آیا کہ بیانگ زنگ چھوکرے نے اس کے معاملے میں کیسا ہتک آمیز اور تمسخر انگیز رویہ اختیار کر لیا تھا۔ لال بھبوکا اور چھوٹا بھائی لی ... اور دوست ژوگ جو ای کے ساتھ جاپان دشمن فوج میں شریک ہونے کے لئے آئے تھے، سب اس کے پرانے ساتھی اور بھائی کے برابر ہیں۔ مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان ایک قسم کی اجنبیت پیدا ہوگئی ہے، ایک ایسا فاصلہ حائل ہوگیا ہے، جس نے انھیں الگ کر دیا ہے اور ان تمام باتوں سے زیادہ ناقابل برداشت تو وہ من گڑھت قصے اور داستانیں ہیں جو فوج کے نوجوان، کم عمر آدمیوں نے انا کے بارے میں ایجاد کی ہیں اور جو کئی دنوں سے بارکوں میں گشت لگا رہی ہیں۔

" ارے اپنا دوست شیاؤ منگ! بڑے زور کا آدمی ہے، کام چلا لیتا ہے، ہے نا؟ "

" وہ جو اپنی ساتھی ہے نا، فوجی لڑکی، ان جیسے خوبصورت لڑکوں کو پسند کرتی ہے۔ ایک ہم ہیں مادر بخطا، ڈونگے جیسے بے ڈول چہرے

اگر ساری زندگی بھی اسی جاپانی دشمن لڑائی میں مرتے کھپتے رہیں، اور ہمارے ٹکڑے بھی اڑ جائیں تب بھی کوئی عورت ہم پر مرنے کو تیار نہیں ہوگی!"

"یہ جو لڑائی اور مقابلے کا معاملہ ہے، اپنا خیال تو یہ ہے کہ پرانے زمانے کی فوج کا سپاہی ہونا ہی بہتر تھا کہ پہلے فوجی چھاؤنی میں مزے کرو اور پھر اپنے گھروں میں مزے اڑاؤ۔ اور اگر وہ تم سے اچھا سلوک نہ کریں تو پھر لچکدار کوڑے سے ان کی خبر لو۔ یہ محبت وحبت کیا بلا ہے مادر بخطا؟ لے دے کے بس ایک ہی چیز نکلتی ہے کہ مردوں کو عورتیں ملنی چاہئیں، اور عورتوں کو مرد ملنے چاہئیں ۔ محبت کیا ہوتی ہے!"

"بہتر ہو اگر تم اپنی بات چیت اور تقریر میں پاکیزگی سے کام لینے کی کوشش کرو۔ دیکھتے ہو ہم لوگ انقلابی فوج کے، اس فوج کے سپاہی اتنے شائستہ تو ہونے ہی چاہئیں۔ کہ بدمعاش جاپانیوں کی سی گفتگو، یا ان کی سی حرکت نہ کریں!"

"اچھا یہ بات؟ یعنی انقلابی فوج میں رہ کر ہمیں انقلابی فوج کے آدمیوں کے سے کام کرنے چاہئیں، یہ؟ اگر یوں ہے تو پھر کامریڈ شیاؤ منگ کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟ کوریائی لڑکی سے عاشقی فرماتے رہنا، کیا انقلابی فوج کا تقاضا یہی ہے؛ محبت، فوج — واہ وا"

"جنرل تو سادہ لوح آدمی ہے ایسے ظاہر کرتا ہے جیسے نہ وہ کچھ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے!"

جب فوجی دیکھتے کہ شیاؤ منگ اتنا قریب کھڑا ہے کہ ہماری باتوں کی بھنک اس کے کانوں تک پہونچ جائے گی، تو وہ اس قسم کی گفتگو کیا کرتے تھے مگر بظاہر ان کا احترام وہ اسی طرح کئے جاتے تھے۔

وہ شخص جس نے آج تک اس قسم کا کوئی جملہ شیاؤ پر نہیں کسا۔ تو وہ تنہا فولادی شکرا تھا، وہ پتھر کے مجسمے کی طرح ہمیشہ سنگین اور وزنی بنا رہتا تھا۔ البتہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جب شیاؤ منگ سے فولادی شکرا تنہائی میں ملا تو اس نے بڑی گرمجوشی سے شیاؤ کا ہاتھ دبایا تھا۔

"کامریڈ شیاؤ! ہمارے دستے کے آدمی تمہارے اور ان کے متعلق کچھ نامناسب افواہیں پھیلاتے پھر رہے ہیں، ان کا یہ سلوک بے خبری، اور انجان پن کی وجہ سے ہے جس ماحول سے وہ نکل کر آئے ہیں۔ اس کی تمام غلاظتیں، ساری بیہودگیاں، اور اس کے تمام اثرات ان پر ابھی تک مسلط ہیں شیاؤ منگ، تم ان کی باتوں کو خیال میں مت لانا۔ مگر ہاں .... ذرا جذبات پر بھی قابو رکھنے کی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کی طرف سے جو فرائض ہم پر عاید ہوتے ہیں ان میں کہیں خلل نہ پڑے ــ اچھوہ، میں کوئی ناصح یا معترض نہیں ہوں مگر ذرا یاد تو کرو، بوائی تانگ کا کیا حشر ہوا .... کی کی بیوہ آج بھی دیوار کے اس پار جنگل میں سو رہی ہے ......"

"دوست فولادی شکرے، میں سمجھتا ہوں، صرف اتنی بات نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہمارا تمہارا تعلق ہے میں تمہاری عزت بڑے بھائی کی طرح کرتا ہوں ...... اس بات کو میں یاد رکھونگا اور تعمیل کرنے کی کوشش کرونگا"

ہزاروں بار اس نے دل میں سوچا کہ اپنے اوپر قابو تو رکھنا ہی چاہئے ہزاروں بار اس نے عہد کیا کہ آئندہ سے خود کو سنبھالنے کی انتہائی کوشش کریگا ــ مگر نتیجہ؟ وہ خوب جانتا تھا کہ جس ڈگر پر وہ لگتا چلا جا رہا ہے۔ یہ انجام کار غلط ثابت ہوگی۔ اس نے آسمانی امداد کی بارہا تمنا کی، دعائیں مانگیں۔ مگر ان سے

سوائے اس کے کچھ حاصل نہ ہوا کہ اس کی قوت ارادی اور کمزور ہوتی چلی گئی۔

"اَنّا" اس نے آہستگی سے یہ نام لیا، اور اس چوکور کاغذ پر نظر ڈالی جو کمرے کے اندر کی روشنی سے ابھی تک روشن ہو رہا تھا۔ دوسرا حاطے کے باہر سنتری کے قدموں کی ہموار آواز اب بھی اسی آہنگ کے ساتھ گونج رہی تھی۔ اس کی یکسانیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ رات کی سردی کی ... سکے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔

"انا" اب وہ روشن کھڑکی کے قریب آچکا تھا، دبی آواز سے انا کا نام لیتے ہوئے اس کے کھڑکی کے چوکھٹے کو کھٹکھٹایا۔ مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اور دوبارہ کھٹکھٹانے کی نہ ہی ہمت بھی جاتی رہی۔ اس نے سانس روک لیا۔ اندر سے انا کے کھانسنے کی آواز آئی۔ اس آواز سے پھر اُسے بولنے کا حوصلہ ہوا۔ مگر ساتھ ہی اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر اب کی بار انا نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ یہاں نہیں ٹھہرے گا۔

"انا، سوگئیں تم؟"

"نہیں، کون؟ شیاذمنگ؟"

"ہاں میں ہوں انا"

"اندر آنا ہے کیا؟" — اندر سے جو آواز آئی اس میں سرد مہری تھی، اور جذبات کا پتہ نہ تھا۔

اس آواز کو سن کر وہ کہہ سکتا تھا کہ انا اینٹوں کے فرش پر لیٹی ہے اور اور ایک لمحے کے لئے پھر اس کی قوت ارادی ڈگمگا گئی۔ اندر جاؤں، یا نہ جاؤں؟ جانے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ اب اندر گئے تو کل فوجی ساتھیوں میں اور زیادہ گندی اور بے ہودہ باتیں اچھلیں گی، اتنی نامعقول کہ اب تک نہ ہوئی ہوں گی۔ لیکن اگر

اسوقت نہیں ملتے تو صرف چند گھنٹے باقی رہ گئے ہیں، صبح ساڑھے پانچ بجے ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ ایک بار جدا ہونے کے بعد کون جانے پھر ملنا نصیب ہو بھی یا نہیں امن، سکون اور آزادی کے ساتھ پھر ملاقات بھی ہو گی، کیا خبر، اس کا کوئی یقین نہیں۔ کسی وقت بھی دونوں کو، یا دونوں میں سے ایک کو موت آسکتی ہے۔

" ہاں اناً مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں! زیادہ دیر تو نہیں ہو گئی، کل صبح تو تم جا رہی ہو؟"

" اچھی بات ہے۔ اندر چلے آؤ " شیاؤ کو اتنی مستعد رضامندی کی توقع نہیں تھی، اور وہ اس جواب کی بے لوث سادگی سے ہکا بکا رہ گیا۔

جن دروازوں سے اُسے اندر جانے کے لئے گزرنا تھا، ان پر چٹخنی لگی ہوئی نہیں تھی، بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے اس نے ایک ایک دروازہ کھولا اور اندر آکر پھر بھیڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ اناً کے کمرے میں داخل ہو گیا، اور کمرے کا دروازہ بھی اندر سے بند کر دیا۔

اناً اپنے اینٹوں کے فرش پر پیچھے کی طرف سہارا لئے ہوئے بیٹھی تھی۔ سر اس نے دیوار سے ٹکا رکھا تھا، اور دونوں ہاتھ پیچھے تک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے، اس کے برابر ایک نیچی میز پڑی تھی، جس پر لیمپ جل رہا تھا، اور لیمپ کے برابر پستول رکھا تھا، کمرے کے اندر ہر چیز بڑے سلیقے سے رکھی تھی، کمرے کے اندر گھستے ہی آئوڈین کی بھنک نے مہمان کا استقبال کیا۔

اناً جیسے بیٹھی تھی ویسے ہی بیٹھی رہی، مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے شیاؤ منگ کو ایک جگہ بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ گدی پر پیچھے لے جا کر پھر جوڑ لئے۔ اور ٹمٹماتے ہوئے لیمپ پر اس کی نظریں گڑ گئیں۔

"تم سب لوگ جانے کے لئے تیار ہو گئے ؟" اس کے سامنے فرش پر پہلی ڈاکٹری امداد کا سامان اور وہ ڈل وغیرہ کے بنڈل نہایت ڈھنگ سے ایک کے اوپر لیسے ہوئے رکھے تھے۔ وہ انھیں مشین کی طرح بے خیالی سے دیکھنے لگا۔ یہ سامان صبح ساتھ لیجانے کے لئے صاف اور تیار کر کے رکھا گیا تھا۔

"کوئی خاص تیاری تو کرنی نہیں تھی، عام طور پر کیمپ اٹھاتے وقت جو ہوا کرتا ہے۔ وہی اب بھی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں"

"تمہارے فائل کیا ہوئے ؟"

زیادہ تر تو جنرل کے دفتر میں ہیں۔ جنرل خود ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ فوجیوں کو لیکچر دینے کے لئے جو میں نوٹ تیار کرتی ہوں وہ، یا پروپیگنڈے کے جو پمفلٹ ہوتے ہیں۔ ان کی کاپیاں، یہ میری تحویل میں ہیں۔ ویسے بھی مجھے کسی قسم کی تحریروں اور دستاویزوں کی ضرورت کم ہی پڑتی ہے"

دونوں سمجھتے تھے کہ یہ جو باتیں ہو رہی ہیں بالکل بے معنی ہیں۔ لیکن اگر یہ فضول اور لغو باتیں نہ چھیڑی جاتیں تو اندیشہ تھا کہ دونوں طرف خاموشی کا اندھا غار حائل نہ ہو جائے۔ صرف خاموش بیٹھنا اور ایک دوسرے کا منہ تکتے رہنا بڑی ناگوار اور ناقابل برداشت بات تھی۔ تیا ڈمنگ کے سینے میں درد و کرب اور تلخی کا سیلاب پھر امنڈنے لگا۔ کیونکہ اسے پھر خیال آیا کہ آج شام کا ہی واقعہ ہے جب انا نے جنرل کے سامنے محبت توڑنے کا عہد کر ڈالا۔ اس تصور کے ساتھ وہ بستر پہ پھیلی ہوئی انا کو صرف تکتا رہا ـــــ دلِ خستہ اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔ انا بھی بے حس و حرکت ویسے ہی بیٹھی رہی۔ اور لیمپ پر اس کی نظریں گڑی رہیں۔ کمرے میں صرف ایک آواز گونج رہی تھی۔ سنتری کے بیڑ

تلے قدموں کی مسلسل آواز۔

"شیاؤ منگ، یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھ سے تمہیں کیا کہنا تھا، آخر مجھے تو معلوم ہونا چاہئے، یا صرف اپنے ایک ساتھی کو الوداع کہنے آئے ہو؟ بہرحال مقصد جو بھی ہو ٹھیک ہے ہمیں اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے سے جھجکنا نہیں چاہیئے۔"

"تم نے انا ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ تم محبت کرتی ہو۔ تو پھر آج رات جو تم نے جنرل سے کہا تھا تمہارا کیا وہی مطلب تھا؟ ــــ انا کیا واقعی تم اپنی محبت کو اس بے دردی سے ذبح کر سکتی ہو؟ میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ محبت کا سلوک مجھ سے ایسا ہوگا۔ اور وہ میری قوت ارادی کو اس طرح کاٹ ڈالے گی تم اسکا کیا سبب کیا توجیہہ بتا سکتی ہو۔ انا۔ میں نے پرانی قدیم کتابوں میں کہیں اتنے غم و اندوہ کا ذکر تک نہیں دیکھا، اور آج تک میں نے جتنی کہانیاں پڑھی ہیں۔ ان میں کہیں یہ نہیں پایا کہ ایک آدمی جس راہ پر جانا چاہتا ہے محبت نے اسکا اس طرح راستہ روک لیا ہو، اور فرض کی کٹھن راہ میں محبت براہ راست آکر کھڑی ہو گئی ہو، اک بار میں نے ایک ناول پڑھا۔ جس میں ایک آدمی کا قصہ تھا جسے محبت نے دیوانہ بنا دیا، اور آخر میں اس نے خودکشی کر لی۔ نہیں معلوم انا، کہیں ہمارے ساتھ بھی یہی تو نہیں ہونیوالا ہے۔ تمہارے ساتھ؟ میرے ساتھ؟ میں جانتا ہوں کہ تم غالبا یہ کہہ کر چھوٹ جاؤ گی کہ ہم لوگ جس مقصد کے لئے، اس پر میرا ایمان پختہ نہیں ہے، میرے جذبات آسانی سے ابل پڑتے ہیں، اور میں بات میں مغلوب ہو جاتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ انا میں تمہیں اس کے علاوہ اور کچھ بھی بتاتا ہوں جو مجھ پر دن بھر میں کوئی گھنٹہ ایسا نہیں گزرتا۔ جب میں اپنے کو سنبھالے رکھنے کے لئے سخت جدوجہد کرتا ہوں، میں نے اپنے تکان اور اضمحلال پر قابو پا لیا ہے، اور میں نے اس

راہ کی بہت سی دشواریوں پر قابو حاصل کر لیا ہے، مگر یہ محبت تمہاری محبت، یہ چیز ایسی ہے جس پر قابو نہ پا سکا، اور نہ اس پر قابو پا سکتا ہوں، تم مجھے بے پناہ یہ عزیز ہو، تم محبت کے قابل ہو، ساری کائنات کی ماں ہو تم، مجھے تم سے چاہ ہے، تم بالکل بے لوث اور پاک باطن ہو۔ اُف، وہ قربانیاں جو تم نے ہمارے مقصد کی خاطر کیں........ میں نے تمہیں دکھ پہونچایا ہے........ میں تمہارے راستے میں روک بن کر کھڑا ہو گیا .... تمہیں الجھن میں مبتلا کیا ..... یہ میں نے........"

شیاؤ منگ گھٹنوں پر جھک گیا، اس نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا، جیسے مسیح کا سادہ لوح عقیدت مند، اپنی محبت کے طوفان کیلئے حضرت مریم سے معافی کی بھیک مانگ رہا ہو۔

اُنا اُٹھ بیٹھی، اور اس نے حیرت زدگی، اور ہوشیاری، خبر اور بےخبری کے مشترک احساس کے ساتھ شیاؤ منگ کا سر اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا شیاؤ منگ کے آنسوؤں میں انا کی نرم و نازک انگلیاں تر ہو گئیں۔

"شیاؤ منگ" اس نے نہایت نرم آواز سے پکارا۔" اٹھو ذرا اپنی خبر لو، نہیں تو کل تمہیں شرمندہ ہونا پڑے گا۔ تمہاری انقلابی فوج کے کمانڈروں کا یہ طریقہ نہیں ہوا کرتا"

"انا..... یہ تو نہیں........ بس ایک بار مجھے بچے کی طرح چیخیں مار مار کر رونے دو........ اتنی راتوں میں سے صرف ایک رات مجھے چاہئے ....کہ میں اپنی فوج کا ڈسپلن بھول کر تمہارے قدموں میں سر جھکائے پڑا رہوں...... اگر یہ میرے مقصد کے لئے شرمناک ہے تو ہونے دو........ کل میں اپنی جان دے کر یہ کھوئی ہوئی عزت اور سعادت پھر سے خرید لوں گا... مگر آج کی رات...... انا صرف آج کی رات مجھے قدموں میں......"

لڑکی کی انگلیاں بے حس و حرکت ہوگئیں اور وہ بڑی سختی سے جھکے ہوئے سر کو پکڑے رہی، اُسے نہیں معلوم تھا کہ کس بلا کا درد اس کے دل میں اٹھ رہا ہے، اس کے جسم میں کیا شدید کرب سما گیا ہے، اُسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ اس کے دل میں پرجوگرم گرم آنسو ٹپک رہے ہیں۔ وہ اناّ کے آنسو ہیں، یا شیاؤ منگ کے۔

وہ بستر سے سرک آئی اور شیاؤ کو اس نے اپنے قریب کھینچا۔ اس کے لب دیوانہ وار شیاؤ منگ کے لبوں کی تلاش کر رہے تھے۔ ایک اندھی اور بے سبب مسرت کے ساتھ اناّ نے شیاؤ کے ہاتھوں کی ہاتھوں کی گرمی اپنے سینے پر محسوس کی، گلے پر جو بٹن لگے ہوئے تھے وہ نکل گئے اور ایک دم سے سینہ بٹنوں کی کش مکش سے آزاد ہو گیا۔ . . . . ہر اس چیز سے آزاد، جس نے آج تک اُسے الگ الگ دُور، دُور رکھا تھا۔ . . . . باہر کی ساری دنیا وجود سے عدم کی تاریکی میں پھلانگ گئی۔ . . . . کھڑکی کے باہر، کھڑکی پر لگے ہوئے کاغذوں کے باہر رات کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اور نہ جداگانہ نسل کا کوئی تصور تھا۔ کیونکہ اسوقت تو کش مکش میں مبتلا دو انسانی جسم ایک دوسرے سے ایسے گتھ گئے تھے کہ . . . . . شیاؤ کا جسم اناّ کے جسم کا ایک حصہ بن گیا تھا —— اور اناّ کا جسم شیاؤ کے بدن کا ایک جزو . . . . .

اس طوفان سے نکل کر جب وہ حقیقی دنیا میں پھر سے چونکے، جب انھوں نے اس کے حقیقی تضاد میں، دکھ درد، اور غم و مصائب کی اس حقیقت میں پھر سے آنکھ کھولی تو ہر چیز اتنی ہی نازک اور شدید تھی جتنی پہلے رہی ہوگی۔ اور جو گھیرا انھوں نے ڈال رکھا تھا وہ بھی پہلے کی طرح کسا ہوا تھا —— ہاں ایک تبدیلی ہوئی کہ ان کے دل کا بوجھ اور خطرناک حد تک بڑھ گیا۔

اناّ شیاؤ منگ کے بازوؤں میں ہلکی پھلکی پڑی تھی۔ اور اس نیم غنودگی

کی سی کیفیت طاری تھی۔ شیاؤ، انقلاب کے اس بچے کی شکل صورت اور جسم کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ دنیا کی نابرابری اور نامنصفانہ زندگی کے خلاف لڑنے کے لئے اور ایک غیر ملک کو اس مصیبت سے بچانے کے لئے جو خود اس کے وطن پر نازل ہو چکی تھی، اس لڑکی نے اپنا گھر بار چھوڑا، اپنا وطن چھوڑا۔ اور اب وہ ان طاقتوں کے تصادم میں پھنس گئی ہے، جو خود اس کی ذات سے زیادہ مضبوط، اس سے زیادہ گمبھیر اور گہری ہیں۔ وہ طاقتیں جو اس کے بیان سے باہر ہیں، جن طاقتوں کے کاری اور گہرے زخموں کا کوئی علاج یا چارہ کار نہیں ہو سکتا۔ یہ چہرہ کبھی ایک سرمایہ دار خاندان، ایک کھاتے پیتے دولتمند گھرانے کی خوبصورت، نازوں میں پلی ہوئی لڑکی کا نازک چہرہ تھا، اور آج اس پر تلخیوں کے نشانات ابھرے ہوئے ہیں۔ ناگوار حالات کی خراشیں پڑ گئی ہیں۔

"انا" شیاؤ منگ نے دبی آواز میں اُسے چونکانے کے لئے پکارا معلوم ہوتا تھا کہ انا نے آواز سنی ہے، مگر اس نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کی جواب دینے کے بجائے وہ گنگنانے لگی، اس کی آواز ناہموار، اور غم آلود تھی۔ جیسے ایک کم سن بچی کی ہوتی ہے۔

"میں اپنے چاہنے والے کے بازو چاہتی ہوں۔
اور اپنے عوام کی آزادی بھی
میری قوم اور نسل خاک میں ملا دی گئی۔
مگر وہ اٹھے گی، اور پھر اٹھے گی
غلاموں کو نہ محبت میسر ہے
اور نہ آزادی نصیب ہے
ہم ذرا یہ غلامی کے بندھن توڑ دیں

اور زنجیروں کے ٹکڑے اڑا دیں
تدا ہم آزاد ہو جائیں
(پھر دیکھیں) "

یہ گیت کوریا کا عوامی گیت تھا۔ شیاؤ منگ کی سمجھ میں نہیں آیا۔
انا نے کوریائی زبان اور کوریائی لہجے میں ہی گیت گایا۔

"انا یہ کیا ہے؟ کیا گا رہی ہو تم؟" مگر وہ بار بار نرمی سے آہستگی سے اپنا گیت دہراتی رہی، اور آنکھوں کے گوشوں میں آنسوؤں کے قطرے امنڈتے رہے آخر میں اس نے شیاؤ منگ کی خاطر اس کا چینی زبان میں دھیرے دھیرے ترجمہ کر دیا۔ اور غم و اندوہ کی شدت سے الفاظ اس کے گلے میں بھرا گئے۔

احاطے کے باہر اب سنتری کے قدموں کی آہٹ بند ہو چکی تھی۔ آگے پیچھے قدم مارنے کی دھپ دھپ رک گئی تھی۔ کیونکہ انا کی آواز نے سنتری کو حیرت میں ڈال دیا، اور اس نے قدم روک لئے، اتنی رات گئے وہ کیوں اور کیا گانے بیٹھی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ انا کے کمرے کی کھڑکی تک آیا، اور کھڑکی کی چوکھٹ سے منہ لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"کامریڈ، اب گانا بند کر دو۔ کیونکہ رات بہت بیت چکی ہے۔ کیمپ میں سب لوگ سوئے ہوئے ہیں، اور ہمیں کل صبح تڑکے کوچ کرنا ہے خیال ہے تمہیں؟"

انا اور شیاؤ منگ دونوں اپنی لاپرواہی کے ناگہانی احساس سے ایک دم چونک پڑے۔ اور دم بخود رہ گئے۔

اپنی آواز کو جس قدر کوشش سے وہ سنبھال سکتی تھی سنبھال کر اس نے کھڑکی کے باہر کھڑے ہوئے سنتری کو اس نے پکارا۔

"شکریہ، کامریڈ! میں اپنا سامان باندھ کر تیار کر رہی ہوں۔ بس ذرا دیر میں سارا کام ختم ہو جائے گا۔" وہ جواب کے انتظار میں کھڑی ہو گئی۔ اور جو پیشانی پر بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے انھیں ہاتھ سے پیچھے ہٹا کر درست کرنے لگی۔ سنتری بغیر جواب دیئے وہاں سے ہٹ گیا۔ اور ذرا دیر میں اس نے پھر قدم مارنے شروع کئے۔ اور قدموں کی لگاتار چاپ پھر اسی طریقے سے سنائی دینے لگی۔

"بتا سکتی ہو یہ کس کی آواز تھی؟" انا نے دہشت زدہ دبے ہوئے لہجے میں شیاؤ سے پوچھا۔ اس نے شیاؤمگ کو دیکھا، جو گھبراہٹ اور اضطراب سے اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کو مروڑ رہا تھا۔ اور کانا پھوسی کے انداز میں اس نے جواب دیا۔ "کمپنی نمبر ۲ کا چھوٹا بھائی کی معلوم ہوتا تھا۔"

"کیا یہ بھی تمہارے ساتھ یہیں عقبی دستے میں رہے گا؟"

"ہاں۔ ہم دونوں پرانی فوج میں تھے، اسے چھوڑ کر اس نئی فوج میں شریک ہونے کے لئے ایک ساتھ ہم دونوں نکلے۔ جتنا ایک آدمی ہو سکتا ہے اتنا ہی یہ شخص بہادر، دلیر، ایماندار اور پکا ہے۔"

"کیا لیانگ زنگ بھی تمہارے ہی دستے میں رہیگا؟"

"ہاں وہ بھی اسی میں ہے۔" شیاؤمنگ کو ایسے آدمی کا نام لیتے ہوئے جھجک معلوم ہوتی تھی جس نے اس کے بارے میں اس قدر ناگوار، اور بے ہودہ باتیں پھیلائیں۔ پھر بھی اس نے اتنا کہہ ڈالا "بڑا مکار اور بدمعاش ہے وہ، اس نے میرے اور تمہارے بارے میں نہ جانے کتنی گندی باتیں پھیلائی ہیں، اس نے ایسے برے خیالات پھیلا دیئے ہیں کہ اب ہر آدمی مجھ سے کترانے لگا ہے۔ لی کو دیکھو میری اس کی بڑی گہری دوستی تھی، مگر اب دونوں میں سرد مہری، اور بے رخی ہے اب وہ بات بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے دل میں وہی باتیں جمی ہوئی ہیں۔"

"یہ تو قدرتی بات ہے۔ ہم نے راستہ ہی ایسا اختیار کیا ہے جس سے فوجی ساتھیوں میں غلط فہمی پیدا ہونا ضروری ہے"

انا پھر اپنے بستر پہ پھیل گئی تھی، اور کرموسے تیل کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں اس کے نوجوان جسم کے نرم ونازک خطوط، اس کی نوخیزی کا ابھار، اور سینے کے نوکیلے سرے ابھر آئے تھے۔ شیاؤ منگ کے دل کا چور پھر نکلا، اور پھر وہ ایک بار ٹوٹ پڑا، ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک روندتا چلا گیا۔ اور ساری کائنات پر چھا گیا........

صبح تڑکے کے قریب شیاؤ منگ انا کے پاس سے ہٹا۔ دونوں نے خوب جی بھر کر ایک دوسرے کو دیر تک پیار کیا، خوب خوب بھینچا.... سسکیاں بھریں، اور اچھی طرح گلے لگا لگا کر کل کی جدائی کے لئے خود کو تیار کیا۔

ایک مسلسل لمبی قطار میں فوجیوں نے مارچ شروع کر دیا۔ فوج کا پرچم آگے آگے لہراتا جا رہا تھا، اور فوجی فخر و ناز سے اپنی ٹوپیاں ہلا ہلا کر ان ساتھیوں کو اشارہ کر رہے تھے جو انھوں نے رخصت کرنے کے لئے کھڑے تھے، مختلف آوازوں میں وہ مختلف باتیں پکارتے جا رہے تھے۔ لیکن سب کے لبوں پر ایک آواز مشترک تھی۔

"بھائیو، ہم لوگ چل دیئے، اب اگلی لڑائی ہمیں لڑنا ہے"

رہے وہ لوگ جو کھچیوں کے بستر اور اسٹریچروں پہ زخمی پڑے تھے ان میں جوش و خروش دکھانے کی قوت کہاں تھی۔ البتہ انھوں نے سر موڑ موڑ کر اس امید میں جانے والوں کو دیکھا، کہ دوستو، تم تو جا رہے ہو مگر ہم بھی عنقریب میدان جنگ میں اترنے کے قابل ہو جائیں گے، اور ان کے دل نے خود انھیں

جواب دیا۔

" زیادہ مت اکڑو۔ کچھ دن اور ہیں، ہم بھی تمہاری طرح ٹھیک ٹھاک ہو جائیں گے۔ اگر سچ مچ کوئی بڑی لڑائی آنے والی ہے، تو ہم پر چھوڑ دو۔ ہم خود لڑ لیں گے "

شیاؤ منگ سڑک کے نکڑ پر سپاہی کی طرح تنا ہوا کھڑا رہا۔ اس کے آدمی گزرتے گئے اور اس کی طرف ہاتھ ہلا ہلا کر اشارہ کرتے گئے۔ اسے محسوس ہوا کہ جو لوگ نئے نئے بھرتی ہوئے ہیں یعنی سن کے دونوں بیٹے، ان میں بھی کیسے منجھے ہوئے پرانے سپاہیوں اور پکے فوجیوں کے سے انداز آگئے ہیں۔ اس ذیانگ زنگ کو دیکھا، جس کے چہرے پر اب بھی لونڈوں کی سی شرارت برس رہی تھی۔ اس نے چلتے چلتے، اپنے ہونٹوں سے سیٹی بجائی۔ اور اپنے کاندھے کے پیچھے انگوٹھے کو جھٹکا دیا، جس سے اپنے افسر کو یہ اشارہ کرنا مقصود تھا کہ اتا بھی ہماری ساتھ پیچھے پیچھے آ رہی ہے، پورے دستوں میں کوئی دو آدمی بالکل ایک جیسے نہیں تھے لیکن ان میں سے اکثر کے انداز سے ٹپک رہا تھا کہ وہ کس قسم کی پُر مسرت زندگی گذار رہے ہیں۔ سب دُبلے ہو رہے تھے، اور چہرے زرد پڑے تھے۔ مگر اس پر بھی مسکرائے جاتے تھے، سب کو خوشی تھی کہ پھر کوچ کی باری آئی۔ کمپنی کی کمانڈروں میں سے ہر ایک نے ان سے ہاتھ ملایا۔ اور آپس میں دو، چار رخصتی جملے بھی ہو گئے۔

فولادی مشکرا جس کا پستول پھر کمر میں آویزاں تھا، اپنی باری پر سامنے آیا، اس نے شیاؤ منگ کا ہاتھ بڑی گرمجوشی سے دبایا اور تپاک سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہنے لگا:

کامریڈ شیاؤ! میں پھر کہتا ہوں، ذرا ہوشیار رہنا، ہر چیز چھوڑ دینا، مگر

اپنے دماغ سے رنامت چھوڑ دینا۔ یہ بات یقینی ہے کہ جاپانی اس جگہ کے لئے پورا زور لگادیں گے، ان کے آنے میں زیادہ دیر نہیں ہے" یہ کہہ کر اس نے شیاؤ کا ہاتھ چھوڑ دیا، ہاتھ چھوڑنے کے بعد وہ ایک لمحے اس کے سامنے رُکا، اس کی آنکھوں سے محبت اور اس کی گرمی ٹپک رہی تھی، شیاؤ منگ نے صرف ایک مختصر سے جملے میں اسکی بات کا جواب دیا۔

"فولادی شکرے میں زندگی کے آخری لمحے تک تمہارا احترام کرتا رہوں گا۔"

فولادی شکرا مڑا، اور بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہوا اپنی کمپنی کے پیچھے چلا گیا، دستے کے آخر میں، جب سارے فوجی لانگا کر گذر گئے تو چن چُو اور انا آئے ان کے ساتھ کئی آدمی فائل اور کاغذات وغیرہ اٹھائے ہوئے آئے۔

"کیپٹن شیاؤ! تمہارے لئے جو کاغذات میں چھوڑے جا رہا ہوں انہیں تمھیں حرکت کرنے کا سارا منصوبہ مکمل ملے گا۔ دس دن ابھی یہیں ٹھہرو۔ اتنے دن میں یہ لوگ بھی سفر کرنے کے قابل ہوجائیں گے، اس کے بعد اس نقشے پر عمل کرنا جو میں نے تمھیں دیا ہے، اس کے مطابق سفر کرو گے تو تنگ آن پہونچ جاؤ گے۔ اور وہیں تمھیں باقی لوگ مل جائیں گے۔" انا کی طرف رخ کر کے جنرل نے پوچھا "تمھیں کیا شیاؤ منگ سے کچھ کہنا ہے؟"

انا بالکل پرسکون اور خاموش تھی۔ ایک لمبا چوڑا تھیلا، یا زنبیل جس میں اس کے لکھنے پڑھنے کا سامان، مرہم پٹی اور نہ جانے کیا کیا بھرا ہوا ہوگا، اسکی پشت پر لٹکا ہوا تھا، اور بازو میں اس نے پستول آویزاں کر لیا تھا۔ جیسے عام طور پر سپاہی سفر کے وقت لٹکا لیا کرتے ہیں۔ انا بالکل خاموش رہی، مگر اپنے سوچے ہوئے پپوٹوں کو، اور اپنے چہرے کی دمک کو نہ چھپا سکی۔

"ہیں؟" اس نے نیاؤ منگ کی طرف ترس بھری اور تلخی آمیز نظروں سے دیکھا، وہ نیاؤ کو دل سے چاہتی تھی، مگر اس نے نفرت بھی تو کرنی تھی۔ دوسرا لفظ اسکی زبان سے نہیں نکلا، وہ مڑی اور چل دی۔

چن چو ذرا مسکرایا۔ اس نے نیاؤ سے بہت گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور ہاتھ ملاتے وقت، اسے خود بخود بے جان اور سرد ہونے کا احساس ہوا، مگر اس نے سوائے تبسّم کے کسی اور چیز کا اظہار نہیں کیا، ایک ہاتھ اپنی پیٹی میں ڈال کر دوسرے ہاتھ سے اس نے دھوپ میں لگانے کا چھجے دار ہیٹ اتارا۔ اور گنجے سر کو جھنگلیا کر کھجایا۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ اتا کے پیچھے پیچھے چل دیا — چلتے ہوئے اس کے تانبے جیسے سر پر صبح تڑکے کی ہلکی ہلکی روشنی جھلملا رہی تھی۔

اب سوائے سناٹے کے کچھ نہیں تھا، سورج نے اپنے ابھرنے کی پہلی ڈگر صاف کر لی تھی۔ اور اب بلندی پر نمودار ہونے والا تھا۔ چوٹی کی بیرونی چوکی پر فوج کا جھنڈا لہرا رہا تھا، نیاؤ منگ کھویا ہوا اور بدحواس سا کھڑا تھا، اب فوجوں کے قدم کی آواز، اور انکا نشان بھی نگاہ سے اوجھل ہو چکا تھا۔ .... وہ انھیں دور تک گزرتا ہوا دیکھتا رہا، اتا کی آنکھوں کا منظر دیکھتا رہا ...... جنرل کی مسکراہٹ اس کی چشم تصور میں مچلتی رہی ...... فوجیوں کے بدتمیزی سے ہنستے ہوئے دانت اسے نظر آتے رہے ...... یانگ زنگ کا جھنپانے والا مکارانہ اشارہ ..... فولادی ننکرے کی گہری دوستی کا اظہار .... اور کوچ کرتے ہوئے دستے کے آگے آگے لہراتا ہوا روشن پرچم .... یہ سب چیزیں اس کے دماغ میں غوطے لگا رہی تھیں .... تصور کی آنکھوں میں بار بار اتر آتی تھیں .... ایک نقش ابھرا، مٹ گیا۔ دوسرا نقش ابھر آیا۔ یکے بعد دیگرے ہر تصویر چکر لگا رہی تھی۔

وہ احاطے کی طرف واپس ہوا۔ سارے احاطے پر ایک خلا، اور سناٹا طاری تھا، کمروں میں قہقہے اب نہیں گونج رہے تھے...... نہ سپاہیوں کی چھیڑ خانی اور جملہ بازی سنائی دیتی تھی۔ جس کمرے میں انا رہتی تھی، اس کی کھڑکی کے چوکور کاغذ کا منظر تیر کی طرح تسیاؤ کے دل پر لگا۔ ابھی کچھ گھنٹے پہلے وہ یہیں کھڑا ہوا انا کو پکار رہا تھا — انا، انا۔۔

وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتا رہا۔ خالی کارتوس، بیکار کلپ، اور پھٹے ہوئے جوتے، جن کے تلے بھی نکل چکے تھے، جا بجا بکھرے پڑے تھے، دیواروں پر جگہ جگہ سپاہیوں نے مذاقیہ جملے، اور جو نعرے اپنی سنگینوں، اور چاقوؤں سے کندہ کئے ہوں گے۔ چمک رہے تھے۔ انھیں کے ساتھ فحش قسم کے خاکے، اور گندی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ کسی نے گندے قسم کا شعر لکھ دیا تھا، شیاؤ نے پڑھا تو ہنس نہ سکا، اور انا کا تذکرہ نکل آیا۔ وہ بسورتی ہوئی شکل سے مسکرایا، اور اس جملے کو دیوار سے چھیلنے لگا۔ مگر پھر سوچا چھیل کر کیا ہوگا، جانے دو اس سے کچھ حاصل نہیں۔

ساری جگہ سپاہیوں نے جانے سے پہلے جان بوجھ کر گندی اور خراب کر دی تھی۔ کاغذی کھڑکیوں پر بلاوجہ بڑے بڑے چھید کر دیئے تھے۔ ہوا چلی تو پھٹے ہوئے کاغذ پھڑپھڑانے لگے۔ اور شیاؤ کے خیالات کے بھنور سے ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا ہو گئی، بڑے بڑے اعلیٰ درجہ کے گل دستوں کی جوڑی، اور نہایت ہی حسین اور نازک چینی برتنوں کو توڑ کر کرچیں کرچیں کر دیا گیا تھا۔ ایک کمرے کے فرش پر عورتوں کی ضرورت اور آرائش وغیرہ کے سامان کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ پاوڈر اور سرخی جا بجا بکھری پڑی تھی، اور سارے کمرے میں سامان کی تباہی نظر آتی تھی۔

نہ جانے یہ لوگ اس قسم کی حرکتیں کیوں کرتے ہیں؟ شیاؤ منگ نے آہ بھری کہ ہمارے سپاہیوں میں اتنا ڈسپلن، اتنی معقولیت، اور ایسی تربیت بھی نصیب نہیں جس کی بدولت وہ اس احمقانہ تباہ کاری کی جرات کر ڈالتے ہیں۔ اس کو دیکھتے ہی اسے ایک دم وہ تصادم وہ ذہنی ٹکراؤ یاد آگیا جب جنرل چن چو نے اسے حکم دیا تھا کہ وانگ خاندان کے چھوٹے سرکار اور اس کی بیوی کو گولی سے اڑا دو، اور وہ کشمکش میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ وہ لوگ غدار تھے، اور اس زبردست دولتمند جاگیردار خاندان کے چشم و چراغ تھے، جس نے عوام کو جاپانیوں کے ہاتھ فروخت کرکے ان کی نفرت اور غصے کا انبار جمع کر لیا تھا، مگر پھر بھی اسے ان پر رحم آیا، اس نے سوچا کہ انھیں پھانسی دینے، یا جان سے مار ڈالنے کی ضرورت نہیں، اور یہ انتہائی سخت کارروائی ہوگی، وانگ کے طبقے اور اس کے دولتمند خاندان سے عام لوگوں کو جو شدید نفرت تھی، شیاؤ کو اتنی نفرت نہیں تھی۔ اور اسکی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی، کہ جو لوگ عوام میں سے آئے ہیں ان کی کڑی نفرت انھیں کس حد تک لے جا سکتی ہے، ان کے غیض و غضب کی جو اصل دکھتی ہوئی رگ تھی، اور جس سے وہ اتنے مجبور تھے کہ بے جان و بے معنی چیزوں پر برس پڑتے۔ اس تک شیاؤ منگ کی انگلیاں نہیں پہونچ سکتی تھیں

لال بھبھوکا احاطے کے اندر ایک لکڑی کی میز پر بیٹھا ہوا بے تکلفی کے پائپ کے پائپ کے کش پر کش اڑا رہا تھا۔ چھٹی پہ وہ ابھی ابھی سنتری کی ڈیوٹی پوری کرکے آیا تھا۔ وہیں سے اس نے جنرل چن چو اور ساتھی فوجیوں کو کوچ کرتے دیکھا ایک لمبی مسلسل اور بے جھول قطار، جیسے ہزاروں پیر والا اژدہا، پہاڑی پہ دھیرے دھیرے رینگ رہا ہو، جو لوگ لال بھبھوکا کے ساتھ پہرے پر کھڑے تھے انھوں اس کی کمر پہ دھپ رسید کیا، اور کہا۔

"کہو۔ ان لوگوں کے ساتھ کوچ کرنا کیا رہے گا؟ اچھی بات ہے نا؟ نئی جگہ جانا جہاں بندوق استعمال کرنے کا موقع ملے۔ بندوقوں کا زنگ ہی صاف ہو جائے۔ دیکھو! دیکھتے ہو یہ لوگ ہمیں یہیں چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں کہ جاپانی آئیں اور مرغی کے انڈوں کی طرح ہمیں ہضم کر جائیں"

"ہر جگہ یہی صورت ہو گی" لال بھبوکا نے اپنا رخ بدلے بغیر جواب دیا اس کی نظریں رخصت ہوتے ہوئے سپاہیوں کے دستے پر جمی رہیں۔ ان فوجیوں کے پیچھے لگی رہیں جن کا ایک حصہ پہاڑیوں میں اوجھل ہو چکا تھا۔

"اُنہوہ ——— وہ صورت ہو یا نہ ہو۔ کون ہے جو جنگ کی صفوں میں جانا پسند نہ کریگا، کوئی شخص بھی نہیں چاہے گا کہ اُسے زمین کے ایک بے روح مقام پر گاڑ کر بٹھا دیا جائے۔ پرانی فوج میں یہی مصیبت تھی کہ لڑنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا اور جب کبھی بندوق استعمال کرنے کا موقع ملتا تو بس مزے آ جاتے۔ اور اب تو ہم مقابلے کی فوج کی فوج میں آ چکے ہیں. . . . . . لیکن اگر بندوق کام میں لانے کا بھی موقع نہیں ملتا تو یہاں آنا کس کام کا؟ بھلا بتاؤ ہم کہاں اور کس کا مقابلہ کر رہے ہیں؟ ہمارے جنرل کو دیکھو۔ اُسے صرف ایک ترکیب سوجھتی ہے کہ بھاگ کیسے جائے؟"

چیچک زدہ چنگ نے سنا تو اس صورت حال سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے نتھنوں سے ایک خاص قسم کی آواز نکالی، اور اسی طرح خرخراتا رہا۔ ہر شخص اسے سات داغی کہہ کر پکارتا تھا کیونکہ اس کے چہرے پر چیچک کے نشان بھرے ہوئے تھے۔ اپنے باتونی اور شیطان پن میں وہ کافی نامور اور مشہور آدمی تھا۔ لال بھبوکا نے اسوقت کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ خود اپنے ہی خاموش تصورات میں ڈوب گیا اور اسوقت جب شیاؤ منگ احاطے میں داخل ہوا تو اس نے بڑھ کر فوجی سلام

سلام کیا۔

"آیئے ___ اِدھر بیٹھ جایئے آپ کا مریڈ شیاؤ منگ" لال بھبوکا نے اپنی بنچ پر سرکتے ہوئے اور شیاؤ کے لئے جگہ نکالتے ہوئے کہا۔ درحقیقت بنچ کافی لانبی چوڑی تھی۔ اور سرکنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی، مگر اس طرح سرک کر لال بھبوکا اپنی طرف سے دوستانہ دعوت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شیاؤ کی طرف سے بنچ کو ہاتھ سے جھاڑ پونچھ بھی دیا۔

"تمہارا پہرہ بدل گیا؟" شیاؤ نے لال بھبوکا کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا، وہ بنچ پر بیٹھا نہیں بلکہ یونہی تنا کھڑا رہا۔ پائپ سے تمباکو کی خوشبو اڑ رہی تھی۔ وہ یہ خوشبو سونگھ رہا تھا۔ اور کھوئے ہوئے انداز میں احاطے کے اندر ادھر اُدھر نظریں گھما رہا تھا۔ اس نے تمباکو کی مہک کا ایک لمبا سانس لیا اور کہا:

"تمہارا یہ تمباکو بڑا اعلیٰ درجے کا ہے"

"قدرتی طور پر یہ ہے مناسب" لال بھبوکا نے پیوند لگایا۔

"یہ کیسا ہے۔ کہاں سے ہاتھ آ گیا۔؟ وانگ والے گاؤں سے؟"

"وہ جو میں وانگ والے گاؤں سے لایا تھا، وہ تو کبھی کا خاکستر ہو چکا، یہ تمباکو تو مجھے تحفے میں ملا ہے"

"تحفہ؟ کیا معنی! کیا تمہیں تحفہ دینے والے ابھی تک یہاں موجود ہیں؟"

"ہمیں نے یہ تحفہ دیا، بہت دیا"

"بہت؟ ___ ارے یہ کون ہے۔ کچھ تو بتاؤ۔ ایسا دوست کہاں سے نکل آیا؟"

"میرا وہ دوست اصل میں جاپانی گنڈ تیلیوں کا بڑا گہرا دوست تھا۔ جنرل نے اُسے گولی سے اڑوادیا"۔ لال بھبھوکا ذرا بھی نہیں مسکرایا، بلکہ اس کے برعکس اس نے اظہار افسوس کی سی شکل بنائی۔

"واہ کیا آدمی ہو تم بھی" شیاؤمنگ نے لال بھبھوکا کو کبھی ایسے دل لگی کے روپ میں نہیں دیکھا تھا۔ احاطے کے اندر رفتہ رفتہ لوگوں کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ زخمی اپنی کھپچیوں اور تختیوں سمیت ایک دوسرے سے لگ کر سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے کپڑے اتارے، اور ان میں جوئیں بیننے لگے۔ جہاں کہیں جوں ملی اسے پکڑا، سیڑھی پر رکھا، اور پتھر سے پیس ڈالا۔

دھوپ کی گرمی سے ان کی آنکھوں میں نیند آنے لگی۔ درختوں میں، اور ٹائل لگی ہوئی چھتوں کے کونوں میں جابجا چڑیاں اور گوریائیں اڑ رہی تھیں۔ شیاؤمنگ متاکو کی مزید کہانی سننے کے لئے لال بھبھوکا کے پاس بیٹھ گیا، یہاں سات داغی کی آواز آرہی تھی۔ جو سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے زخمیوں سے زور، زور سے باتیں بنا رہا تھا۔

"سچ کہتا ہوں! تم لوگ ذرا جلدی سے تیار ہو جاؤ، اور ان کھپچیوں اور تختیوں کو نکال کر پھینک دو۔ جب تک یہ نہیں ہوتا، اسوقت تک کوئی آدمی یہاں سے سرک نہیں سکتا، بس ذرا تم لوگ اس آفت سے چھٹکارا پالو، اور ٹھیک ہو جاؤ، پھر ہم سب یہاں سے چلتے ہیں، اور تنگ آن کی طرف ہمارا کوچ ہوتا ہے۔ دیکھتے رہو، راستے میں کسان ہمارا کیا شاندار استقبال کرتے ہیں! دیہات میں مکانات کے دروازوں پر لال پھریرے نظر آئیں گے، آتشبازیاں چھوڑی جائیں گی۔ اور یہ بھی کہ سؤر ہماری خاطر ذبح کئے جائیں گے....... یہ لوگ ہماری ایسی ضیافت کرتے ہیں جیسے خون کے رشتے سے ہم ان کے سگے بھائی ہیں۔ قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ان کا بچہ بچہ.....

بلکہ شیر خوار بچہ بھی ہمیں ایسے ہی سمجھتا ہے۔ .... اور عورتیں ہمیں دیکھتی ہیں تو ہماری مہمانی کے لئے وہ انڈے نکال کر دستر خوان پر لے آتی ہیں، جو انھوں نے اپنے گھر کے لئے جمع کر کر کے رکھے تھے .... معلوم ہے مجھیں ــــ عورتیں یہ کرتی ہیں کہ جاپانیوں کی نظر سے بچانے کے لئے انڈے ایک بڑے برتن میں رکھ کر زمین کے نیچے چھپا دیتی ہیں .... جاپانی کھو یاڈاکو ..... مگر جہاں ہم لوگ نظر آئے، وہ اپنے دفینے کھود کر نکال لیتی ہیں۔ اور جناب کیا پوچھتے ہیں آپ، ہمیں زبردستی ٹھونس ٹھونس کر انڈے کھلائے جاتے ہیں .... کہتی ہیں ــــ بس کھائے چلے جاؤ۔ دیکھو بچانا مت ـــــ اگر تم نے چھوڑے تو یہ یونہی پڑے رہ جائیں گے۔ اور ان بدمعاشوں کے ہاتھ آئیں گے۔ تم کھاؤ انڈے میں طاقت بہت ہوتی ہے، اور جاپانی سپاہیوں کو مارنے کے لئے تمھیں زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ دیکھو انڈے چھوڑنا مت۔ اگر چھوڑ دیئے تو بتاؤ ہم لوگوں کو کامیابی، اور خوشحالی کا دن دیکھنا کیسے نصیب ہوگا؟ وہ لوگ جب گاؤں میں گھستے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ڈاکوؤں کا خاتمہ کرنے آئے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو وہ جیتے جی ہماری کھال کھینچ لیتے ہیں،

" ساتھیو! ذرا ان چہروں کا تصور کرو جو ہمیں یہ چیزیں دیتے ہیں جب میں چوتھی فوج میں تھا تو ہمیں بھی اس علاقے سے گذرنا پڑا تھا، اور راستہ وہی تھا جس کا ذکر ہو رہا ہے .... مگر کسے معلوم کہ اب کی بار کیا صورت ہوگی۔ ایک بات یقینی ہے کہ جو راستہ بھی ہو بہر حال وہ پہلے سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔ اور نہ اسکی بہ نسبت بہت زیادہ بہتر ہوگا، ادھر کاشتکاروں کو یہ بھی معلوم ہے کہ آزادی کا مطلب کیا ہوگا، اور وہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری فوج کے اغراض و مقاصد اور اس کے بنیادی تقاضے تک جانتے پہچانتے ہیں "۔

احاطے میں ہر آدمی نے زور سے قہقہہ لگایا، خاص طور سے حبیب اللہ داغی،

نے آخری جملہ فرمایا کہ " ہماری فوج کے اغراض و مقاصد بھی ..... " کچھ عرصہ پہلے جب انہیں لکھنا پڑھنا سکھا رہی تھی تو اس نے یہ لفظ " اغراض و مقاصد " مثال کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اسوقت ان لوگوں میں سے کوئی بھی اس لفظ کا پورا مفہوم نہ سمجھ سکا تھا اور انہوں نے اسکا مطلب خاص طور سے بتایا تھا، مگر اسوقت سات داغی بڑی توجہ سے سبق سن رہا تھا اور اپنی ساری ہستی، اور تیزی کا زور اسی سبق پر لگائے ہوئے بیٹھا تھا، اور اب وہ اپنی گردن اوپر کو نکالے ہوئے اس طرح فخر و غرور سے اکڑا ہوا تھا، جیسے اسکول کا ماسٹر ہوتا ہے۔ انقلاب کے نظریات، باریکیوں، اور مسائل کے عالم کی ساری ذمہ داری، اور سارا وزن گویا اس نے خود اٹھا لیا تھا۔

سات داغی برابر باتیں بنا رہا تھا، ان باتوں کا نہ کوئی اور تھا نہ چھور ذرا دیر میں اس نے گننا شروع کر دیا کہ جاپانی سپاہ خانے کی طرف سے نوجوان چینی کسانوں کے کٹے ہوئے سر جو نمائش کے طور پر دکھائے گئے تھے، وہ اس نے کیسے دیکھے تھے۔ اور پھر اسکا ذکر لے بیٹھا کہ جاپانی سپاہی کبھی کبھی جب انقلابی فوج کے آدمیوں کو پکڑتے ہیں تو انہیں درختوں میں کیلوں سے گاڑ دیتے ہیں، انکی زبانیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور ایک دم سے ہلاک نہیں کرتے، اور پھر عورتوں کی بات چھڑ گئی کہ چینی عورتوں کو پکڑ کے پہلے تو انھوں نے زنا بالجبر کیا۔ اور پھر ان کے پستان کاٹ ڈالے ......

شیا ڈمنگ اور لال بھبھوکا نے اس گفتگو کو بس یہیں تک سنا۔ اور پھر ان دونوں نے تمباکو کی بات شروع کر دی۔

" ابھی میں کم عمر بچہ ہی تھا کہ میں نے دھواں نکالنا شروع کر دیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے چلنا پھرنا ہی سیکھا ہوگا کہ جب میری ماں نے مجھے اپنے ہاتھ سے پتیاں جمانا سکھا دیا۔ تمباکو البتہ ایک چیز ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں

مگر اسمیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ کیوں سہی نا؟ جبتک سبز ہوتے ہیں خوب بڑے بڑے اور بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں دیدہ زیب معلوم ہوتے ہیں ایسے کہ آپ اپنے ہاتھ سے رگڑنا، اور مسلنا پسند نہ کریں، تنے ہوئے چکنے چکنے پتے جن میں ذرا ذرا جھلاہٹ بھی ہوتی ہے

ایک دم سے تمباکو کے پتے نہیں کاٹے جاتے، بالکل باری باری سے کٹتے ہیں۔ پہلی بار جو تمباکو کٹتا ہے وہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ اس کے تمام پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں، میرے باپ کو ان پتوں کا اتنا خیال رہتا تھا کہ خود میرا بھی اتنا بھی خیال نہ رہتا ہوگا۔ کیا مجال جو ذرا میں ان پتوں کو چھیڑ دوں۔ میری عمر چھ برس کی ہو گی جب میں نے تمباکو پینا سیکھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں کس طرح سب کی نظریں بچا کر تمبا کو کش لیا کرتا تھا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ میرا باپ تمباکو بوتا تھا، مگر خود وہ تمباکو نہیں پیتا تھا۔ ماں کا طریقہ اور تھا۔ وہ خود تو تمباکو پیتی تھی، مگر ہم بچوں میں سے کسی کو نہیں پینے دیتی تھی۔ جب تمباکو کٹ چکتا تھا تو سب کے آخر میں وہ اپنے گھریلو استعمال کے لیے تمباکو کاٹتی تھی۔ اور یہ بھی خوب ہوتا تھا کیونکہ اس میں کاٹ کباڑ، اور بچی کھچی پتیوں کا چورا مل جاتا تھا ـــــ اعلیٰ درجہ کا تمباکو تو ہمیشہ بکنے چلا جاتا تھا۔۔۔۔۔۔۔"

لال بھبھو کا خاموش ہوگیا، اور اپنے پائپ کے سرے سے زمین کو کھٹکھٹاتا رہا، اسکا سر جھکا ہوا تھا، ذرا دیر بعد اس نے سر اٹھایا، اور دیر تک آسمان کی طرف دیکھتا رہا ـــــ اسوقت اسکے دماغ پر خود اس کی زندگی۔ اسی کا ماضی چھایا ہوا تھا۔

"اوفوہ! مجھے تمباکو پیتے پیتے تیس برس گذر گئے۔ اور سچ پوچھو تو اب کی پہلی بار مجھے اعلیٰ درجہ کا تمباکو نصیب ہوا ہے، پہلی دفعہ میں نے مزا چکھا

کہ عمدہ تمباکو کیا ہوتا ہے ..... "اس کا سارا وجود ایک آہ سرد بھرنا چاہتا تھا، "اگر آپ کے پاس دولت ہے تو چاہے آپ تمباکو کا ایک پودا بھی نہ لگائیں، آپ کو اعلیٰ سے اعلیٰ تمباکو مل جائے گا۔ تمباکو کی کاشت کی دردسری، یا کچھ کرنے دھرنے کی مصیبت اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو چاہئے وہ آپ کو ملیگا۔ اور بہتر سے بہتر مال ملیگا۔! میں سمجھتا ہوں کہ یہی ہے وہ نابرابری، عدم مساوات، جسکا ذکر انا بار بار کیا کرتی ہے۔ ہے نا شیاؤ منگ؟" شیاؤ منگ کے جواب یا کسی جملے کا انتظار کئے بغیر وہ اپنی بات کہتا رہا۔ "سچ بات ہے ـــ دنیا میں بہت کچھ پڑا ہے، اور بہت کچھ میسر ہو سکتا ہے، ایسا اعلیٰ درجہ کا تمباکو ایک بڑے سے صندوق میں بھرا ہوا تھا، اسمیں سے کچھ ایسا ہے جو شاید دس برس سے ایسے ہی رکھا ہوگا۔ اتنے عرصہ تک یونہی ذخیرے میں پڑا رہا۔ مگر اب تک بہت عمدہ اور مزیدار ہے۔"

اس نے ایک کمرے کی طرف شیاؤ منگ کو اشارہ کیا، اس کمرے کا دروازہ بند تھا۔ شیاؤ منگ خاموشی سے کچھ سوچتا رہا، اسے محسوس ہوا کہ لال لال بھبھوکا چیزوں کو زیادہ جاننے لگا ہے، اور اب اس کے چہرے پر وہ گھر کی یاد اور اپنے گاؤں کی گھریلو زندگی کی تمنا کا المناک احساس بھی اسوقت نہیں برس رہا ہے، تاہم لال بھبھوکا کا چہرہ ہمیشہ کی طرح اب بھی لال لال تھا۔ وہ اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا ـــ سرخ چہرہ آسمان کی طرف کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس نے پھر اپنا پائپ بھرا اور سجھے ہوئے ہاتھ سے دیا سلائی جلا کر پائپ سلگا یا۔

"حقیقت پوچھو تو یہاں ہر شے کی کثرت ہے .... دیا سلائی ہی دیکھ لو.... حد سے زیادہ موجود ہیں .... یہاں پڑے پڑے وہ استعمال ہونے کی دعا مانگ رہی تھیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جنرل کو یہاں کے علاوہ کسی اور جگہ

چیزوں کی یہ بہتات میسر نہیں آسکتی کہ ضرورت پڑنے سے پہلے چیز تیار رکھی ہو —
سڑک پر قدم رکھنے کے بعد وہ ان سہولتوں سے محروم ہو گیا ہے...... آدمی کو
ہر وقت اور ہر مشکل کے مقابلے کے لئے بالکل مستعد رہنا چاہئے. چاہے جاپانیوں
کو اپنے ملک سے نکالنے کی مہم ہی کیوں نہ ہو۔ اب آپ ہم لوگوں کی مثال ہی لے
لیجئے، جو سرکاری فوج چھوڑ کر یہاں اس فوج میں شریک ہونے کے لئے نکل پڑے
صرف چند ہی دن لگے ہوں گے ...... افسوس بے چارہ شو، چنگ ننگ، اب
اسے ہماری فتح کا دن دیکھنا کبھی نصیب نہ ہو گا۔ اور نہ وہ ساتھی اس سے کبھی محظوظ
ہو سکیں گے. جن کی لاشیں راستے میں پڑی رہ گئیں۔ چاہے جس طرف
اور جس رخ سے دیکھو. یہ تو یقینی ہے کہ امن و امان کا دور نہ آسانی سے آنیوالا ہے
اور نہ بالکل نزدیک ہے، مجھے تو یہ چیز ابھی سے صاف صاف دکھائی دینے لگی ہے
اور یہی وجہ ہے کہ میں نے امن چین کے دنوں کی امید ہی چھوڑ دی ......
خیر چھوڑو جانے دو۔ ہر زمانہ بہت خوب ہوتا ہے۔ آج جو ہماری زندگی ہے کیا
اسکا ہر ایک دن اتنا ہی مزیدار نہیں ہے جتنا پہلے کے دن ہوا کرتے تھے. کیا
اچھے دنوں میں اور برے دنوں میں کوئی بہت بڑا فرق ہے؟"

لال بھبوکا نے جو تمباکو کی پتیاں تھوکیں، ہوا کا جھونکا آیا اور ان پتیوں
کو اڑا کر لے گیا، سات داغی کی ناگوار آواز سارے احاطے میں گونج رہی تھی.
جیسے بس کمرہ تنہا اسی کے لئے بنا تھا۔

اور لوگ رات بھر گہری نیند میں سوتے رہے. لیکن تیاؤمنگ کی
آنکھ نہیں لگی، وہ رات بھر ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر چہل قدمی کرتا رہا۔

گیارہواں باب ۱۱

زوردار زہریلا سانپ

قحط کا بڑھتا ہوا دستہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک زہریلا جاندار، اور اکڑوں قسم کا سانپ اپنی لمبی دم کھینچتا ہوا جنگلوں کے بیچ ایک نہ ختم ہونے والی راہ بناتا ہوا چلا جا رہا ہے، کہیں کھیتوں سے گذر رہا ہے، کہیں اونچی اونچی پہاڑیوں سے اترتا ہے وادیوں کو طے کرتا ہے، اور مکانات کے کھنڈروں سے ہوتا ہوا برابر رینگ رہا ہے۔

آسمان پر سورج کی شعاعیں صاف چمک رہی تھیں، آسمان پر کہیں دور دور تک بادل کی کسی دھجی کا بھی پتہ نہ تھا۔ اور نہ ہوا کی سرسراہٹ تھی۔ کاڈیانگ کی پتیاں بے حس و حرکت کھڑی تھیں سیم کے چھوٹے چھوٹے پودے زرا زرا پیلے پڑنے لگے تھے، اور سڑک کے کنارے کی گھاس رفتہ رفتہ پکنے کے بعد مرجھا گئی

تھی اور خس و خاشاک میں بسنے لگی تھی کھیتوں میں کسان جا بجا فصل کاٹنے میں لگے ہوئے تھے، اور اگر کسی کو موسم نکل جانے یاد ہو جانے کا احساس ہو تو سچی بات یہ ہے کہ فصل کاٹنے کے دن قریب قریب نکل چکے تھے۔

کھیتوں میں جو لوگ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے، انھوں نے ہاتھ روک لیا، اور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوگئے، وہ لوگ جو سڑک سے دور تھے، اور وہ جو سڑک کے بالکل قریب کھیتوں میں کھڑے تھے، ان میں سے میں سے کسی کے چہرے پر بھی خوف و دہشت کے آثار نہ تھے، بس یونہی وہ سادہ لوحوں کی طرح کھڑے ہوئے دیکھتے رہے، انھوں نے ڈر کر بھاگنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنے تجربے سے پہچان لیا کہ یہ فوجی، نہ تو جاپانی ہیں اور نہ جاپانیوں کے اشاروں پر کام کرنے والی فوج کے آدمی ہیں ـــــ اور جیسے انھوں نے اپنے دل میں سمجھ لیا کہ کوئی غیر نہیں؟ یہ گزرنے والے یا تو جانے پہچانے ڈاکو ہیں، اور نہیں تو جاپانیوں سے لڑنے والی فوج کے آدمی ہیں۔

بڑے میاں پائیں دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قریب کھڑا تھا، اور جب سن کسان کے دونوں بیٹوں نے اسے قریب سے گذرتے ہوئے آواز دی تو وہ انھیں فوراً پہچان گیا۔ کسانوں کے بچے ان نوجیوں کی طرف انگلیاں اٹھائے تھے، اشارے کر رہے تھے۔ اور بڑی بے تکلفی سے آوازیں دے رہے تھے۔ اور کسان عورتیں اپنے ماتھے پر ہاتھ کا چھجا بنا کر سپاہیوں کو گننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ یہ ایسی عادت تھی جو تجسس نے ان میں پیدا کر دی تھی۔

"کیسی بات ہے کہ ان میں سے ایک بھی سوار نہیں؟" نوجوانوں میں سے ایک نے سوال کیا۔ منہ سے اس نے اپنے تعجب کا اظہار کیا، اور ہاتھ سے کاؤ لیانگ کے ڈنٹھے سے دو پتے یونہی کھینچ لئے۔

"ہاں ٹھیک تو ہے اسوار کوئی بھی نہیں۔ دیکھو تو ــــ دوسوسے اوپر آدمی ہوں گے، وہ جو لمبا سا آدمی ہے جس کے پہلو میں پستول پیٹی سے بندھا ہوا ہے یہی ان کا لیڈر معلوم ہوتا ہے ــــ چہرے سے کیسی ہیبت برستی ہے!"

"مجھے تو یہ آدمی اگلے محافظ دستے کا سالار معلوم ہوتا ہے۔ یا یہ وہ شخص ہوگا کہ جب یہ لوگوں کو اغوا کرتے ہوں گے تو ان کے پہرے پر اسی کو مقرر کرتے ہوں گے۔"

"بس ہو چکا۔ دیکھو۔ سب لوگ اُدھر دیکھو ــــ وہ ہے سچ مچ پوری فوج کا سالار!" اس وقت فوجی دستہ سڑک کے دونوں طرف لگے ہوئے کاؤ لیانگ درختوں کی قطار کے بیچ سے باہر آچکا تھا، اور پھر انھیں قطاروں میں گم ہونے والا تھا۔ دستے کے آخری آدمی گذر رہے تھے، اب جنرل چن چو اور رانا دونوں نظر آئے۔ ان کے ساتھ ساتھ کاغذات اور فائل وغیرہ اٹھانے والے بھی چل رہے تھے۔

چن جو کے چلنے کا انداز دوسرے لوگوں کی طرح معمولی یا پھرتیلا نہ تھا۔ دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی قدم آگے کی طرف کھینچتا ہے۔ پھر بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ بدقت چلنے کے باوجود اس کی رفتار اتنی ہی تیز تھی جتنی دوسروں کی ہوسکتی تھی۔ کہیں وہ دم لینے کے لئے ٹھہرا نہیں۔ اسکی آنکھیں برابر ساری قطار کے آگے والے سرے پر لگی ہوئی تھیں۔ اس ذی ہوش کا ہیٹ سر سے اتار کر اسکا پنکھا بنا لیا تھا، اور برہنہ "فارغ البال" سر دھوپ میں تانبے کی طرح دمک رہا تھا۔ ہر بار جب قدم جھٹکے کے ساتھ اٹھتا تو ریوالور رکھنے کا تکونا کھٹ کھٹ اس کی ران سے ٹکراتا۔

"دیکھو، یہ ہے وہ آدمی جو ان سب کا سردار ہے۔ اس کے ساتھ سردار

عورت بھی ہے، اس عورت کے پاس بھی گھوڑا نہیں ہے، کیا اور آدمیوں کی طرح اسکو بھی سارا راستہ پیدل چلنا پڑے گا؟ یہ کیا معاملہ ہے کہ ان فوجیوں کے ساتھ اغوا کئے ہوئے یا زبردستی چھینے ہوئے آدمی بالکل ہیں ہی نہیں؟ نہ ان کے پاس خچر گھوڑے وغیرہ ہیں جن پر یہ اپنا سامان بار کر کے ساتھ لے جاتے۔ سامان تو ان کی پیٹھ پر لدا ہوا ہے —"

عورتوں کو جو پتہ چلا کہ ان فوجیوں میں ایک عورت بھی ہے۔ تو ان کی دلچسپی اس معاملے میں کچھ اور بڑھ گئی۔

دستہ ہموار اور جاندار قدموں سے برابر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا — آگے بڑھتے بڑھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا، اور کھیتوں میں کام کرنیوالے کسان اور مزدور پھر اپنے کام میں لگ گئے۔

"کیا خیال ہے۔ کیا آج کل جیسے زمانے میں بھی عورت سوائے اس کے کچھ نہیں کر سکتی کہ گھر کے کام میں لگی رہے اور بچے جنتی رہے؟ جو کچھ کام مرد کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں، وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ یہ جو اکثر ڈاکوؤں کی ٹولیاں ادھر کو گذرتی ہیں۔ ان میں ہم نے کتنی ہی عورتوں کو دیکھا ہے۔ ایسی بھی عورتیں ہوتی ہیں جو ڈاکوؤں کی سرداری کرتی ہیں!" ایک نوجوان ہٹی کٹی مضبوط عورت نے کہا۔ اس کے سر کے بیچوں بیچ سیاہ بالوں کا جوڑا بندھا تھا۔ پاؤں برہنہ تھے، اور جب اس نے یہ جملے کہتے وقت مردوں کی طرف نظر جما کر دیکھا تو وہ اور تن گئی، کاندھے اس نے اور پیچھے کی طرف کر لئے، اور ایک اکڑ کے ساتھ مضبوط اور حساس پستانوں کی جوڑی اور آگے بڑھا دی مگر کیا مجال کہ اس کے جسم کی حرکت کے ساتھ چھاتیاں زیر و زبر تو ہو جائیں۔ اس کی بھدی اور موٹے کپڑے کی نیلی فراک کمر پیچھے کھلی ہوئی تھی تاکہ کام کرنے میں رکاوٹ نہ بنے؛ اور دوپہر ڈھلے کی دھوپ میں

گندمی رنگ کی رانیں جھلک رہی تھیں۔ اوروں کی طرح وہ بھی بڑی پھرتی سے اپنی درانتی چلا رہی تھی۔ اور اس میں اتنی ہمت تھی کہ مردوں سے برابر کا مقابلہ کر سکے۔

"اوہو! جب عورتیں ڈاکہ مارنے نکلتی ہیں تو وہ مرد ڈاکو سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے ۔" ایک مرد نے اتفاق رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو" نوجوان عورت نے سینہ جھٹکتے ہوئے کہا، اور کاؤلیانگ کی ایک ٹہنی کاٹ ڈالی۔

"تو پھر تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ یہ ہنسیا یہیں رکھ دو اور ان نوجوان میں جا کر شریک ہو جاؤ!"

"ہاں کرنا تو یہی چاہیئے ۔۔۔ رائے تمہاری ٹھیک ہے مگر مجھے خیال آتا ہے کہ یہ لوگ مجھے اپنے اندر شامل نہیں کریں گے، اور اگر یہ لوگ تیار ہو جائیں تو تم اس بھلاوے میں مت رہنا کہ میں ان میں شامل نہیں ہو جاؤں گی!"

"اگر تم چلی گئیں تو تمہارا شوہر تمہارے بغیر کیسے رہے گا؟"

شوہر جو کاؤلیانگ کی ٹہنیاں کاٹنے والوں کی قطار میں سب سے آگے کھڑا تھا یہ جملہ بازی سن کر مسکرایا، مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا۔

"ارے یار ۔۔۔ بڑے بھائی، اپنی عورت کو ہاتھوں میں سنبھال کے رکھو۔ اسے بہت جوش آ رہا ہے، اگر مجھے ایسی بکی ہوئی بیوی ملتی تو میں اسے روز گرا گرا کر ٹھوکا کرتا۔ اور ایسی دہشت بٹھا کے رکھتا جیسے چوہیا بلی کو دیکھ کر دہشت بیٹھ جاتی ہے"

"بوڑھی —— پکی عمر کی عورت
پرانا گھنٹہ ہے جس میں شگاف پڑ چکا ہو۔
اگر کہیں اسے پیٹے بغیر تین دن بھی گذر گئے
تو سمجھو چھت کے ٹائل پھٹ پڑیں گے۔
ہاں اگر تم دن میں کم سے کم ایک بار بھی مرمت کرتے رہے
تو زمین و آسمان، ساری دنیا راحت پائے گی
ہاتھ تو اٹھانا ہی پڑتا ہے "

یہ ایک نوجوان کسان بول رہا تھا۔

"اوہوہ —— تو ہے کتنی ہی راتیں تجھے اپنے اندھے پن کے فکر سے نیند نہیں آئی۔ اب اس نامعقولیت پر اتر آیا کہ بیوی کے خواب دیکھتا ہے۔ ہاں واقعی تجھے بیوی نصیب بھی تو نہیں ہوئی اس پر بھی بیوی کو پیٹنے کا خیال ستا رہا ہے۔ بیوی تو ہے نہیں اب جاکے اپنے سر پہ ڈنڈا رسید کر......" نوجوان عورت اس کو اچھی طرح جھاڑ دینا چاہتی تھی۔ جو اس سے چھیڑ خانی پر بڑی بے تکلفی سے آمادہ تھا۔ مگر مشکل یہ آگئی کہ اسکا بچہ جو کھیت میں پاس ہی پڑا ہوا تھا رونے لگا۔ اور بڑا بچہ جو اسکی دیکھ بھال کر رہا تھا، دوڑتا ہوا ماں کے پاس اسے چھوٹے بھائی کے رونے کی خبر سنانے کے لئے آیا۔

"ماں —— بھیا رو رہا ہے!" بڑا بچہ اپنا پجامہ، اوپر کو کھینچتا ہوا، بدحواس اور ہڑبڑایا ہوا ماں کے پاس پہونچا۔

"ہاں مجھے خبر ہے! اس میں تڑپنے کی کون سی بات ہوگی؟ اگر تم گر پڑے تو کاؤ لیانگ کی نوک لگ جائے گی، اور آنکھ نکل پڑے گی۔" بچوں کی ماں نے اپنی درانتی زمین کے اٹھے ہوئے سینے میں گاڑ دی، اور کام میں لگے ہوئے

مردوں کی طرف رُخ کر کے بولی ۔ "یہ ماں اور بیوی اپنے بچوں کو دودھ پلانے جا رہی ہے ذرا تیرے ننھے بھتیجے کو دودھ پلا آؤں، پھر آجاؤ مقابلے پر، کچھوے کی اولاد، تیرے مقابلے میں آج میری دوڑ ہو جائے"

"ارے یار ۔۔۔ ہنہہ، سنتا ہے تیری بیوی کیا کہہ رہی ہے۔ یہ تیری بڑھیا ہمیں کچھوے کی اولاد کہتی ہے ۔۔۔ کچھوے کی اولاد میں تو بھی آ گیا۔ تجھے بھی گالی دی ہے اس نے"

مگر اس عورت نے ان لوگوں کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں کی اور اکڑتی ہوئی تیز قدم اٹھاتی چل دی۔ بڑا بچہ اس کے پیچھے پیچھے گھسٹ رہا تھا۔ اسکا پھندنا ہوا میں اڑتا جا رہا تھا۔

"دوست، تم خوش قسمت ہو، ایسی پکی ہوئی عورت بھئیں ملی ہے کہ ہر کام کرنے پر تیار ۔۔۔ حالانکہ دو دو بچے بھی پال رہی ہے ..... شرط لگاتا ہوں بستر کا مزا اس سے خاک بھی نہیں ہو گا"

بڑے بھائی کو اپنے دوستوں کی جملہ بازی پر توجہ کرنے کی بالکل فرصت نہ تھی۔ اس کے چہرے پر بے اعتنائی کے ساتھ ہنسی طاری ہوئی، اور اس نے بڑا سا منہ کھول دیا جس سے خود اعتمادی ٹپک رہی تھی۔ اسی رات جب انھیں ایک ساتھ سونے کا اتفاق ہوا تو بڑے بھائی نے اپنی بیوی سے کہا۔

"یہ فوجی جو آج جاتے ہوئے نظر آئے تھے، یہ کسی طرح بھی ڈاکو تو معلوم ہوتے نہیں، جانتی ہو، کون تھے، ہو نہ ہو، یہ لوگ جاپانی دشمن عوامی انقلابی فوج کے آدمی ہوں گے۔ وہ فوج جو جاپانیوں سے، اس کے حکم پہ کام کرنے والی فوج سے، اور جاپانیوں کے زرخرید سرکاری افسروں سے لڑتے ہیں اور جاگیرداروں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جاپانیوں کے حمایتی ہیں۔ یہ لوگ دراڑدہا بچہ

پہاڑی راستے آرہے تھے۔ انھی لوگوں نے تو مارا ہے چھوٹے سرکار کو "
"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" بیوی نے فوراً سوال کیا، اور ہولے ہولے اپنے بچے کو بھی سہلاتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں نیند آرہی تھی، اور آنکھیں نیند کے بوجھ سے بھنچی جا رہی تھیں۔ پیٹھ کے بل وہ پھیلی پڑی تھی جسم بالکل برہنہ تھا اور اسکا شوہر بھی بالکل ننگا پڑا تھا۔

"مجھے کیسے خبر ہوئی؟ ایسے ہوئی کہ سن چودھری کے تینوں بیٹوں نے اس فوج میں شرکت کر لی، اور مجھ سے کہا کہ میں بھی اسی میں شریک ہو جاؤں۔ مگر بیوی بچوں کا خیال آگیا۔ بیوی بچے ہوتے ہوئے میں فوج میں شریک ہونے کو تیار نہیں ہوا"

"کیا سچ؟" عورت ایک دم سے چونک پڑی، اور اس کی اونچی آواز سے بچہ بھی چونک پڑا۔ اس نے جلدی سے تھپک کر بچے کو سلانے کی کوشش کی۔ شوہر اب بھی اس کے پہلو میں ویسے ہی لیٹا ہوا تھا۔

"اگر میں بال بچوں کے بندھن سے آزاد ہوتا تو اب تک تو کبھی کا چلا گیا ہوتا"

"تو تم چلے کیوں نہیں جاتے؟" بیوی اس کے اور قریب سرک آئی۔ اور پھر وہی سوال دہرایا۔ "تم جاتے کیوں نہیں؟" اس نے شوہر کے جسم پر ہاتھ رکھا، اور اسے جواب مل گیا جسکا وہ انتظار کر رہی تھی۔

میں نہیں جاتا ــــ نہیں جانا میں ــ کیوں...... اس ــــ کی وجہ سے!" یہ کہتے ہوئے وہ بیوی کے گرم اور نوجوان جسم پر سوار ہو گیا...

بڑے بھائی کا دل ایسے زور، زور سے دھڑک رہا تھا جیسے بے شمار تتنگے اس میں پھڑپھڑا رہے ہیں۔ اتنی رات گئے وہ روزانہ شہد جیسی میٹھی نیند میں

غافل ہو جایا کرتا تھا، اس کی نیند اتنی گہری تھی کہ بچوں کی چیں چیں ، اور بیوی کی آہٹ سے کبھی خلل نہیں پڑتا تھا۔ اور صبح تک وہ اسی طرح غافل سویا کرتا تھا صبح اس کی بیوی اسے پکار کر جگاتی تھی۔ سست کتے کی طرح وہ گرمی کے موسم میں انگڑائیاں لیا کرتا۔ اور آخر میں انگڑائیوں، جمائیوں سے فارغ ہو کر کھیتوں کی طرف نکل جاتا۔

مگر آج کی رات کچھ اور بات تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسی بے چینی کیوں ہے، ہر طرف کروٹ بدلے کے اور پہلو بدل کے دیکھا۔ مگر نیند ہے کہ آتی نہیں۔ آخر میں وہ آنکھیں کھول کر یونہی جاگتا رہا، اگر وہ آنکھیں بند بھی کرتا تھا تو آنکھوں کے ڈھیلے اپنے حلقوں میں اس طرح چکر کاٹتے جیسے وہ چکنائی سے پھسل رہے ہیں۔ بچوں کے ہلکے غرّانٹے اور بیوی کے بھاری خرانٹے، بڑی پابندی اور یکسانیت کے ساتھ ایک دوسرے کا جواب دے رہے تھے۔ بیوی کے جسم کی چادر سوتے میں ہٹ گئی، اور شوہر کے پہلو میں اسکا متناسب بھرا بھرا جسم پھیلا ہوا تھا جسکا کوئی حصہ بھی پوشیدہ نہ تھا، باہر سے تاروں کی روشنی اب بھی کاغذ کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر خوفناک طریقے سے اندر آ رہی تھی تاروں کی یہ مدھم روشنی ایک عجیب اُجالے سے عورت کے سینے کی دونوں پہاڑیوں کو اور رانوں کے درمیان کی وادی کو نمایاں کر رہی تھی....

اس خیال سے کہ یہ منظر دیکھ کر دل میں بے تابی نہ پیدا ہو جائے اس نے کروٹ لی اور دیوار کی طرف منھ پھیر لیا۔ کھڑکی کے باہر سے ٹیچ موسم خزاں کے جھینگروں کی چرچر ٹرٹر برابر سنائی دے رہی تھی۔ ایک دم بڑے بھائی کو خیال آیا کہ زندگی میں سچ سچ اس نے پہلی بار جھینگروں کی آواز اس طرح سنی ہے۔ عام طور پر وہ اپنے ماحول سے بے خبر اور چاروں طرف کیا ہو رہا ہے۔ اس کی طرف سے

غافل رہا کرتا تھا
فضا کے اس سناٹے میں پڑوسی کے کتے نے غرانا شروع کر دیا۔ اس نے آہٹ سنی کہ پڑوسی اپنے مویشیوں کو چارہ کھلا رہا ہے، شاید کتے نے ان جانوروں کے حصے میں سے چرانے کی کوشش ہو گی جو مالک نے اسے دھتکارا اور جھڑ کا جیسے وہ بھی کوئی انسان ہو جسے اتنی سمجھ ہونی چاہئے . . .

سن کسان کے تینوں بیٹے مزے میں تھے۔ انھوں نے آپس میں قول وقرار کیا کہ ہم تو یہ کرنے والے ہیں، اور وہی جو کہا تھا کر بیٹھے۔ ڈاکوؤں میں شریک ہونے سے تو بہر حال یہ بات کہیں زیادہ آسان ہے۔ اور اس سے کہیں اونچی بات ہے۔ آپ اگر اس کے لئے تیار ہوں تو جاپانیوں کا مقابلہ کرنے اور اپنی قوت کو اپنے ملک کے لئے استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے۔ آپ کو منہ دکھانے کی جگہ ہوتی ہے۔ اور جب وہ دن آجائے گا جبکہ ایک ایک جاپانی حملہ آور کو یہاں سے مار کر نکال دیا جائے گا تو کوئی ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے اپنی جان، اپنی زندگی مفت میں گنوائی۔

بڑا بھائی، شہر سے جو لوگ خبریں لاتے تھے، انھیں بڑے غور سے سنا کرتا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے میں ہر چیز بدل گئی ہے۔ اب جو شہر میں افسر لوگ ہیں وہ جاپانی افسر ہیں، اور عام آدمی انھیں کو محصول، ٹیکس، اور نذر وغیرہ ادا کرتے ہیں۔ جاپانیوں کی اسکیم یہ ہے کہ دیہات میں جاکر زیادہ سے زیادہ آدمی فوج کے لئے بھرتی کرو۔ تاکہ یہ فوجیں لے کر وہ دیوار چین کے سمندری جانب دردوں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھیں اور وہاں پہونچکر خاص چین میں چینیوں سے جنگ کریں . .

یہ جاپانی حرامزادے۔ ان کی ڈکیتیوں کی اور لوٹ کی کوئی انتہا نہیں اگر تم انھیں کھلا چھوڑ دو تو تمہارے سر پہ سوار ہو جائیں گے، اور تمہارے

لئے مصیبت بن جائیں گے۔

جب سے ان جاپانی بدمعاشوں نے سنچوریا پر اپنے باقاعدہ قبضے کا اعلان کیا، اس دن سے بڑے بھائی کے سینے میں جاپانیوں کے خلاف نفرت کا غبار آہستہ آہستہ بڑھنے لگا تھا۔ اس کے جسم میں کئی جگہ شاید ربڑ کی نلکی رکھی ہوئی تھی جیسے رکشا کے ٹائر ہوتے ہیں، اور جب کبھی جاپانی کوئی ظلم یا نیا حملہ کرتے تھے تو اس ربڑ کی نلکی میں اور ہوا بھر جاتی تھی۔ یقیناً ایک نہ ایک دن یہ نلکی پھٹ جائے گی۔ اور پھر نہ جانے وہ کیا کر بیٹھے گا۔ وہ خود اسکا ذمہ دار نہیں۔

کئی مہینے سے وہ اپنے دل میں سوچ رہا تھا۔ "اگر میری بیوی اتنی کم عمر اور نوجوان نہ ہوتی، اگر میرے بچے اس قدر ننھے ننھے نہ ہوتے تو لازمی بات ہے کہیں چلا جاتا! مادر بخطا، آدمی کو کسی نہ کسی طور دنیا میں گذارا ہی پڑتا ہے، انسان کو لے دے کے صرف ایک تو زندگی ملی ہے . . . . لیکن صحیح معنوں میں مرد اور ہیرو، وہ ہے جو کسی بات کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہر خطرے سے ٹکرا جاتا ہے، بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ میں اپنی ساری زندگی کو ایک معمولی کھیت کے قطعے پہ کھینچتا اور رگڑتا رہوں"۔ مگر دوسری بات یہ کہ اس کی بیوی ابھی نوجوان، اور محبت کے قابل ہے، اور بچے بھی چھوٹے چھوٹے ہیں، اس کے پیروں میں فولاد کی بھاری بیڑیاں بن گیا تھا اور یہی اس کی گردن کا طوق تھا جو اس کے سینے پر لٹک رہا تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ وہ ان رکاوٹوں پر بہت برہم ہوا۔ اگر یہ طوق اور یہ بیڑیاں نہ ہوتیں تو وہ کبھی کا انقلابی فوج میں شامل ہو چکا ہوتا۔ اُسے اگر کوئی کام بہت پسند تھا تو وہ یہ کہ رائفل داغی جائے ـــــ جب ملک سے ایک ایک جاپانی کو مار بھگایا جائے گا، جب یہ لوگ نکل جائیں گے، اور انقلاب ہو جائے گا، اسکے بعد کیا ہوگا، اس سے بڑے بھائی کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ رہا یہ معاملہ کہ انقلاب کے

بعد زمین ان لوگوں میں تقسیم کر دیجائے گی جو اس پر کاشت کرتے ہیں . . . . ٹھیک ہے کچھ بھی کرو ہم جیسے لوگوں کو تو پھر بھی غذا کا سامان خریدنے کے لئے اپنی گاڑھی محنت بیچنے ہی پڑے گی ۔ صرف اتنی بات تھی کہ اسے اس خیال سے نفرت ہوتی تھی کہ جاپانی اسکو مٹھی میں رکھیں۔ اس کے ساتھ بڑے بھائی کو پورا یقین تھا کہ دنیا میں جو چیز ناپید ہے، وہ ہے اچھا جاپانی۔ یہ لوگ افیم بیچتے ہیں، افیم کاشت بیچتے ہیں۔ اور "ولایتی دوائیں" بیچتے ہوئے گاؤں گاؤں پھرتے ہیں۔ جن دواؤں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم نے افیون نوشی کا علاج کرنے کے لئے ایجاد کی ہے۔ اگر ایک بار آپ نے ان کی دوا چکھ لی۔ یا آپ ان کے ہاتھ پڑ گئے، تو سمجھئے عمر بھر کے لئے ایک اور لت پڑ گئی . . . . . . جاپانی اس قسم کی چیز ہوتا ہے

بڑا بھائی لکھنے پڑھنے سے محروم تھا، مگر دماغ کا بڑا پکا اور اٹل قسم کا آدمی تھا، اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جاپانیوں میں کوئی خوبی نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی وہ سنتا کہ شہر کا چکر لگا کے جو لوگ گاؤں واپس آئے وہ سنا رہے ہیں کہ جاپانی کہتے ہیں ہم تو چینیوں کے بھائی ہیں۔ اس پہ اسے یہ مثل یاد آجاتی "نیولا اگر کسی غریب مرغی کو نئے سال کی مبارکباد بھیجتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ مرغی کی عافیت چاہتا ہے" یا بجشنوبی بلی، چوہا سنڈ ورا ہی بھلا۔

تائین خاندان میں اور بھی لڑکے تھے مگر وہ سب الگ الگ رہتے تھے اور ان میں کوئی باہمی تعلق نہ تھا، صرف ایسی دعا سلام تھی جیسے اجنبیوں اور غیروں میں ہوتی ہے۔ بڑے بھائی نے سوچا ضرور مگر کوئی ایسا عزیز یا رشتہ دار نظر نہ آیا کہ جن کے پاس اپنے خاندان کو چھوڑ جاتا، وہ سوچتا رہا یہاں تک کہ اسکے

نتھنوں میں سانس جلنے لگا — پھر بھی کوئی ایسی صورت نظر نہ آئی کہ اپنی نوعمر بیوی کو اور بچوں کو چھوڑ کر نکل جائے، اور کاندھے پر رائفل چڑھا کر اسی گروہ میں شامل ہو جائے۔ اس کے دیکھتے دیکھتے سَن خاندان کے تینوں بیٹے اس فوج میں شریک ہو ہی گئے، ان تینوں کے مقابلے میں خود اس میں کس چیز کی کمی تھی۔ وہ اپنی جوانی کے بہترین سال گذار رہا تھا۔ دیہات میں اس سے بڑھ کر ہٹے کٹے جوان اور کہاں دھرے ہیں۔؟

ہا — مشکل تو یہ آ گئی کہ بیوی ہے تو اتنی کم عمر، اٹھتی جوانی، دل سے اس کی چاہ بھی تو نہیں جا سکتی۔ اور بچے ہیں تو وہ ابھی بالکل ننھے ننھے ہیں۔

جب اپنی بیوی سچ مچ ادھیڑ ہو جائے بچے بھی ذرا بڑے ہو جائیں — اور وہ خود — مگر اس کی ذات کا کیا ہے؟ کیا وہ خود اسوقت تک نہیں ہو جائے گا؟ مگر اس نے سوچا، یہ نہیں ہو سکتا، وہ جیسے لیٹی تھی، اب بھی ویسے ہی لیٹی رہی اور اس کی دونوں سے کش چھاتیاں رات کی سیاہی میں آگے کو نکلی ہوئی تھیں اُسے للچانے کے لئے، اور اس کے کسی قدر مضطرب دماغ سے پکار کر کہہ رہی تھیں کہ ابھی کیا ہے، ابھی تو اتنے بچے ہوں گے کہ اس کی مردانگی بھی تھک کر پیچھے رہ جائے۔ کھڑکیوں میں لگے ہوئے کاغذ شاید کبھی اتنے شفاف نہ رہے ہوں گے جتنے آج کی رات تھے، اور رات کے دھندلے سے اجالے نے ہر شے کو نرم و لطیف بنا دیا تھا۔

اس نے اپنے دل میں دن بھر کے واقعات کا جائزہ لیا، قدم مارتے ہوئے نوجیوں کا خیال آیا، ایک کے بعد دوسرا فوجی، ایک آدمی کے پیچھے دوسرا آدمی، ہر ایک کے کاندھے پر رائفل تنی ہوئی ...... اور انقلاب کا

کا پرچم ان پر لہرا رہا تھا۔ . . . کمپنی کا دراز قد کمانڈر ایسا آدمی تھا جس کے بشرے پر بہت دہ انت برس رہی تھی۔ پہلی ہی نظر میں، جو تم اُسے دیکھو تو وہ تمہاری نظروں میں کھب جائے . . . . . . ان کے آخر میں وہ گنجے سر کا آدمی، جو ایک قدم کے بعد دوسرا قدم گھسیٹتا تھا . . . . . . لڑکی بھی تو تھی . . . . اسے معلوم تھا کہ وہ لڑکی کوریا کی رہنے والی ہے، اور اسکا نام ہے اُنا۔ ان میں کوئی آدمی بھی تو ایسا نہیں جسے تم ناپسند کر سکو، یا جسے دیکھ کے تمھیں افسوس ہو۔ جاپانیوں کے اشارے پر کام کرنے والی فوجوں کے افسروں میں یہ بات عام ہے۔ یہ سب تو خیر ہے ہی مگر ایک حقیقت ایسی ہے جو اٹھائے نہیں اٹھتی یعنی سَن کے تینوں بیٹے اس فوج میں جا پہونچے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے پاس رائفل بھی ہے۔ سب سے چھوٹا جس کے منھ سے ابھی دودھ کی بو آتی ہے، وہ بھی بڑے بھائیوں کے ساتھ چل دیا —— جیسے جیسے فوجی دستہ قریب سے گزرتا جاتا تھا سن کے بیٹے اس کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے جاتے تھے —— کیا یہ بات آدمی میں آگ لگانے کے لئے کافی نہیں ہے؟ سچ پوچھو تو ان لڑکوں کا معاملہ میرے لئے شرمناک ہو چکا ہے:

بڑا بھائی بستر سے اٹھا اور باہر چلا گیا۔ باہر کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے اس کے اشتعال اور گرمی کو دھیما کر دیا۔ یہاں اس نے اپنے جی ہی جی میں بڑے اطمینان و سکون سے بات چیت کی اور اس فیصلے تک وہ آ گیا۔

" اچھا تو ہم اس سلسلہ میں پھر بات کریں گے —— بیوی ابھی الھڑ ہے اور مجھے اس سے محبت بھی بے پناہ ہے، بچے بھی چھوٹے چھوٹے ہیں —— ابھی دیکھتے رہو، ٹھہر جاؤ، یہ جاپانی قاتل اپنی اسکیمیں اور آگے پھیلائیں گے اور پھر ہم بھگتیں گے انھیں "

رفتہ رفتہ، بڑی آہستگی سے رات کی تاریکی نے اسے گھیر لیا، اور نیند نے اپنی انگلیاں اس کے ماتھے پر رکھ دیں۔ نیند کے عالم میں اسے فوجی سفر کرتے ہوئے دستوں کی تصویر نظر آئی، فوجی دستہ جو ایک ہٹیلے سانپ کی طرح کھیتوں میں، وادیوں میں، پہاڑیوں میں، مڑتا ہوا، سکڑتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

بارہواں باب ۱۲

بازار کی بستی :

اک ذرا دیر پہلے پتھر کے مکان سورج کی تیز روشنی سے گھرے سُرخ تھے، مگر اب سورج ڈھل رہا تھا، اور اس کی ترچھی مدھم شعاعوں میں مکانوں کا رنگ کتھئی ہو چکا تھا۔ جا بہ جا ہوا کے جھونکوں نے صاف ستھرے کوڑے اور مٹی کے چلتے پھرتے ڈھیر سمیٹ رکھے تھے، مغرب کی سمت آسمان پر سورج نے بادلوں میں آگ سی لگا دی تھی۔ اور دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادلوں میں رفتہ رفتہ اس قسم کا جوڑ توڑ ہو رہا ہے جس سے ایک نیا نقشہ بنتا جا رہا ہے اوپر سے وہ اُن کے گالے کا ہاتھ نیچے کی طرف بڑھا۔ اور بائیں طرف سے جو گالے کا دوسرا ہاتھ پھیلا ہوا تھا اس سے جا ملا۔ ان دونوں بازوؤں کے

درمیان آسمان کا ایک ٹکڑا جو سمندر کی طرح نیلگوں تھا، گھر گیا۔ دیکھئے، یہ غالباً، خلیج چہلی بن کر تیار ہو گئی۔ یہ جو نیچے والا بادل ہے نمایاں طور سے جزیرہ نما کے لیاؤتنگ کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ اور دوسرا بادل والیا ہے جیسے شنٹنگ کا ٹکونہ خطہ، سارے ساحلی علاقے پر آگ لگی ہوئی ہے۔

ایک دم تیزی سے نہیں، بلکہ بہت ہی نامحسوس آہستگی کے ساتھ بادل تڑمڑ کر نئی شکلیں اختیار کرتے گئے، اور نئی شکلیں بھی گھل مل گئیں، اور شکلیں بن گئیں ــــ

تیھرلی عمارتوں کے باہر جو لوگ جمع تھے، ان میں سے کسی کو بھی۔ بادلوں کے اس تماشے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کوئی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ سب کے سب لوگ ایک ہی سمت سڑک کی طرف نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ان میں سوداگروں کے نمائندے بھی تھے، کسانوں، اور طالب علموں کے نمائندے بھی، اس کے علاوہ جس طبقے کا بھی آپ تصور کر سکتے ہیں، ہر اس طبقے کے آدمی یہاں موجود تھے، مکانات کے دروازوں پر لال رنگ کے ریشمی اور زرق برق سرخ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ دروازوں کے بازو میں پٹاخوں کے جھالر نکونے چوکھٹوں میں بندھے ہوئے لٹک رہے تھے۔ اور بڑے بڑے بلبے جھالر چھتوں سے نیچے تک لٹکے ہوئے تھے۔

ڈاکوؤں کے فوجی دستے جب کہیں داخل ہوتے تو ان کی آمد کا جشن منانے کے لئے عام طور پر اس قسم کی آرائش کی جاتی تھی ــ شہریوں کو ابھی تک یہ معلوم نہ تھا کہ جن فوجیوں کا استقبال کرنے کے لئے انھوں نے بستی کو اسطرح بنایا سجایا ہے وہ جاپانیوں کے خلاف لڑنے والی عوامی انقلابی فوج کے آدمی ہیں۔

بچے بیقرار تھے، اور پر جوش تمتمائے ہوئے چہروں کے ساتھ، اِدھر اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ کچھ بچے تجسّس کے شدید احساس سے چیخ و پکار رہے، کچھ چھتوں پر اور درختوں کے نیچے ٹہنیوں اور گدّوں پر چڑھ گئے تھے اور وہاں سے اس طرف نظریں دوڑا رہے تھے جدھر سے بڑے آدمیوں کو آنے والوں کا انتظار تھا۔

بڑی عمر کے لوگوں کے دلوں میں اس قسم کی نہ جانے کتنی تقریبوں کی تلخی اکٹھی ہوگئی تھی، مگر ان کے چہرے بشرے سے صرف بے تعلقی اور لاچارگی کا احساس ہو رہا تھا۔ چالاک سوداگروں، اور دوکانداروں کو جن کی ناکیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں یہ خوش فہمی تھی کہ اگر آنے والے فوجی درحقیقت کسی ڈکیت گروہ کے آدمی ہیں تو ذرا آگیا، وہ ان سے خوب روپیہ بنائیں گے۔ کیونکہ ڈاکوؤں کو کن چیزوں کی ضرورت ہے؟ — انھیں عورتیں چاہئیں، افیم، تیز شراب، مرغی کے چوزے — بس یہ چیزیں وہ طلب کرتے ہیں۔ لیکن جو خبر اب تک آنے والوں کے بارے میں ملی تھی، بدقسمتی سے یہ لوگ جو آرہے ہیں کسی انقلابی فوج کے آدمی تھے اور سوداگروں، دوکانداروں کو معلوم تھا کہ انقلابی فوج کیا ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ پہلے بھی ان کو دیکھ چکے تھے۔ ان لوگوں سے روپیہ وصول نہیں ہوتا۔

شام ہونے کو آئی مگر فوجیوں کا اب تک سایہ بھی نظر نہ آیا، اور اب بستی کے نمائندوں کی بے چینی بڑھ چلی تھی۔

" صرف ایک سَو اسی لی (۶۰ میل کے قریب) فاصلہ ہے، تو اب تک انھیں یہاں پہونچ جانا چاہئے تھا"

"تھیں یہ بھی معلوم ہے کہ شاید راستے میں سرکاری فوج سے اُن کا ٹاکا ہو گیا ہو"

"کیا کہا سرکاری فوج؟ — ہہہ — سرکاری فوج تو مزے سے بچکر چلتی ہے کہ کہیں ڈاکوؤں سے مقابلہ نہ کرنا پڑے"

سارا وقت خراب ہو گیا۔ بات تو یہ ہے کہ چوزوں اور کتوں کو بھی راحت اور سکون نہیں ہے۔ جس دن سے جاپانیوں نے منچوریا پر قبضہ کیا ہے، ابتک ایک گھنٹہ بھی کہیں کسی جگہ امن و راحت کا نہیں گذرا — گزرا ہے کہیں؟ فوجی آتے رہتے ہیں، اور جاتے رہتے ہیں۔ یہ سرکاری فوج ہے، آئی اور گئی، یہ ڈاکوؤں کا فوجی دستہ ہے۔ نہ سرکاری فوج، درحقیقت سرکاری فوج ہے اور نہ ڈاکوؤں کی ہی فوج ہے۔ ان میں آدھے سرکاری ہوتے ہیں اور آدھے ڈاکو۔ ہماری بستی میں آہستہ آہستہ لوگوں کی ہڈیوں سے گوشت کٹتا جا رہا ہے۔ افسوس ایسا برا زمانہ آگیا ہے کہ جی چاہتا ہے ہر آدمی اپنے گلے میں پھندا ڈال کر جان دیدے۔ یہ لوگ ہمیں شہتیروں پر لٹکنے کے لئے، جان دینے کے لئے، مجبور کر رہے ہیں"

"منیجر شی، اچھا ہو اگر آپ ذرا کم بولیں۔ خبردار رہئے۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ آج کل جیسے دن جا رہے ہیں۔ ان میں یہ تو ممکن ہے کہ ڈاکوؤں کے بڑے سے بڑے گروہ سے بھی خوف نہ کھائیں، مگر یہ ممکن نہیں کہ چھوٹے سے چھوٹے کے خلاف بھی شکایت کے لئے زبان کھولیں۔ پہلے زمانے میں کیا تھا، کہ اگر ڈاکوؤں یا حملہ آوروں کا چھوٹا موٹا گروہ ہماری بستی سے گذرنا چاہتا، اور ہم اسے منع کر دیتے تو اس کی مجال نہیں تھی۔ مگر اب وہ صورت نہیں رہی ...."

"جلدی کرو، آتش بازی چھوڑو، پٹاخوں کو آگ دکھاؤ...."

ایک اندھا دھند، ہو حق، اور غل غپاڑے کے ساتھ آتشبازی چھوٹنے لگی۔ بارود کی بو۔ اور دھوئیں سے سانس لینا مشکل ہو گیا۔

آنے والے فوجی اپنے سفر کی تکان بھول گئے، اور ان کے چہروں پر مٹی اور کیچڑ کی جو تہیں جمی ہوئی تھیں انکا خیال بھی نہ رہا۔ ان کے جسم پر اور ہونٹوں پر ہوا کے جھونکوں سے اتنی خشکی طاری تھی کہ وہ ہنسے تو ایسا معلوم ہوا کہ صرف مسکرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جنرل چین چو نے مکانات اور عمارتوں کے دروازوں پر جو سرخ، ریشمی کپڑے لہراتے ہوئے دیکھے جو شام کی ہلکی ہوا سے یونہی اُڑ رہے جا رہے تھے اور پٹاخوں کے چھوٹنے کی آوازیں سنیں تو وہ حیرت زدہ ہوگیا۔ اس کے جی میں آیا کہ فوجیوں میں سے اس آدمی کو بلا کر ڈانٹے جسے قاصد کے طور پر فوجیوں کی آمد کی خبر دینے بھیجا گیا تھا۔ اسکا فرض تھا کہ بستی والوں کو منع کر دیتا کہ وہ ہمارا استقبال اس طرح نہ کریں جیسے ڈاکوؤں کا کیا جاتا ہے، مگر اس نے بستی والوں سے کچھ نہیں کہا۔ جنرل سوچتا رہا، اور اس نے فیصلہ کیا کہ کسی کو کچھ مت کہو، اس نے دل میں سوچا کہ غلطی خود اسی کی ہے۔ اسے خود چاہئے تھا کہ جس فوجی کو بستی میں اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے بھیجا گیا تھا، اسے وہیں ہدایت دیتا کہ بستی والوں سے کہہ دینا کہ ہمارا اسطرح استقبال نہ کریں، اسی بستی کے تجارت پیشہ لوگوں نے پہلے ہی اسکا انتظام کر رکھا تھا، اور چین چو سمجھتا تھا کہ جب ایک بار غلطی ہو چکی تو اب اسکے لئے پچھتانا بیکار ہے۔ ہاں آئندہ ایسی لاپرواہی کی حرکت نہ ہونے پائے اس طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

دوکاندار لوگ اپنی کھوپڑیوں پر جمی ہوئی گول گول ٹوپیوں پر بار بار جھینپتے ہوئے ہاتھ پھیرتے، ان کے چہروں پر شکنیں پڑی جاتی تھیں، اور وہ پوری کوشش سے جس قدر بھی مسکراہٹ ابھار سکتے تھے ابھارے ہوئے تھے، اور اس کے اثر سے ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں، اور انکساری کے مارے ان کا حال یہ تھا

کہ زیادہ سے زیادہ مگر جس قدر جھک سکتی تھی، اتنی کمر جھکائے ہوئے خدمات بجا لا رہے تھے، جیسے ہی کمپنی کمانڈر اپنے دستے کے ساتھ سامنے سے گذرتا وہ پوری طرح جھک کر تعظیم بجا لاتے۔ نہیں معلوم ان کے لبوں پر کتنی دعائیں آتی ہوں گی ــــ؟ فولادی لشکر اس قسم کے استقبال اور ایسی انکساریوں سے اچھی طرح واقف تھا وہ تجارت پیشہ طبقے کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ ان پر ایک نگاہ بھی صرف نہیں کرتا تھا، لیکن کسانوں کا جو ہجوم ایک طرف ذرا فاصلے سے کھڑا تھا، اس پر فولادی لشکر کی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔ کسانوں کے پیر بن جوتے تک نہ تھے اور واسکٹوں کے بٹن بھی غائب ہو چکے تھے۔ واسکٹیں سینوں پر سے کھلی ہوئی تھیں۔

اناچین چو کے برابر چل رہی تھی۔ مگر دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا سوائے چند الفاظ کے جن کے کہنے کی ضرورت پیش آئی ہو گی، وہ تمام راستے بالکل خاموش رہی۔

سوداگروں کے نمائندے جنرل چن چو کے بالکل پیچھے پیچھے ہوئے اور بڑی ہوشیاری سے اس قسم کی حرکتیں کرتے گئے جن سے چن چو ان کے ساتھ گفتگو چھیڑ دے۔ مگر چن چو؟ ــــ وہ بڑے اطمینان سے جیسے چل رہا تھا ویسے ہی چلتا رہا، پہلے ایک قدم کھینچتا پھر دوسرا قدم اٹھاتا۔ اور یکسانی کے ساتھ جھٹکے دے دے کر وہ حرکت کرتا رہا۔ اس کا چوڑے پیچھے والا تنکوں کا ہیٹ ہاتھوں میں تھا۔ اس نے کہنا شروع کیا۔

" ہمارے یہاں آنے سے آپ بستی والوں کو زحمت ضرور ہوئی ہو گی! مگر مطمئن رہئے ہم یہاں صرف ایک رات ٹھہریں گے۔ اور کل صبح تڑکے چل دیں گے بستی میں آپ ہماری طرف ہر ایک شخص سے کہہ دیجئے، ہر چھوٹے بڑے کو

بتا دیجئے کہ وہ گھبرائیں نہیں۔ کسی طرح بھی ان کو تکلیف نہیں دیجائے گی، ہم تو صرف جاپانیوں سے، اور ان کے پالتو کتوں سے لڑتے ہیں، اُن کا مقابلہ کرتے ہیں۔"

"جنرل کو بھلا اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ سچ پوچھئے تو عام حالات میں ہمیں آپ حضرات کی آمد کی عزت افزائی کی کبھی امید بھی نہیں ہو سکتی تھی، لیکن اب جبکہ آپ تشریف لے آئے ہیں تو چند روز یہاں قیام کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ فوجیوں کو بھی ذرا آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ آپ لوگ تو وہ ہیرو ہیں جنہوں نے اپنے ملک کی خدمت کے لئے جان کی بازی لگا رکھی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہمیں جیسی کچھ خدمت ہم کر سکتے ہیں، خدمت کا موقع دیا جائے"

چن چو خوب سمجھتا تھا کہ یہ نوسٹادی دوکاندار اور بنیا گر وہ اپنی چالاکی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اصل میں یہ لوگ ہر قسم کی سرکاری فوج کا استقبال کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ چاہے آنے والے ڈاکو ہوں یا انقلابی فوج والے ہوں۔ اگرچہ ان کے دل میں صرف ایک ہی سچی تمنا دبی ہوئی ہے کہ خدا کرے یہ سب کے سب صاف ہو جائیں اور ہمیں ان سے کبھی واسطہ نہ پڑے، پھر بھی وہ زبان سے وہی میٹھے میٹھے چکنے چپڑے الفاظ ادا کرتے رہے، وہ سمجھتے تھے کہ اسی قسم کی باتیں بنا کر وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں اپنے گالوں کو زور دار تھپیڑوں سے بچا سکتے ہیں۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جسے اختیار کرنے کے بعد یہ اندیشہ نہیں رہتا کہ آنیوالا جنگجو، اپنی سنگین سے اسکا سینہ چھیدنے کی کارروائی کریگا۔ چن چو بہت ہی مرجھائی ہوئی ہنسی ہنسا۔ اس کی نظریں سپاہیوں کے سروں پر جمی ہوئی تھیں، سپاہیوں کا دستہ سڑک کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب دیہات

کے لوگوں کا ہجوم تھا۔

"کیا یہاں حال ہی میں جاپانی فوجی آچکے ہیں؟ مقامی پولیس کا عمل دخل ہے یا نہیں؟"

"کیا جاپانیوں کے حکم پر کام کرنے والی فوجوں کے آدمی ادھر آتے ہیں؟"

جاپانی، اور سرکاری فوجیں، دونوں ادھر آچکے ہیں۔ دس دن سے کچھ ہی اوپر ہوئے ہیں کہ وہ یہاں سے گئے ہیں، جاتے وقت انھوں نے بتایا تھا کہ ہم پہاڑیوں پر ڈاکوؤں کا پیچھا کرنے جارہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں اس کے بعد وہ گئے کیوں نہیں۔ کیونکہ وہ تو اپنے پہلی چھاؤنی کے علاقے کی طرف واپس ہو گئے"

فوجی ایک کھلے ہوئے ہموار میدان پر پہنچ کر رک گئے، اس دن کی سالاری جس شخص کو سپرد تھی اس نے ان عمارتوں کا معائنہ کر لیا تھا جن میں فوجیوں کو ٹھہرایا جا سکتا تھا، اور اس نے کاغذ پر ایک خاکہ تیار کر کے جنرل چن چو کو دے دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اپنی رپورٹ بھی پیش کر دی تھی۔ جنرل نے اس نقشے کو دیکھکر خالی عمارتوں وغیرہ کی تقسیم کرتے ہوئے نشان لگائے اور مختلف کمپنیوں کو مختلف کام سپرد کرتے ہوئے معمولی قسم کے احکام دیئے۔ اور بارکوں کی سالاری سپرد کر دی گئی۔

جس طرح باقاعدہ فوجوں میں ہوا کرتا ہے بالکل اسی طریقے پر عمل کرتے ہوئے تمام کام کیا گیا۔ اس کے بعد جنرل نے فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے تقریر شروع کی۔

"ساتھیو، آج ہم سارے دن چلتے رہے ہیں، اور تم سب لوگ تھک چکے ہوگے۔ اس صورت میں میرے لئے کچھ کہنا یا تقریر کرنا مناسب

معلوم نہیں ہوتا۔ ہم سب کے سب جاپان دشمن انقلابی فوج کے آدمی ہیں۔ مجھے اسوقت صرف اتنا یاد دلانا ہے کہ ایک لمحے کے لئے یہ مت بھولنا کہ عام آدمی ہمارے بھائی بہن کے برابر ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہ ہم جاپانی سپاہی ہیں، اور نہ وہ چینی ہیں جو جاپانیوں کے پالتو کتے بن چکے ہیں۔ ورنہ ہم میں اور ڈاکوؤں میں کوئی فرق نہیں رہتا ہم سب کو اس طرح مل کر کام کرنا چاہیئے کہ اس مقام کے سمجھدار لوگوں کو، اپنے بھائیوں کو یہ سمجھا دیں کہ درحقیقت ہم سب ایک ہی خاندان کے آدمی ہیں، اور ہم نے جو ہتھیار اٹھائے ہیں، وہ اس لئے اٹھائے ہیں تاکہ اپنے خاندان، اپنے گھرانے کے دوسرے لوگوں کی طرف اپنے اس مشترکہ دشمن کا مقابلہ کریں جو ہم سب کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ اسوقت تمھیں رکھا جائے گا اگر تم ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو گے جیسا کہ تم خود اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتے تھے تو وہ لوگ بھی تمھیں اپنا سمجھیں گے۔ جس مکان میں بھی تم رات گزارنے کیلئے رکھے جاؤ، مگر دیکھو، یہ ہرگز نہ بھولنا کہ تم چینی عوام کی انقلابی فوج کے ممبر ہو۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کو ان کی ڈیوٹی کی جگہ مقرر کر دیا گیا ہے تمام کمپنی کمانڈروں کو ہیڈ کوارٹر پر آنا چاہیئے۔ عادت کے مطابق جنرل چن چو نے تقریر کے خاتمے پر اپنا ہاتھ ہلایا، اس اشارے کے ساتھ ہی سب لوگ منتشر ہو گئے۔ اور اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف ٹولیاں بنا کر چل دیئے، کسانوں کا جو ہجوم انھیں دیکھنے کے لئے دائرے کی شکل میں اکٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی بکھر گیا، اور وہ لوگ آپسمیں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے چلے گئے۔

چن چو اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف چل دیا، اور کمپنی کمانڈر اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ اناّ بھی اسی گروہ کے ساتھ چلی گئی۔ وہ ایسے جا رہی تھی جیسے کہ خواب دیکھ رہی ہو۔

تیرہواں باب ۱۳

جھنڈا لہرا گیا

"کل صبح ساڑھے پانچ بجے ہم لوگ پھر کوچ کر دیں گے" یہ کہتے ہوئے چن چو نے اپنے گال سے پسینے کا ایک قطرہ بآہستہ صاف کیا، پسینہ کا یہ قطرہ اس کے چہرے پر جمی ہوئی گرد و غبار پر اپنا گیلا راستہ بناتا ہوا دہانے کے ایک کونے تک اتر آیا تھا۔ جنرل کے سامنے ایک نقشہ کھلا ہوا رکھا تھا جس پہ وہ اشارے سے بتا رہا تھا کہ اب ہمیں کون سی سڑک پار کرنی ہے۔

"ہمیں ایک دن اور یہاں دم لے لینا چاہئے" ایک کمپنی کمانڈر نے تجویز پیش کی۔

"آج کے لمبے سفر سے سارے فوجی تھک کر چور ہو گئے ہیں ہمیں ایک دن

آرام کر لینا ہی چاہئے "، دوسے کبر نے تائید کر دی۔

" ناممکن "، جنرل چن چو نے جواب دیا، اور وہ اب بھی اپنے نقشے میں محو تھا، اس نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، کہ تجویز اور تائید کس نے کی، وہ برابر اپنی بات صاف کرتا رہا۔" ادھر دیکھا تم نے؟ ہم یہاں سے ہو کر چلے اور اس تنگ سڑک سے ہوتے ہوئے شمال مشرق میں پہونچ گئے ...... یہ دریا آتا ہے معلوم نہیں، اس میں آج کل پانی چڑھا ہوا ہے یا اترا ہوا، اگر پانی چڑھا ہوا نہیں ہے تو ہم آسانی سے پار اتر جائیں گے، اور اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر ہمیں یہاں زیادہ وقت ضائع کرنا پڑیگا۔ تو ہم لوگ صبح ساڑھے پانچ بجے یہاں سے کوچ کر رہے ہیں۔"

کمانڈر اس میز سے ہٹ کر کمرے کے اندر اپنی اپنی نشست پر چلے گئے۔ چن چو کی نظریں غالباً کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

" کون تھا جس نے ابھی ابھی یہ تجویز کیا تھا کہ ہمیں اس بستی میں ایک دن اور آرام کرنا چاہئے؟"

" ہم نے کہا تھا "، دو کمانڈر جو اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے تھے پیروں کے بل اٹھے اور آگے کو جھک گئے، جیسے انھیں سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے شرم آتی تھی، ان کے چہرے پر خون کی سرخی جھلکنے لگی تھی۔ انھیں ڈر تھا کہ اب چن چو انھیں برا بھلا کہے گا کہ تم بہت باتیں بناتے ہو۔

" کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں "، چن چو نے ان سے کہا، اور اشارے سے پھر ان کی نشست پر بٹھا دیا۔ " مجھے خوب معلوم ہے کہ اتنا لمبا سفر فوجیوں کیلئے کتنا کٹھن تھا۔ لیکن ہم لوگ کسی حالت میں بھی یہاں زیادہ نہیں ٹھہر سکتے۔ جاپانی سپاہی اور ان کے پالتو کتے یہاں بہت جلد پہونچ سکتے ہیں، اور تم میری

ایک بات مان لو۔ یقینی سمجھو کہ آج رات کو ہی یہاں سے ہمارے دشمن کو پیغام بھیجا جائے گا کہ ہم لوگ یہاں موجود ہیں، آج رات بھی ہمیں کافی باخبر اور ہوشیار رہنا ہے، اور دیکھو فوجیوں میں سے کوئی بھی رات کو باہر سڑک پر پہنچنے پانے کے لئے باہر نہ جانے پائے۔ خاص بات یہ ہے کہ ٹیلیفون جہاں کہیں بھی ملیں کاٹ ڈالے جائیں "

ایک لمحے کے لئے کمرے میں خاموشی چھا گئی، جنرل بھی غالباً کوئی خاص بات سوچنے میں مصروف تھا۔ اور جب وہ تھوڑی دیر تک غور و فکر کر چکا۔ تو قدموں پر اٹھا۔

ہر چیز اس طرح کی جائے گی۔ اور جو کچھ احکام ہوں گے وہ میں براہ راست قاصد کے ہاتھ فولادی لشکر کو بھیج دوں گا۔ اب آپ سب لوگ مہربانی کر کے تشریف لے جائیے اور آرام کیجئے۔ آپ میں سے ہر شخص کو اپنے ذاتی طور سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"

چن چو جب ان سب کو یکے بعد دیگرے باہر جاتے ہوئے دیکھ چکا تو خاموشی کے ساتھ میز کے برابر ذرا دیر کھڑا رہا، اس کے بعد اس نے لمبی سانس لی جس کے معنی تھے کہ کام سے فراغت پانے پر راحت کا احساس کر رہا ہے۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنی پیٹی کے بند کھولے اپستول اتارا اور میز پر رکھ دیا چیفنگ کی پکیٹ کمر میں تیار رکھی تھی، اور مقامی سرائے کے دو نوجوان لڑکے اس کے سامنے کھانا چننے کے انتظار میں کھڑے تھے۔ سرائے کا مالک جو خود دو کاندار تھا، خود بھی اس انتظار میں تھا کہ موقع ملے تو ہر جملے کے ساتھ وہی ایک لفظ دہرائے۔ "افسوس، ادھو معاف کیجئے "

جنرل ابھی منہ دھو رہا تھا کہ اتنا اندر آئی، اس نے اپنی ڈوبی ہوئی اور،

بے کیف آنکھوں سے جنرل کو دیکھا۔ اور بغیر کچھ کہے سنے اس کرسی پر بیٹھ گئی جس پر ابھی وہ بیٹھا تھا۔

"انا تم نے رات کا کھانا کھالیا؟"

"جی ہاں کھایا۔ بہت عمدہ تھا۔ شراب بھی، اور گوشت بھی کافی مقدار میں تھا"

"انا تم نے شراب پی؟ تمہیں معلوم ہے کہ آج کے احکام میں ہم نے شراب کی ممانعت کر دی تھی۔ تم اپنے فرائض کے خلاف حرکت کر رہی ہو" جنرل اپنی مونچھوں میں تناؤ پیدا کر رہا تھا، اور اس کی صفاچٹ کھوپڑی پر جو رہے سہے بال کھڑے ہوئے تھے، انھیں بڑی محنت سے بٹھانے اور کنگھی کرنے کی کوشش کئے جا رہا تھا۔ بالوں میں سے اب جو کچھ بھی بچ رہا تھا اسکے بارے میں اس کی توجہ جتنی بڑھ گئی تھی اتنا ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ گرنے پر آمادہ ہیں۔ نہ اُسے غصہ آ رہا تھا، اور نہ مسکرانے کی کوئی علامت ظاہر ہوتی تھی۔

انا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن وہ دوسرے آدمیوں کی موجودگی میں چیخ کر رونا نہیں چاہتی تھی، اس نے جلدی سے اپنے رخسار صاف کر لئے چن چونے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ کی۔

"جنرل! میں ننگھائی واپس جانا چاہتی ہوں"

چن نے بالوں میں کنگھی کرنا بند کر دیا، اور انا کو بغور دیکھا، وہ اپنا سر ہتھیلیوں میں لئے جھکی تھی اور اس کے کاندھے تھرّا رہے تھے۔

"انا تم انقلاب کو دغا دینے پر آمادہ ہو: دشمن کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتی کیا یہ تمہارا اپنا خیال ہے؟ یہ جو کام آجکل تم کر رہی ہو، کیا یہ تمہارے باپ کی خواہش، اور تمنا نہیں ہے؟ کیا تم نے یہ کرنے کا عہد نہیں کیا ہے؟— اب

تمہارا کیا خیال ہے؟ اس قسم کی گفتگو کا کیا مطلب ہے؟"

چن چو نے اپنے پیٹی کے بند لگائے، اور کھانے پر بیٹھنے کی تیاری کی، پکے ہوئے کھانے کی خوشبو نے، خاص طور سے شراب کی مہک نے کسی قدر اسمیں مدہوشی کا احساس پیدا کر دیا۔

"اناہیں اصلیت میں پوری طرح معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر تم تنگھائی کیوں واپس جارہی ہو؟" — اس نے کھانا شروع کر دیا، اور شراب کی ترغیب سے بچنے کے لئے شراب کا برتن جتنی دور ممکن تھا، سرکا کر الگ رکھ دیا، دوکاندار نے، جو اپنے مہمان کی تواضع کرنے میں بڑا ماہر تھا، خاطر و مدارات سے اپنی آنکھوں کو چمکایا، اور نہایت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ کہتا ہوا میز کے پاس آیا:—

"جنرل ہمیں شرف ملاقات بخشنے تشریف لائے ہیں، اور ہمارے پاس ان کے نوش فرمانے کے لئے کچھ بھی نہیں جو پیش کریں۔ ہمارا یہ سلوک آپ کے اعلیٰ مرتبے کے قابل ہرگز نہیں ہے۔ مگر شراب خود میرے گھر کی بنی ہوئی ہے۔ جنرل بہادر اسمیں سے کچھ زیادہ نوش فرمائیں۔ . . . . . بہرحال کوئی جلدی تو ہے نہیں۔ فوجی یہاں ابھی کوچ کرنے سے پہلے کچھ دن آرام کریں،" وہ اپنی مصنوعی مسکراہٹ سے ہنسا، اور اس کی چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھیں جھری دار چہرے کے شگافوں میں دمکنے لگیں، فوراً اس نے اپنی سرائے کے نوکر لونڈوں کو حکم دیا— "تم بالکل فضول ہو، تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ شراب کی کیتلی کو دیکھ کہ ابھی شراب پینے کے قابل گرم ہے یا نہیں۔ کیا یہ بھی نہیں کر سکتے تھے یہ جنرل سے پوچھتے، وہ اور کیا نوش فرمانا چاہتے ہیں؟ اور جلدی سے جاکر باورچی سے کہہ دیتے کہ وہ ہاتھوں ہاتھ وہی چیز تیار کر دے"

ہوٹل کے نوکروں نے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن ان کی پتلی پتلی درازانگلیاں حرکت میں آئیں، کیونکہ وہ جنرل کی طرف بڑھے تاکہ شراب کا پیالہ بھر کے پیش کریں چن چو نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ یہ دیکھا تو ان کا وہی بوڑھا آقا جو تواضع وغیرہ کے معاملات میں سمجھا ہوا تھا خود آگے بڑھا، اس کی آنکھیں اب بھی پہلے کی طرح چمک رہی تھیں، اور اپنی خوش خلقی کے اظہار کے ساتھ اس نے عرض کیا:۔

"جنرل، آپ نہایت اونچے کردار کے انسان ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔ آپ جیسے انسان تو ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ اگر آپ کو کوئی اور غذا مرغوب ہو تو صرف حکم فرمانے کی دیر ہے، حاضر کی جائے گی۔ اگر ترکاری آپ کے حسب منشا نہ پکی ہو تو صرف آپ فرما دیجئے۔ کھانے کے قابل سوائے گوشت کے اور کوئی چیز حاضر نہ کرسکا......"

چن چو مزے کے ساتھ کھانا کھاتا رہا۔ اس بنئے کی چکنی چپڑی اور نوکیلی باتوں میں الجھنے کے لئے اس کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔

ہر چیز بہت عمدہ ہے، نہایت خوب ہے، آپ اپنا کام کیجئے، کیوں کہ ابھی چند منٹ میں ہم لوگ یہاں مشورے کا جلسہ کریں گے.......نہیں... لیجئے، میں کھانے سے فارغ ہو چکا۔ اب اٹھا لیجئے.........،، جنرل نے میز اپنے سامنے سے سرکا دی۔ اناابھی تک برابر کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔

"انا! کیا واقعی تمھیں تنگھائی جانا ہی ہے؟" جب وہ دوکاندار، اور اس کے آدمی کمرے سے نکل گئے تو جنرل نے انا سے سوال کیا۔

"جی ہاں ــــ مجھے جانا چاہئے۔"

"مگر مجھے تمہارے باپ کی طرف سے اس قسم کا کوئی پیغام نہیں ملا"

"باپ کے پیغام کا کیا ہو گا ؟"

"اس لئے کہتا ہوں کہ مجھے تمہارے باپ کی خواہشات کا بھی احترام کرنا ہے" چن چو کی آواز میں فیصلہ کن بھاری پن آگیا تھا۔ اور انا ایک دم اسطرح اس کے سامنے چپ ہو گئی جیسے اس معرکے کے لئے للکار رہی ہو۔ اسکی آنکھوں میں جو حکم عدولی کی کیفیت تھی اسکا جواب دینے کے لئے جنرل نے اپنا سر نہیں اٹھایا، بلکہ وہ اینٹوں کے فرش سے لگا ہوا۔ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا اور گرم چائے کی پیالی سے جو باریک ہلکا ہلکا دھواں بلند ہو رہا تھا، اسی کو دیکھتا رہا۔

"مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں کہ آپ کس کی خواہشات کا احترام کرتے ہیں، میں تو شنگھائی واپس جانا چاہتی ہوں !" انا میں جنرل چن چو سے زیادہ فیصلہ کن انداز پایا جاتا تھا۔

"تم یہ بھول رہی ہو کہ جب ایک بار تم نے پارٹی اور انقلابی فوج سے اپنا ناتہ جوڑ لیا تو تم صرف اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے مطابق کام کرنے کے لئے آزاد نہیں ہو، اگر ہر آدمی کو اس کے حسب منشا کام کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو کوئی ضابطہ اور ڈسپلن قائم نہیں رہ سکتا"

"جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے اپنے حسب منشا کام کرنے کی مکمل آزادی چاہیئے"

"انا ! ہماری فوج کے آدمی کو اس قسم کی بات کبھی زبان سے نہیں نکالنی چاہیئے، اور پھر تم ! اتنے آدمیوں میں تم ایسی بات کہتی ہو ! تم کو اچھی خاصی تعلیم اور تربیت ملی ہے۔ . . . . یہ نہیں ہوسکتا کہ جاپانیوں نے تمہارے آدمیوں کیساتھ جو سلوک کیا ہے، اسے تم بھلا دو ! معلوم ہوتا ہے تم بہت زیادہ پی گئی ہو ! جاؤ۔

خاموشی سے اپنے بستر پر جا کر لیٹ رہو۔ جب نشہ اس درست ہو جائیں تو اس سوال پر مجھ سے پھر گفتگو کر لینا"

"بہت شراب پی گئی ہوں؟ بہت زیادہ پی جانے کا اس بات سے کیا تعلق؟ ہوسکتا ہے کہ شراب اس ہمیشہ کی لڑائی سے، انقلاب اور مقابلے میں ہر ایک سے زیادہ عقل سکھا دیتی ہو۔ آخر انقلاب ہے کیا؟ کیا یہ کوئی الماسی جام شراب ہے کہ ہر شخص جو اسے منہ لگائے اس کے لئے ہمیشہ تلخی چھلکتی رہتی ہے؟ اور ہم لوگ اس کے بعد اپنی مرضی سے کوئی کام کرنے میں بھی آزاد نہیں رہتے۔"

وہ ایک دم تیزی سے مڑی، اور کمرے سے نکل گئی۔ کمرے کے دروازے جس تیزی سے کھولے گئے تھے، اسی تیزی سے خودبخود گھومے اور زور سے بند ہو گئے۔

چن چو سمجھ گیا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے انا کی زبان سے ایسی باتیں کہلوا دیں اس نے انا جیسی بچی کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا جسے اپنی محبت کے پہلے ہی وار سے بڑی سخت چوٹ لگی تھی۔ ایسی کاری چوٹ جس کا گہرا صدمہ خود اسکے دل میں بھی پوشیدہ تھا اس نے سوچا، ایسی کوئی راہ نکالنے کی کوشش کرنی ہوگی جس کو اس لڑائی میں پھر اس کی پرخلوص شرکت حاصل کی جا سکے جو ابھی ابتدائی مرحلے طے کر رہی ہے۔

دوسرے دن صبح تڑکے جب فوجیوں نے اپنا راستہ ناپنا شروع کر دیا تو انا اس قطار کے آخر میں پڑ حسب معمول مقام پر چل رہی تھی۔ اسکے ساز و سامان میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اسکا تھیلا کمر پر کسا ہوا تھا۔ اور پستول شانوں کے نیچے لٹک رہا تھا۔ اگر کوئی چیز معمول کے خلاف تھی تو اسکے چہرے کا ستا ہوا بے کیف پھیکا پن۔

چن پھر اپنے قدم گھسیٹ رہا تھا، برہنہ سر آسمان کیطرف تھا، اور جیسے ہمیشہ وہ مسرور اور مطمئن رہا کرتا تھا پھر ویسے ہی مگن تھا، اس کی ٹھوڑی بلند تھی، اور نظریں لگی ہوئی تھیں آگے بڑھتے ہوئے دستے پر اور اس کھلے ہوئے پرچم پر جو آگے آگے لہرا رہا تھا۔

چودہواں باب ۱۴

سانگھبو! خود کو ترتیب دے لو!

انھیں کسانوں کے ذریعے ہوتے ہوتے زبانی خبر مل گئی تھی۔ چنانچہ جاپانیوں کا ایک دستہ اور کٹھ پتلی فوج کی ایک کمپنی، اژدہا پنجہ پہاڑی کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

جس دن سے انا گئی تھی۔ اسی روز سے تسیاؤ منگ کے دل و دماغ، غم کے تالاب میں ڈوب سے گئے تھے، اور اسے جب یہ خبر ملی تو اس نے کوئی اہمیت نہ دی بار بار وقتاً فوقتاً لال بھبوکا نے اُسے ہوشیار کرنے کی کوشش کی۔

"کامریڈ تسیاؤ، میں نے سنا ہے کہ جاپانی ادھر آنے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں، ہمیں اب کیا کرنا ہے؟ زخمی سپاہی ابھی ٹھیک نہیں ہوئے ہیں۔

کیا ہمیں اسی جگہ پہ رہنے کی کوشش کرنی چاہئے؟ یا یہاں سے چل دینا چاہئے؟ اگر یہاں سے چل دینا ہے تو یہ کام جتنی جلدی ممکن ہو اچھا ہے۔"

"جنرل کے احکام تو یہ تھے کہ جب تک زخمی اچھے خاصے نہ ہو جائیں — اسوقت تک ہم یہیں ٹھہریں، اس کے بعد ہم تنگ کی طرف روانہ ہوں، اور وہاں باقی ساتھیوں سے جاملیں۔ جنرل کا حکم تو یہ ہے" شیاؤ بات کرتے وقت ذرا مسکرایا، مگر اس کی گفتگو کے پیچھے ایک قسم کی تلخی پوشیدہ تھی۔

"کامریڈ شیاؤ! آپ اپنے ذاتی جذبات کو بھول جائیے، اور تمام ساتھیوں کے متعلق سوچئے۔ میں جانتا ہوں کہ جنرل چونکہ اتا کو اپنے ساتھ لے گیا، اور آپ کو یہاں چھوڑ گیا، اس لئے آپ غیر مطمئن ہیں۔ لیکن وہ اتنے زخمی ساتھیوں کو بھی آپ کے حوالے کر گیا ہے، اور یہ نہیں ہونا چاہئے کہ آپ اتنے آدمیوں کو اپنے دماغ سے نکال دیں، اور ان کے بارے میں سوچیں ہی نہیں۔"

"ہر گز نہیں۔ میں کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس سے ہماری فوجوں کو نقصان پہنچے۔ لال بھبھو کے دوست! یقین کرو۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنے ہر عمل کے لئے اپنا خون بہنے کروں گا۔ چاہے یہاں جاپانی حملہ کریں یا اُن کی کٹھ پتلی فوج، میں آخری سانس تک انکا شدید مقابلہ کروں گا!"

یہی ہے وہ کارروائی، جو تمھیں نہیں کرنی چاہئے۔ شیاؤ، تم اس قسم کی بات کیسے کرتے ہو؟ اور لوگ جو تم سے کہتے ہیں اس کی بالکل پرواہ نہیں۔ صرف خون۔ اور آخری سانس تک مقابلے، کی بات تم نے پکڑ لی ہے۔ اگر تم اپنے فرائض کی طرف سے غافل ہوئے تو خون ضائع ہو جائے گا۔ اور آخری سانس تک لڑنا فضول ثابت ہوگا۔ تمھیں سارے فوجیوں کے بارے میں سوچنا ہے، اور زخمیوں کا خیال کرنا ہے جو آسانی سے چل پھر بھی نہیں سکتے۔ ابھی

ابھی ہم ٹھیک حالت میں ہیں۔ اور اگر ہم ان کا خیال نہیں رکھیں گے تو اور کون رکھے گا۔؟ اگر جاپانی فوج یہاں آ گئی تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ہر وہ آدمی جو اپنا بچاؤ نہ کر سکے اس کے جسم کا وہ قیمہ قیمہ نہیں کر دیں گے؟ اور زخمی ساتھی ظاہر ہے کہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ہاں ہم سب ساتھی ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ کیا تم ہمیشہ یہی نہیں کہتے رہے ہو؟ "

"ٹھیک ہے۔ سب بھائی بھائی ہیں، بھائی بھائی۔ اور ہم سب ملکر یہاں انتظار کر سکتے ہیں، ٹھہر سکتے ہیں۔ ہم سب ایک ساتھ مریں گے، ایکساتھ جئیں گے" اس کی محبوبہ کی جدائی تیاؤ کی رُوح پر ایسا گہرا زخم بن گئی تھی گویا تیاؤ منگ جیتے جی مردہ ہو چکا ہے۔ لال بھبھو کا اپنے دل میں سوچ رہا تھا۔ "کیا مصیبت ہے! میں جاتا ہوں اور تیسرے بھائی ٹی سے اور باقی اٹھارہ ساتھیوں سے اس سلسلے میں بات کرتا ہوں" اس نے تیاؤ کے بے کیف چہرے پر نظر ڈالی اور اس کی بجھی بجھی سی آنکھوں کو دیکھا۔ یقیناً یہ وہ جوشیلا آدمی نہیں ہے جس سے وہ پہلے واقف تھا۔ اور اس وقت جب وہ کٹھ پتلی فوج کی بارکوں سے چپکے سے نکل کر بھاگ گئے تھے، اس وقت جو آدمی اور جوان کا رہنما تیاؤ منگ تھا وہ اس وقت بالکل بدلا ہوا تھا۔ لال بھبھوکا نے سمجھ لیا کہ اس وقت اس آدمی سے بحث میں الجھنا مناسب نہیں ہے۔ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ جلدی سے وہاں سے رخصت ہو کر تیسرے بھائی ٹی کی تلاش میں چلدیا۔ . . .

اسی شام کو وہ سب کے سب اس بڑے ہال میں اکٹھے ہو گئے جہیں جنرل چن چو اپنے سالاروں کو مشورے کے لئے بلایا کرتا تھا۔ زخمی اب اس قابل ہو گئے تھے کہ ان میں سے اکثر خود اپنے پیروں سے اس کمرے تک چلے آئے اور کچھ ایسے تھے جو بغیر بانسوں اور کھپچیوں کے چلنے کی کوشش کر رہے تھے

اس طرح وہ یہ جتانے کی کوشش کر رہے تھے کہ تندرست ہونے کی امید اب بہت قریب رہ گئی ہے، اور یقین کامل ہی ایک ایسا علاج ہے جو ان سب کو عنقریب تندرست کر دیگا۔

اس مبارک بڑے کمرے میں چونکہ شام کی تاریکی امڈی چلی آ رہی تھی اور اگرچہ اُوپر سے آسمان کی طرف وہ کھلا ہوا تھا، تاہم روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے انھوں نے پتھریلے فرش پر ایک جگہ درمیان میں الاؤ روشن کر دیا، اور اس کے ارد گرد ایک بے ضابطہ سا دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ سات داغی برابر ان لوگوں سے مذاق اور چھیڑ خانی کئے جا رہا تھا۔ اور قہقہے لگا رہا تھا، جو پہلے کی طرح اب بھی بے فکری سے کہانیاں قصے سنانے کے مشتاق تھے، وہ ایک دوسرے سے بیان کر رہے تھے کہ جب آخری جاپانی بھی ان کی سرزمین سے نکال دیا جائے گا اور انقلاب ہو جائے گا، تو وہ اس کے بعد کیا کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور اس قسم کی بھی بہت ہی فحش باتیں ہو رہی تھیں کہ شیاؤمنگ نے اتا کے لئے کیب کیا۔ اور اتا نے شیاؤ کے لئے کیب کیا . . . .

باہر چاندنی سرک گئی۔ اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ چاندنی کب آئی، اور کب گئی۔ سب لوگ شیاؤ کو دیکھ رہے تھے جو سب سے کترا کر ایک کونے میں دم دبائے ہوئے غمگین کتے کی طرح سکڑا سمٹا بیٹھا تھا۔

"آخر ہمارا کمپنی کمانڈر کیوں نہیں آتا، اور کانفرنس میں حصہ کیوں نہیں لے رہا ہے۔؟" سات داغی نے چلا کر کہا۔ اور ساتھ ہی دستے کے دوسرے آدمیوں نے تائید کی۔

"ٹھیک ہے، اُسے کھینچ کر لے آؤ۔ اس آدمی کی عقل گم ہو گئی ہے۔"

"آگ میں ڈال کر دیکھو، تپش محسوس ہوتی ہے یا نہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ ایسے معاملے میں بھی آدمی اپنے ہوش وحواس سے کام نہ لے"

بعض آدمی پر عورت کی تمنا، عورت کی یاد بڑی بھاری، اور کٹھن گزرتی ہے مگر پھر بھی جیسے سُرین کو آگ جلاتی ہے، ویسے محبت نہیں جلاتی۔"

دستے کے آدمیوں میں دیرتک بحث ہوتی رہی کہ کون جائے اور شیاؤ منگ کو پکڑ کر لائے، ہر آدمی یہ کام دوسرے پر ٹالتا رہا تھا لیکن خود کوئی اس کے لئے تیار نہ تھا۔

جب جلسہ شروع ہونے کو آیا تو تیسرا بھائی آی اپنی جگہ سے اٹھا، اور اس نے تقریر شروع کی۔

"ساتھیو، سارا شور ہ سے بیٹھ جاؤ، اور سنو جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں" روزمرہ کے معاملات میں دستے کے سب آدمی آی کی بہادری اور دو ٹوک برتاؤ کی عزت کرنے لگے تھے۔ چنانچہ اسوقت سات داغی بھی جس سے نچلا نہیں رہا جاتا تھا، چپ ہو گیا۔ کمرے میں بالکل سناٹا تھا، صرف الاؤ کی لکڑیاں چٹخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ الاؤ کی روشنی میں آی کا چہرہ ماتھے پر بڑے ہوئے بالوں کے گچھوں کے درمیان صاف اور جاندار دکھائی دے رہا تھا شروع میں جو اس نے بولنے کی کوشش کی تو ذرا ذرا اس پر مجمع کی دہشت سوار تھی، اور اس کی آواز بھرائی ہوئی اور غیر قدرتی معلوم ہوتی تھی۔

"جس مقصد سے آج شام ہم نے یہ جلسہ بلایا ہے وہ یہ ہے کہ جنرل نے جو ہم لوگوں کو یہاں چھوڑا تو اس کی غرض یہ تھی کہ ہم یہاں اسوقت تک ٹھہریں جبتک کہ ہمارے زخمی ساتھی ٹھیک ہو جائیں اور اس کے بعد ہم انھیں اپنے ساتھ لے کر تنگ چلے جائیں، وہاں ہم اور ساتھیوں سے جا کر مل جائیں گے۔ وہاں ہم کو

پھر سے پہچان کر باقاعدہ انقلابی فوج میں شامل کر لیا جائے گا۔ ہمارے اور بہت آدمی وہاں ہوں گے اور ہم واقعی اس قابل ہوں گے کہ جاپانیوں اور ان کے پالتو کتوں کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ وہاں سوار دستہ بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ مشین گنیں بھی ان کے پاس ہیں۔ اصلی چیزیں جو کہنی تھی وہ یہ کہ شیاؤ منگ اب ہماری رہنمائی کے قابل نہیں رہے۔ مگر آپ کو چاہئے کہ انھیں معاف کر دیں، کیونکہ وہ ایک عورت کے معاملے میں بری طرح مبتلا ہیں۔ محبت ایک ایسا چوبچہ ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں کو اسکا پار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ اپنی رہنمائی خود کریں۔ آج صبح جو خبر ہمیں ملی ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے، جاپانیوں کی ایک فوج، جس کے پیچھے ان کے فرمانبردار اردلی کی کمپنی بھی ہے، اور جسے غالباً وانگ گھرانے کے آدمیوں نے شہر سے کہلوا کر بھیجا ہوگا۔ آج رات گئے۔ ورنہ کل صبح تک یہاں پہونچنے والے ہیں ......

ہم لوگ کیا کریں گے؟ کیا ہمیں ان کے آنے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہئے یا ان کے آنے تک ٹھہرنا چاہئے۔ اور جانے سے پہلے ان سے سخت جنگ کرنی چاہئے؟ یہ فیصلہ ہم سب کو مل کر کرنا ہوگا" پہلا جملہ بولنے کے بعد ہی آئی کی جو ابتدائی گھبراہٹ اور وحشت تھی وہ جاتی رہی۔ اور آخر میں وہ بالکل قدرتی انداز میں بول رہا تھا۔

خاموشی کا جو حلقہ بیٹھتے وقت اس کے گرد پھیلا ہوا تھا، اس پورے حلقے کی نظریں خود بخود اس گوشے کی طرف مڑ گیں جس میں شیاؤ منگ نے خود کو دفن کر لیا تھا۔ اور جہاں وہ ابھی تک مظلوم، بے بس اور بے زبان بیٹھا تھا

"ساتھیو، ہمیں خود ہی اسکا فیصلہ کرنا ہوگا۔ جلسے سے پہلے شیاؤ منگ

نے مجھ سے کہدیا ہے کہ جو اکثریت کا فیصلہ ہوگا وہ اسے تسلیم کر لے گا۔ تم نے بات صاف کر لی۔

لال بھبوکا نے محسوس کیا کہ ایسے سوال پر تمام دستے کے لوگ بحث مباحثہ کر کے خود کسی فیصلے پر نہیں پہونچیں گے، اور وہ ابھی تک اپنے سالار پر انحصار کئے بیٹھے ہیں، انھیں اب تک یہی خیال ہے کہ شیاؤمنگ ایک تیار منصوبہ لے کر ان کے پاس آجائے گا۔ اور اس کو پورا کرنے کی ذمہ داری خود اٹھائے گا۔

۔ اگر وہ لوگ آتے ہیں تو ہم مقابلہ کریں گے، اس کی پرواہ مت کرو کہ ہم تھوڑے سے آدمی ہیں ہمیں صرف اتنا کرنا ہے کہ دو تین پہاڑی چوٹیوں پر اپنے آدمی لگا دیں۔ اور وہیں سے ان پر دو راؤنڈ گولی چلا دیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بھاگ جائیں گے " بولتے وقت سان داغی کے چہرے پر چیچک کے نشانات میں ابھار چڑھا و آیا، اور اس نے اپنی آنکھوں سے ساتھیوں کے اندر اپنی تائید تلاش کرنی شروع کی۔

" لڑنا چاہئے " میں ذمہ لیتا ہوں کہ جیت ہماری ہوگی، انھیں یقیناً یہ معلوم نہیں ہوگا کہ ہمارے صرف چالیس آدمی یہاں اندر موجود ہیں، اور ان چالیس میں سے بھی آدھے ایسے ہیں جن کے بازو یا پیر کام نہیں کر سکتے۔ اگر انھیں یہ بات معلوم ہوتی تو وہ اب سے کئی دن پہلے یہاں ہمیں لقمہ کرنے کے لئے نہ آگئے ہوتے ؟ ہمیں ان سے ایک جاندار مقابلہ کرنیکا موقع نکالنا چاہئے۔ اگر ایک بار ہم نے ان پر دہشت بٹھا کر بھگا دیا تو یقیناً وہ ایسے رفوچکر ہوں گے کہ اچھا خاصا مال غنیمت ہمارے ہاتھ آجائے گا۔ بہر حال جس صورت سے دیکھئے، پالتو کتوں کی فوج اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرتی۔ اور یہ بونے جاپانی

شیطان بھی مرنے سے ڈرتے ہیں ! یہ لوگ تو اُن سے کیا نام ـــــ ہاں ہر شخص سے زیادہ غدار ہیں۔ اور اگر یہ سمجھتے ہو کہ اسکا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا تو پھر اسکا مطلب ہے کہ ہم ہمیشہ ہی پیچھے ہٹتے رہیں۔ ہمارے آدمی بھی بہت نہیں ہیں۔ راستے ہم کو خوب معلوم ہیں، ہم جلدی سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ وہ ہمارے ایک آدمی پر بھی ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔" یہ اسی دستے کے دوسرے سپاہی کی تجویز تھی جس نے سات وائی کی تائید میں اپنی پتلی تیز نوکیلی آواز بلند کی۔

"اچھا تو پھر یونہی کرو اور بھٹ پڑو۔ جن لوگوں کے ہاتھ پیر سالم ہیں ان کے لئے تو یہ تجویز ٹھیک ہے۔ مگر ہمارے وہ ساتھی جن کے زخم ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئے، ان کا کیا ہو گا؟ میری رائے میں بہتر صورت یہ ہے کہ ہم سب ابھی یہاں سے چل دیں"

ہم نے ابھی دشمن کا ایک بال تک نہیں دیکھا، اور ہم بھاگنے والے ہیں؟ اس کی ماں کو . . . . . . بہتر یہ ہے کہ کل ہم جاپانی دشمن فوج کا نام بدل کر دُم دباؤ فوج، رکھ دیں۔ ساتھیو! ایسے کام نہیں چلے گا۔ سیدھی بات یہ ہے۔ کہ ہمیں لڑنا ہے ہمیں اپنے ہتھیاروں کو استعمال کئے کتنے دن گزر چکے ہیں۔ اگر ہم نے جلدی ہی چند راؤنڈ گولی نہ چلائی تو یقین مانو کارتوسوں میں زنگ لگنا شروع ہو جائے گا۔"

جسے بھاگنا ہو وہ ابھی بھاگ جائے۔ میں تو یہیں رہوں گا۔ اور مقابلہ کروں گا"

بحث اسی طرح گرم ہوتی رہی یہاں تک کہ لوگوں کی آوازیں بجتا بحث میں تمام کمرے کے اندر گونجنے لگیں، بلکہ سارے احاطے میں شور مچنے لگا۔ ہر آدمی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا، کسی کو اتنا خیال نہ تھا کہ الاؤ پر ایندھن ڈال دے یا

یا کچھ اور کرے، سوائے اس کے کہ ہر شخص پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔ یہاں تک کہ چیخ پکار میں سنتری بھی شریک ہو گئے تھے،

زخمی اس ہنگامے سے الگ تھلگ تھے، اور اپنی کھپچیوں اور پٹیوں وغیرہ کو سنبھال رہے تھے، اس ہنگامے اور ہڑ بونگ سے جو ان کو خطرہ تھا وہ ان کے چہرے سے نیک رہا تھا، اور نظروں سے ایک دوسرے کی جستجو کر رہے تھے، اور لی کی نظریں اس طرح بے چین تھیں گویا وہ ہر ایک سے اس بات کی متمنی ہیں کہ اس موقع پر وہ کچھ نہ کچھ کریں۔ زخمیوں میں ایک دو نے زیادہ تر اپنی حالت کا خیال کیا اور کوشش کی کہ اپنی تختیوں اور کھپچیوں کو ہٹا دیں۔ ذرا دیکھیں تو سہی کہ صحت مند آدمی کی طرح وہ بھی چل سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ مگر انھیں اپنے ارادوں میں شکست ہو گئی۔ اور ایک زخمی تو منھ کے بل گر پڑا۔

"ٹھہرو! سب لوگ بیٹھ جاؤ۔ ساتھیو! میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ اس قسم کی بدنظمی نامناسب ہے" جب بختیلے لوگ خاموش ہو گئے اختلافات کی چیخ پکار بند ہوئی، اور جتنے لوگ وہاں موجود تھے، انھوں نے ایک بار پھر اپنے آپے میں آنے کی کوشش کی تو لی نے پھر اپنی تقریر شروع کی۔

"تم میں سے کتنے آدمی ہیں جو لڑائی کی حمایت کرتے ہیں؟ ہاتھ اٹھاؤ!"

سب سے پہلے جس نے ہاتھ اٹھایا وہ سات داغی تھا، اس کا ہاتھ ایسے اٹھا جیسے کمان سے تیر نکلا، اور کسی جاپانی کا نشانہ لے کر نکلا، دو اور ہاتھ اٹھے، پھر تین ہاتھ اٹھے، یہاں تک لڑائی کی حمایت کرنے کے لئے کل دس ہاتھ بلند ہو گئے، لی نے ذہن میں انکا شمار کر کے کہا۔

"اب ہاتھ نیچے کرلو۔ اب وہ لوگ جو لڑائی کی حمایت نہیں کرتے اپنے اپنے ہاتھ اٹھائیں۔"

پانچ آدمیوں نے اس کے جواب میں ہاتھ اٹھائے، ٹی نے انکا بھی شمار کرلیا، اس کے بعد اس نے تمام حاضرین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے نہ لڑائی کی حمایت میں ہاتھ اٹھایا، نہ اس کی مخالفت میں ایسے لوگوں کی آخر کیا رائے ہے؟ وہ کس طرف ہیں؟"

"جو کچھ فیصلہ ہوگا، ہم اسکے ساتھ ہیں، اور جو کچھ تم لوگ طے کروگے اُسی کے مُطابق عمل کریں گے۔ تیسرے بھائی ٹی، اگر لڑنا طے ہوتا ہے تو ہم لڑیں گے، اور اگر یہاں سے بھاگ نکلنے کا فیصلہ ہوتا ہے تو بھی ہم ساتھ ہیں" جن لوگوں نے واضح طور پر اپنی رائے نہیں دی وہ ہر راستے کو اختیار کرنے کے لئے آمادہ تھے، اور وہ سب لوگ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ عمر کے آدمی تھے۔

"تو جو کچھ طے ہوتا ہے تم اس کے مطابق کام کروگے، پھر؟ یہ کیسے ہوگا خیر میرے دماغ میں ایک ترکیب آگئی ہے"، ٹی نے ایک لمحے کے لئے غور کیا۔ آخر میں سنیاؤ منگ اپنے کونے سے نکل کر اس حلقے میں شریک ہونے آیا جو الاؤ کے گرد جمع تھا۔

"جو لوگ لڑنا چاہتے ہیں" وہ اپنی ترکیب بتاتا رہا "انھیں اور ایک دن یہاں ٹھہر کر ملنا ہوگا، اور جو لوگ ابھی ابھی یہاں سے چل دینے کی حمایت کرتے ہیں وہ زخمیوں کی ذمہ داری اپنے سر لیں۔ اور انھیں لے کر گرم پہاڑی کی طرف فوراً روانہ ہوجائیں۔ باقی لوگ کل کا دن گذار کر پرسوں صبح تک وہاں پہونچ لیں گے صرف ایک شرط ہے کہ جو لوگ ابھی جانا چاہتے ہیں، انھیں زخمیوں کو اپنے

ساتھ لیجانا ہوگا"

پہلا آدمی جس نے اس ترکیب کی بڑے جوش وخروش سے تائید کی وہ ساٹ داغی تھا، اس نے جوش حمایت میں اپنے زانو پر زور سے ہاتھ مارا اور زور سے چلایا۔

"ٹھیک! بالکل ٹھیک!! واہ وا، تی کو کیا بات سوجھی ہے! تنگ آن پہونچتے ہی میں فوراً یہ تجویز پیش کروں گا کہ تی کو کمپنی کمانڈر بنا دیا جائے"۔ ساتھ ہی اس نے شیاؤ منگ کو حقارت سے دیکھا، شیاؤ نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی، بلکہ اسکے سامنے اکڑوں ہوکر بیٹھ گیا، اور سر زانو میں جھکا لیا۔

"کامریڈ شیاؤ، تم کیا کرنے والے ہو؟ لڑنا چاہتے ہو یا چل دینا چاہتے ہو؟ یا صرف سوچتے ہی رہوگے؟" چنگ ایک پاؤں اپنے سامنے پڑی ہوئی میز پر رکھے کھڑا تھا۔ اور شیاؤ کی طرف طنز بھری مسکراہٹ دیکھتے ہوئے سوال کر رہا تھا، لیکن شیاؤ کے تیوروں میں ذرا فرق نہ آیا، وہ بالکل خاموش رہا، مگر نہ جانے کیوں تمام کمرے کے ماحول پر بھاری سنجیدگی کا کہر چھا گیا جو کافی وحشت انگیز تھا۔ ساٹ داغی نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا، اور اس کے چہرے پر جو تحقیر کی جھلک تھی۔ وہ تفکر کے آثار میں بدل گئی۔

اوروں میں سے کسی نے دخل دیتے ہوئے کہا "— کامریڈ شیاؤ، کیا تمہارا خیال یہ نہیں ہے کہ تم بھی اس معاملے میں اپنی رائے ظاہر کردو؟"

دوسرے نے کہا —" ٹھیک تو ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ کیا کرنا چاہیئے؟ ہم سب کامریڈ ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ روا داری برتنی ہوگی جب

لاپرواہی اور غیر سنجیدگی سے سات داغی بات کرتا ہے تم اسکا خیال بالکل نہ کرو مگر مشورہ تو دو ۔"

"تباؤ کیا سوچ رہے ہو ۔ ہمیں تباؤ تمہارے دماغ میں کیا تجویز ہے" کئی لوگوں نے آواز ملا کر سوال کیا۔

اب اس کے لئے خاموش اور بے سُدھ رہنا ناممکن ہو چکا تھا، چنانچہ تیاؤ منگ ایک اسٹول پر کھڑا ہوا، اور اس نے دھیمی آواز میں بولنا شروع کیا۔

"میں نے پہلے ہی آپ سے کہدیا ہے کہ پورے دستے کا جو فیصلہ ہو گا میں اسی پر عمل کروں گا، لیکن سات داغی جنگ کا رویہ انتہائی نامناسب ہے۔ آخر اس رویے کی بنیاد کیا ہے؟ کیا ایک ساتھ لڑنے والے سپاہیوں کا باہمی برتاؤ یہی رہتا ہے؟ اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے، کوئی قصور کیا ہے، تو جنرل کے سامنے تم مجھے ملزم قرار دے سکتے ہو۔ مگر تم خود اپنے آپ کو منصف فرض کر کے فیصلہ صادر نہیں کر سکتے، تمھیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اپنے ساتھی کی عزت کرنے کا مطلب ہے خود اپنی عزت کرنا۔ اگرچہ میں تمام لوگوں کے فیصلے کو قبول کر رہا ہوں تاہم احکام صادر کرنے اور انھیں پورا کرانے کی تمام تر ذمہ داری خود مجھی پر آتی ہے۔ اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے میں تم سبکو تنبیہہ کرتا ہوں۔ خاص طور سے چنگ کو!"

"بس اب یہی کرنا ہے ۔ کامریڈ شیاؤ۔ آپ اس دستے کے ساتھ جا سکتے ہیں، جو آج رات گرم پہاڑی کی طرف روانہ ہو جائے گا" آن لانے شیاؤ کو مخاطب کرتے ہوئے تجویز کیا، اس کے بعد ان

لوگوں کی طرف مڑتے ہوئے جنہوں نے یہیں ٹھہرنے کی رائے دی تھی ایک [illegible] اور کہا۔

"بس اب یہی طے پایا —— کل کے لئے ہمیں تیاری کرنی چاہئے!"

ژنگ تاؤ

۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۳ء